بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر مظہری جلد دہم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

نام کتاب: تفسیر مظہری (جلد دہم)
تالیف: حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن: ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین: الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ
مولانا محمد انور مگھالوی
فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تعداد: ایک ہزار
اشاعت: دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)
کمپیوٹر کوڈ: 1Z348

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350
فیکس:۔ 042-7238010
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411
e-mail:- zquran@brain.net.pk
Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

سورۂ ملک

آیاتہا ۳۰ سُوْرَۃُ الْمُلْکِ مَکِّیَّۃٌ ۶۷ رکوعاتہا ۲

سورۃ الملک مکی ہے، اس میں دو رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ٘ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ﴿۱﴾

"منزہ و برتر ہے[۱] وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے[۲] اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے[۳]"

[۱] تبارک برکت سے مشتق ہے جس کا معنی زیادہ ہونا ہے، کمال اور عدمِ نقصان اس کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں مبادی (۱) مراد نہیں ہوتے بلکہ غایات مراد ہوتی ہیں۔ یہ بھی ان صیغوں میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کی جاتی ہے۔ اسے مخلوقات کی صفات سے پاک ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مخلوقات کی صفات نقصان سے خالی نہیں ہوتیں۔

[۲] ید متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ متاخرین نے اس کا معنی قدرت کیا ہے۔ ملک کا معنی ہر چیز پر اس کی بادشاہت اور تمام امور میں اس کا تصرف ہے۔

[۳] وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ وہ جو ارادہ کرے کوئی اس میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے خوف و رجاء اسی سے ہونا چاہئے۔

جب یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی صفات کے کمال اور عیوب سے مبرأ ہونے پر دعویٰ کی طرح ہے جبکہ دعویٰ دلیل کا تقاضا کرتا ہے تو اس کے پیچھے ایسی آیات کا ذکر کیا ہے جو اس پر دلیل ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی دلیلیں ہیں جو مکلفین کی ذات میں موجود ہیں جیسے موت اور حیات، کچھ آسمان کی تخلیق میں ہیں جنہیں کسی نمونہ کے بغیر پیدا کیا۔ کچھ زمین کی پیدائش، اس کے مسخر ہونے اور اس میں مختلف قسم کے رزق پیدا کرنے میں ہیں اور کچھ پرندوں میں ہیں جو پر پھیلائے فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ درمیان میں کفار کے عذاب کو بطور استطراد (ب) ذکر کیا ہے جو حق بات سے بہتے ہیں اور نہ دلائل و براہین میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ثواب کو ذکر فرمایا جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو دلائل و براہین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

"جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو[۱] تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے[۲] اور

(۱) جیسے رحمۃ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء رحمٰن اور رحیم استعمال ہوتے ہیں۔ رحمت کا معنی رقت قلبی اور تعطف ہے۔ رقت قلبی یعنی دل کا کھنچ جانا یہ انفعال ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اس لئے جب رحمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو اس کا معنی رقت قلبی نہ کیا جائے گا بلکہ تعطف یعنی فضل کرنا مہربانی کرنا لیا جائے گا۔

یہاں بھی تبارک کا معنی یہ نہ ہوگا کہ پہلے کچھ کمی تھی بعد میں اضافہ ہوا بلکہ اس کا معنی ہوگا وہ ہمیشہ سے عظمت و شان والا ہے۔ (مترجم)

(ب) یہ ایک اصطلاح ہے جس کا معنی ہوتا ہے ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونا۔ (مترجم)

وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے ۔"

لہ اسم موصول محل رفع میں ہے یا تو اس لئے کہ پہلے اسم موصول سے بدل ہے جو فعل کا فاعل ہے یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے یا مدح کے طور پر منصوب ہے۔ حیات یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ہے جو صفات علم، قدرت، ارادہ اور دوسری صفات کمال کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت ممکنات کو بھی ودیعت کی ہے، جیسا ارادہ تھا اور ممکنات کی جتنی استعداد تھی اس کے مطابق ان میں پیدا کیا۔ ممکنات میں یہ صفت کئی مراتب کے لحاظ سے ظہور پذیر ہوئی۔ بعض میں یہ صفت اس اعتبار سے ظاہر ہوئی کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل ہوئی جس کی کوئی کیفیت نہیں۔ یہ وہ امانت ہے جو انسان کو عطا کی گئی اور جس سے آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور القاء کرنے کی صورت میں نصیب ہوئی۔ حیات کی یہ قسم جس کے مقابلہ میں موت بھی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ سے سمجھی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِیْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ رواه احمد و الترمذی (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق ظلمت میں پیدا کی ان پر اپنا نور ڈالا، جسے اس نور میں سے کوئی حصہ پہنچا تو وہ ہدایت پا گیا اور جسے وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں علم الٰہی میں فیصلہ ہو چکا ہے۔

بعض مخلوقات میں یہ صفت اس طریقہ پر ظاہر ہوئی جس کے باعث ان میں حیوانی حس اور حرکت نمودار ہوئی جسے اور اس کے مقابل موت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تعبیر کیا ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ الآیۃ بعض مخلوقات میں یہ صفت اس انداز میں ظاہر ہوئی کہ اس نمو (بڑھوتری) نے جنم لیا جسے اور اس کی ضد کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تعبیر کیا گیا ہے: يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نباتات کے خشک ہونے کے بعد ان کو تر و تازہ کر دیتا ہے۔

زندگی کی آخری دو قسمیں اجسام میں روح انسانی، روح حیوانی اور روح نباتاتی پھونکنے سے ہوتی ہے۔ جمادات میں مذکورہ تینوں زندگیوں میں سے کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بارے میں فرمایا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ یہ مردہ ہیں زندہ نہیں۔ لیکن جمادات بھی ایک طرح کی زندگی سے خالی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اس کی تفسیر سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ زندگی کی یہ قسم ہر وجود کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ زندگی کے جتنے مراتب ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے کسی کے نہ ہونے کو موت کہتے ہیں یا جس میں زندگی ہونی چاہیے اس میں زندگی نہ ہونے کو موت کہتے ہیں۔ ان میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہوگا یا ایجاب اور سلب کا ہوگا اس لحاظ سے موت ایک عدمی صفت ہوگی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ممکن کی موت اس زندگی پر مقدم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ودیعت کی گئی جس پر وہ آیت دلالت کرتی ہے جسے ہم نے تلاوت کیا ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: كُنْ فَيَكُوْنُ۔

جب ہر مرتبہ میں موت، حیات سے مقدم ہے تو یہاں موت کو پہلے ذکر کیا ہے یا کیونکہ موت کا ذکر انسان کو زیادہ خوف دلاتا ہے اس لئے پہلے ذکر کرنا مناسب تھا۔ بعض علماء نے کہا موت ایک وجودی صفت ہے اس کا حیات کے ساتھ تقابل ضد کی صورت میں ہے۔ پس موت اجسام میں ایسی کیفیت ہوگی جو علم، قدرت، حس، حرکت اور ایسی دوسری چیزوں سے مانع ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89 (وزارت تعلیم)

کیونکہ جب موت کو پیدا کیا تو یہ موت کے وجود کا تقاضا کرتا ہے جبکہ اعدام اصلیہ (جو اصلاً معدوم ہیں) مخلوق نہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عقل بدیہی طور پر اس پر شاہد ہے کہ ہم اموات میں ایسی چیز نہیں پاتے جو اس کی ذات کے ساتھ باہر سے آ کر ملے بلکہ موت ایک امر انتزاعی ہے جو مردہ سے اخذ کیا جاتا ہے جس طرح نابینا کو دیکھ کر بے بصارتی کو سمجھا جاتا ہے۔ کشف کی بصیرت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کے علم میں اپنی اضداد کے ساتھ جدا جدا متحقق ہیں۔ حیات کی نقیض موت ہے۔ علم کی نقیض جہالت ہے، قدرت کی نقیض عجز ہے، بصر کی نقیض اندھا پن ہے۔ اسی طرح یہ اصلاً معدوم ہیں اور مرتبہ علم میں اپنی اضداد کی طرف اضافت کے اعتبار سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کے رنگ دینے کی وجہ سے اعدام اصلیہ بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں جس رنگ میں اس کی صفات کمال رنگی ہوئی ہیں۔ انہیں کو مرتبہ علم میں اعیان ثابتہ اور اس مرتبہ وجود کے رنگ سے رنگے ہونے کی وجہ سے انہیں کون اول کہتے ہیں اور خارج میں کون کا یہ سبب ہیں جس طرح ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت کُنْ فَیَکُوْنُ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ پس اعیان ثابتہ صفات کا ظلال ہیں اور خارج میں ممکنات ان اعیان ثابتہ کا ظل ہیں۔ ممکنات کا اعیان ثابتہ کے ظل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مبدأ فیاض (اللہ تعالیٰ) سے وجود اور اس کے توابع کا فیضان ان ممکنات پر جو خارج میں موجود ہیں انہیں اعیان ثابتہ کے توسط سے ہوتا ہے۔ جس طرح وہ چراغ جو شیشے کے اندر ہوتا ہے اس کا نور دوسری چیزوں کی طرف شیشے کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ اس مفہوم کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۖ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صفات اور ممکنات کے درمیان اعیان کا واسطہ ہوگا یہ صرف دنیا تک محدود ہے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے وہاں صفات سے ممکنات کی طرف وجود اور اس کے توابع کا فیضان اعیان کے واسطہ کے بغیر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ممکنات پر فناء طاری ہوگی لیکن آخرت میں ان پر فناء طاری نہ ہوگی۔

قرآن حکیم کی آیات یعنی كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ، اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ اور اس جیسی دوسری آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ موت ممکن کی صفت ہے جو ممکن کی ایجاد سے پہلے متحقق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان خَلَقَ الْمَوْتَ کا معنی یہ ہوگا کہ زندگی پیدا کرنے کے ساتھ موت کو ظاہر فرمایا یا زندگی زائل کرنے کے ساتھ اسے ظاہر فرمایا یا اموات کو پیدا فرمایا تاکہ اس سے زندگی نہ ہونے کا تصور کیا جا سکے۔ خلق کا معنی تقدیر بھی ہے، یعنی موت اور حیات کو مقدر کیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ" کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں موت کو پیدا کیا اور آخرت میں حیات کو پیدا کیا۔ میں کہتا ہوں شائد حضرت ابن عباس نے یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کو موت اور اخروی زندگی کو حیات سے تعبیر کیا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں کہ اعیان ثابتہ دنیا میں ممکنات کے مربی ہیں۔ تاہم عدم ان کی ماہیت میں داخل ہے۔ اس لئے دنیاوی زندگی موت کے شائبہ سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ بات درست ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یعنی فی الحال موت ثابت ہے اسی طرح كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ میں ہے کیونکہ اسم مشتق میں حقیقت میں حال کا معنی ہوتا ہے ماضی اور مستقبل مجاز ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت جسم ہے عرض نہیں۔ اسے چتکبرے مینڈھے کی صورت میں اور زندگی کو چتکبری گھوڑی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بدور السافرہ میں اختیار کیا ہے۔ اس قول کی بنیاد حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما کا اثر ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موت کو چتکبرے مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا یہ جس چیز کے پاس سے گزرتا ہے یا جس چیز کو اس کی خوشبو پہنچتی ہے وہ مر جاتا ہے اور زندگی کو ایک چتکبری گھوڑی کی صورت میں پیدا کیا۔ یہی وہ گھوڑی ہے جس پر جبرئیل امین اور انبیاء سواری کرتے۔ یہ جس چیز کے پاس سے گزرتی یا جس چیز کو اس کی خوشبو پہنچتی تو وہ زندہ ہو جاتی۔ یہی وہ گھوڑی تھی جس کے قدموں کی جگہ سے سامری نے مٹھی بھر مٹی لی تھی اور بچھڑے میں ڈال دی تھی تو اس بچھڑے میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ اثر اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ موت جسم ہے عرض نہیں ہے۔ اسی طرح زندگی بھی جسم ہے بلکہ یہ اثر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مخلوقات میں سے ایک جسم ہے جو چتکبرے مینڈھے کی صورت میں ہے جسے موت کہتے ہیں اور ایک جسم گھوڑی کی صورت میں ہے جسے زندگی کہتے ہیں۔ یہ جس چیز کے پاس سے گزرتے ہیں یا جس چیز کو ان کی ہوا پہنچتی ہے تو پہلے کے ساتھ وہ چیز مر جاتی ہے اور دوسری کی وجہ سے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ان حیوان میں موت اور حیات اس کا جسم نہیں بلکہ اثر ہے جو اس کے گزرنے اور خوشبو پاتے پر مرتب ہوتا ہے جس طرح زہر یا ان جیسی چیز کے قریب سے اثر مرتب ہوتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا اے جنتیو اب کوئی موت نہیں ہوگی اے جہنمیو اب کوئی موت نہیں ہوگی۔ تو جنتی یہ سن کر بہت خوش ہوں گے اور جہنمی یہ سن کر سخت غمگین ہوں گے (1)۔ صحیحین میں ہی حضرت ابن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز موت کو لایا جائے گا گویا وہ چتکبرا مینڈھا ہے اسے جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا .... پھر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا (2)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چتکبرے مینڈھے کی صورت میں موت کو لایا جائے گا (3)۔ اسلاف کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ اس کے معنی کی تحقیق میں توقف کرتے تھے، اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے۔ جس طرح تمام متشابہ روایات میں ان کا معمول تھا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی نقل کیا ہے۔ جب صوفیاء کے لئے عالم امثال ظاہر ہوا اور عالم امثال میں ہر جوہر، ہر عرض بلکہ مجردات کی بھی مثال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی مثال (۱) ہے حالانکہ وہ شبہ اور مثال سے پاک اور ماوراء ہے۔ اس حدیث کا محل بھی عالم مثال ہے۔ میں نے اپنے والد کو بے ریش جوان اور گھنگھریالے بالوں والا دیکھا۔ ان کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ صورت مثالیہ میں عالم امثال سے عالم شہادت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہ چیز کثیر اولیاء سے بطور کرامت مشہور ہے۔ شائد اللہ تعالیٰ آخرت میں موت کی صورت مثالیہ کو عالم مثال سے عالم شہادت کی طرف حاضر کرے گا، اسے ذبح کرنے کا حکم دے گا یہاں تک کہ جنتیوں اور جہنمیوں پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اب موت واقع نہ ہو گی۔ اسلام، ایمان، قرآن، اعمال، امانت، رحم اور ایام دنیا کو دوبارہ اٹھانے میں بھی یہی تاویل کی جائے گی جس طرح احادیث صحیحہ نے اس کو بیان کیا ہے جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 382 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 156 (العلمیہ)

(۱) یہ چیز یں صوفیاء کی شطحیات میں سے ہیں جن پر اعتقاد رکھنا اور ان کی پیروی کرنا درست نہیں۔ فقہاء اس پر سخت تنبیہ کرتے ہیں۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدور سافرہ میں کہا ہے اعمال اور معانی سب مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی نہ کوئی صورت بھی ہے جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ علماء حقیقت نے وضاحت کی ہے کہ کشف کی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ معانی کے حقائق پر آگاہی ہو جاتی ہے اور صورتوں کو اجسام کی صورتوں میں ادراک کر لیا جاتا ہے۔ احادیث اس کی شاہد ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں۔ عالم امثال کے بارے میں یہ قول امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول بھی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

؎ اے جن وانس تمہیں احکام کا مکلف بنا کر تمہارے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کرے۔ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یہ جملہ لیبلو کم کا مفعول ثانی ہے جو اپنے ضمن میں "یعلم" کا معنی لئے ہوئے ہے۔ یہاں فعل معلق نہیں کیونکہ اس کا مفعول اول کلمہ استفہام سے مقدم ہے۔ اگر یہاں فعل کو معلق کیا جاتا تو کلمہ استفہام مفعول اول سے مقدم ہوتا۔

فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بلوی کا فعل ای پر اس وقت عامل نہیں بنایا جاتا جب ای کے بعد ضمیر ہو جس طرح کہا جاتا ہے بَلَوْتُكُمْ لِأَنْظُرَ اَيُّكُمْ اَطْوَعُ(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ اس کا معنی ہے کون از روئے عمل کے سب سے اچھا ہے، کون سمجھ بوجھ میں سب سے اچھا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی محارم کے بارے میں احتیاط کرنے والا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لیبلو کم یہ خلق الموت والحیوۃ کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت اور زندگی کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مطیع نافرمان سے نمایاں ہو جائے کیونکہ زندگی پر ہی تکلیف کا دارومدار ہے اور اسی سے قدرت ممکنہ حاصل ہوتی ہے موت ایک نصیحت ہے جس سے ذہین آدمی نصیحت حاصل کرتا ہے اور آخرت کے لئے زاد راہ کے حصول میں فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتا ہے۔ احوال یعنی موت اور زندگی کا بدلنا یہ اللہ تعالیٰ جو صانع، حکیم اور مختار ہے کے وجود پر دلیل ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے موت بہترین واعظ ہے اور یقین بہترین غنا ہے(2)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ موت دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی رغبت دلانے کے لئے کافی ہے۔(3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے سات چیزیں جن کا تم سامنا کرنے والے ہو ان سے پہلے عمل کر لو ایسے فقر سے جو ہر چیز کو بھلا دے، ایسی دولت سے جو سرکش بنا دے، ایسی مرض سے جو ہر چیز کو فاسد کر دے، ایسا بڑھاپا جو بے علم بنا دے، ایسی موت جو دنیا چھڑا دے، دجال یہ ایسا شر ہے جس کا پہلے بھی انتظار کیا جاتا رہا اور قیامت جو بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(4)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح کہا۔ امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے انہیں سے مرفوع روایت نقل کی کہ چھ واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اچھے اعمال کر لو، مغرب کی جانب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے، دھواں ظاہر ہونے سے پہلے، دابۃ الارض کے نکلنے سے پہلے، دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے، تمہاری موت آنے سے پہلے، امر عام یعنی قیامت سے پہلے(5)۔ خویصہ سے مراد موت ہے اور امر عامہ سے مراد قیامت ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔

؎ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے میں وہ غالب ہے اور جس کو چاہے اسے بخش بھی دیتا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔
2۔ مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 554 (الفکر)
3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 353 (العلمیہ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 54 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 406 (قدیمی)

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝

"جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے[1] تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل[2] ذرہ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے[3]"

[1] اسم موصول یہ ھو ضمیر کی دوسری خبر ہے یا یہ سابقہ اسم موصول سے بدل ہے۔ طباق اسم جامد ہے اور اس سے پہلے ذا کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ یہ طبق کی جمع ہے جس طرح جبل کی جمع حبال آتی ہے۔ یا یہ طبقہ کی جمع ہے جیسے رحبۃ کی جمع رحاب آتی ہے۔ یا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی طوبقت طباقا یہ طابقت النعل سے مشتق ہے۔ یہ سبع کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں وہ روایات ذکر کی تھیں جو آسمانوں اور ان کی دوری کے بارے میں وارد ہوئی تھیں۔

[2] خطاب حضور ﷺ کو ہے یا ہر مخاطب کو ہے۔ اس میں ما نافیہ ہے یا ما استفہامیہ ہے جو تری کا مفعول ہے اور انکار کا معنی دیتا ہے۔ خلق الرحمٰن میں اضافت عہدی ہے اور اس سے مراد وہی سات آسمان ہیں جن کا ذکر ہو چکا۔ لفظ رحمٰن کی طرف اضافت تعظیم کے لئے ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اضافت جنس کے لئے ہو کیونکہ مخلوقات کی جنس میں واضح تفاوت ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ یہاں تفاوت سے مراد ایسی چیز کا فوت ہونا ہے جو اس میں پائی جانی چاہئے اور تفاوت کا معنی عدم تناسب ہے۔ تو عبارت کا مقتضیٰ یہ ہوگا کہ یہ جس خوبصورت نظام پر اب موجود ہیں اس سے زیادہ خوبصورت نظام میں ممکن نہ تھا۔

من تفوت میں من زائدہ ہے یا تبعیضیہ ہے جب ما کو نافیہ مانا جائے۔ من بیانیہ ہوگا جب اسے استفہامیہ مانا جائے۔ یہ جملہ سبع کی صفت ہے یا خلق کے فاعل سے حال ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ خلق الرحمٰن میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔ مقصود یہ وضاحت کرنا ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی اس لئے نہیں پائی جاتی کیونکہ یہ اس ذات کی طرف منسوب ہے جو نقص سے پاک اور رحمت کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔ یا یہ کیف خلقت کے جواب میں جملہ مستانفہ ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے باب تفعل سے من تفوت پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے باب تفاعل سے پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح تعهد اور تعاهد کا معنی ایک ہوتا ہے۔ یہ فوت سے مشتق ہے کیونکہ دو چیزیں جو آپس میں متفاوت ہوتی ہیں ان میں سے ایک میں دوسری چیز کی نسبت کوئی چیز فوت ہوتی ہے۔ یعنی اس میں کوئی کجی اور نقصان نہیں جس طرح تم انسانوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں دیکھتے ہو۔

[3] یہ محذوف شرط کا جواب ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر تو یہ گمان کرے کہ بار بار نظر کرنے سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے تو نظر کو بار بار لوٹا فطور کا معنی شقوق ہے۔ یہ فطرہ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ کسی چیز کو پھاڑ دے۔ اس میں من زائدہ ہے یا تبعیضیہ ہے اور استفہام معنی کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے ہے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝

"پھر بار بار نگاہ ڈال لوٹ آئے گی تیری طرف (تیری) نگاہ ناکام ہو کر در آں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی[1]"

[1] اس کا عطف فارجع پر ہے۔ یہاں تثنیہ کا لفظ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی یکے بعد دیگرے جس طرح لبیک میں ہے ینقلب جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ خاسئا کا معنی اپنے مقصد کو پانے سے بہت دور جبکہ اس میں ذلت اور حقارت بھی موجود ہو۔

حسیر کا معنی تھکی ہوئی کیونکہ اس نے بار بار نظر کی ہے۔ یہ ینقلب کے فاعل سے حال کے بعد حال ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت کعب سے روایت کیا گیا ہے آسمان دنیا ایک بند موج ہے جبکہ دوسرا آسمان سفید موتی ہے، تیسرا لوہے کا ہے، چوتھا تانبے کا ہے، پانچواں چاندی کا ہے، چھٹا سونے کا ہے اور ساتواں سرخ یاقوت کا ہے، ساتویں آسمان سے لے کر سات حجابوں تک نور کے صحراء ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤

"اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے ۱؎ اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب ۲؎"

۱؎ آسمان دنیا یعنی سب سے نیچے والا آسمان جو زمین کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ مصابیح سے مراد ستارے ہیں کیونکہ ستارے بھی تاریکیوں کے چراغ ہیں جن کے ذریعے راستوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ستارے دنیا والے آسمان میں مرتکز ہیں۔ فلاسفہ نے جو گمان کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ان کی (ستاروں کی) حرکات کے متعدد ہونے پر افلاک کے متعدد ہونے کا استدلال کرنا اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک آسمانوں پر خرق والتیام (۱) کا امتناع ثابت نہ ہو جبکہ یہ عقلاً جائز ہے اور شرعاً واجب ہے۔

۲؎ ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے لئے رجم بنا دیا ہے جو چوری چھپے آسمان والوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ستارے اپنی جگہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ ان سے آگ کے شعلے الگ ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جب سابقہ کلام شیاطین کے ذکر کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھی اس کے پیچھے کفار کا ذکر کیا کیونکہ شیاطین کفار کی جماعت میں سے ہیں اور کفار شیاطین کے بھائی ہیں تو فرمایا:

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑥ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ⑧

"اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے ۱؎ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ۲؎ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے پھٹنا چاہتی ہے جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا ۳؎"

۱؎ جب کفار کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس سے گدھے کی سی آواز سنیں گے جو آگ سے نکل رہی ہوگی یا ان سے نکل رہی ہوگی جو ان سے پہلے جہنم میں داخل ہوئے یا ان جہنمیوں سے نکل رہی ہوگی شھیقا ذوالحال ہے اور لھا اس سے حال ہے ذوالحال کیونکہ نکرہ ہے اس لئے حال کو ذوالحال پر مقدم کیا ہے۔

(۱) یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ آسمان نہ پھٹے گا اور نہ جڑے گا بلکہ اس کا پھٹنا اور جڑنا ممتنع ہے۔ مترجم

جہنم اس طرح جوش مار رہی ہوگی جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ ہر حمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے جہنم ان جہنمیوں کے ساتھ یوں جوش مار رہی ہوگی جس طرح زیادہ پانی تھوڑے دانوں کے ساتھ جوش مارے گا(1) یہ کلام بطور مجاز ہے۔

۲ قریب ہے کہ جہنم غصے سے پھٹ جائے من الغیظ تمیز کے متعلق ہے۔ یہ جملہ تفور کے فاعل سے حال ہے اور ھی تفور لھا کی ضمیر سے حال ہے۔ اس غیظ سے مراد اللہ تعالیٰ کا غیظ ہے یا عذاب کے فرشتوں کا غیظ ہے یا جہنم کی آگ کا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غیظ ہے۔ غیظ کی آگ کی طرف نسبت یا تو مجازی ہے اور اس میں استعارہ جاری ہوگا یا یہ نسبت حقیقی ہوگی مگر اس وقت جب آگ کے لئے شعور کو ثابت کیا جائے جس طرح ہم نے جمادات میں شعور کو ثابت کیا ہے۔

۳ جب بھی جہنم میں کافروں کی جماعت پھینکی جائے گی تو جہنم کے دارو غے انہیں شرمندہ کرنے کے لئے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا جو تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے یہ جملہ مستانفہ ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے مایقال لھم حین یلقون اور کلما ظرف ہے جو سالھم کے متعلق ہے یہاں استفہام تقریر کے لئے ہے۔

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝۹

"وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔"

۱ یہ حال مستقبل کی حکایت ہے، یعنی جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ بھی ایک مقدر سوال کا جواب ہے ما یقولون حین یسئلون کذلک۔

بلٰی یہ قالوا کا مفعول ہے۔ نذیر یہ فعیل کا وزن ہے صفت کا معنی دیتا ہے اور جمع کے معنی میں ہے یا یہ مصدر ہے اور اس کا مضاف مقدر ہے جو اہل ہے یا یہ مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے اس کے ساتھ صفت لگائی گئی ہے یا یہ صفت کا صیغہ ہے اور واحد کے معنی میں ہے۔ پھر آیت کا معنی یہ بنے گا ہم میں سے ہر ایک کی طرف ایک ڈرانے والا آیا۔ یہ جملہ بلٰی کے معنی کی ہی وضاحت کرتا ہے۔ ہم نے نذیر کی تکذیب کی اور جھٹلانے میں زیادتی کی یہاں تک کہ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، یعنی وحی نازل کرنے اور رسول بھیجنے کی مطلقاً نفی کر دی۔

ان انتم..... کبیر ظاہر سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کفار کا کلام ہے جنہوں نے رسولوں کی تکذیب میں مبالغہ کیا اور انہیں بڑی گمراہی کی طرف منسوب کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مقولہ ہو اور جہنم کے داروغوں نے کفار سے جو کلام کی اس کی حکایت ہو تذیرا گر واحد کے معنی میں ہو تو خطاب اسی کو ہوگا اور اس کے مثل پر اسے غلبہ دیا گیا ہوگا یا ایک رسول کے جھٹلانے کو تمام رسولوں کے جھٹلانے کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۰

"وہ کہیں گے کاش ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔"

۱ اس کا عطف قالوا پر ہے۔ نسمع کا مفعول بہ کلام النذیر ہے، یعنی انہوں نے کہا کاش ہم انبیاء کا کلام عناد کے بغیر قبول

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کرنے کے لئے سنتے اور جو چیز دلائل سمعیہ سے ثابت ہوتی اس پر ایمان لاتے یا ہم آیات اور دلائل قطعیہ میں غور وفکر کرتے جو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان کو واجب کرتے ہیں۔ یہاں دلیل نقلی کو دلیل عقلی پر مقدم کیا ہے کیونکہ دلائل نقلیہ دلائل عقلیہ کی بنسبت اتباع کرنے اور حق تک پہنچنے میں زیادہ مدد ومعاون ہیں۔ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ عقل سلیم وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ او کا کلمہ واو کے معنی میں ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا کاش ہم انبیاء کے کلام کو سنتے اور اس کے معنی کو سمجھتے اور اس میں صاحب بصیرت لوگوں کی طرح غور وفکر کرتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿۱۱﴾

"پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر۔[1]"

[1] اس کا عطف قالوا پر ہے اور یہ عطف تفسیری ہے۔ انہوں نے اس وقت گناہ کا اعتراف کیا جب اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اعتراف کا معنی معرفت کا اقرار کرنا ہے۔ یہاں ذنب کا معنی کفر ہے۔ اس کی جمع ذکر نہیں کی گئی کیونکہ یہ اصل میں مصدر ہے۔

فسحقا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَاَسْحَقَهُمُ اللّٰهُ سُحْقًا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا کلام کو مختصر کرنے اور مبالغہ کے اظہار کے لئے فعل کو حذف کیا گیا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح رعب میں دونوں لغتیں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ دعائیہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾

"بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے۔[1]"

[1] ربھم سے پہلے عذاب کا لفظ محذوف ہے اور بالغیب اس سے حال ہے۔ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو عذاب ان سے غائب ہے جسے انہوں نے ابھی تک نہیں دیکھا یا یہ واو ضمیر سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس حال میں کہ وہ عذاب سے غائب ہیں یا وہ جب لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوں وہ منافقین کی طرح نہیں۔ یا جار مجرور فعل کے متعلق ہے کہ وہ اپنے دلوں سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے گناہوں کی بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ ہر وہ چیز جو لذت کا باعث ہے وہ اس کے مقابلہ میں حقیر ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی وعید کے مقابلہ میں مومنین کے ساتھ وعدہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تعارف اللہ سے ڈرنے والے کے الفاظ کے ساتھ کر دیا گیا ہے مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ ایمان کا مطلوب یہی چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ(1) اللہ تعالیٰ سے ڈرنا دانشمندی کا کمال ہے۔ اسے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مشرک رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرتے تو جبریل امین حضور ﷺ کو آگاہ کر دیتے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا آہستہ بات کرو، کہیں حضرت محمد ﷺ کا اللہ سن ہی نہ لے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾

1۔ نوادر الاصول، جلد 1، صفحہ 271 (صادر)

"تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ ا"

ا اسروا امر کا صیغہ ہے اور انشاء ہے مگر معنی خبر کا دے رہا ہے، یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں۔ یہ غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ اس میں تہدید ہے کیونکہ وہ دلوں کے بھید اس وقت سے جاننے والا ہے جبکہ ان نے ابھی خفیہ یا بلند آواز سے ظاہر نہ کیا ہو۔ انه علیم ......الخ اس تہدید کی تعلیل ہے۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾

"(نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے۔ ا"

ا وہ ذات پاک جس نے سینوں کو سینوں میں موجود رازوں کو اور ہر شئے کو پیدا کیا کیا وہ سر اور جہر کو نہیں جانتا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو نہیں جانتا۔ اس میں استفہام انکاری ہے۔ نفی کا انکار علم کا اثبات ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ لطیف و خبیر ہے کیونکہ اس کا علم ظاہر اور باطن تک پہنچنے والا ہے۔ یہ خلق کے فاعل سے حال ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی جہالت پر متنبہ کیا اور اپنی ان حسین صنعتوں کو ذکر کیا جو اس کے علم اور قدرت کی وسعت پر دلالت کرتی ہیں اور لوگوں کی صفت کی قباحت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ انہوں نے انعام کے مقابلہ میں کفر کیا جو شکر کا تقاضا کرنے والی ہیں۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾

"وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر ا اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے۔ ۲"

ا ذلولا کا معنی نرم اور مطیع ہے اس زمین میں چلنا مشکل نہیں جس طرح مطیع اونٹنی پر سواری کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ تم زمین کی اطراف میں چلو۔ اس سے منکب الرجل ہے جس کا معنی آدمی کا کندھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا مناکب سے مراد پہاڑ ہیں۔ یہ زمین کے حد درجہ مسخر ہونے کی مثال ہے کیونکہ اونٹ کا کندھے پر سوار قدم نہیں جا سکتا اور نہ ہی کندھا اس کے لئے مسخر ہوتا ہے۔ جب زمین اتنی مسخر کر دی گئی ہے کہ اس کی اطراف میں چلنا ممکن ہے تو اس میں سے کوئی بھی حصہ ایسا باقی نہ رہا جو مسخر نہ ہو۔

۲ اس کی نعمتوں کو تلاش کرو۔ اس کا عطف فامشوا پر ہے۔ تمہارا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جو انعام کیا ہے اس کے بارے میں تم سے سوال کرے گا۔

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے ا کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے ۲"

1۔ قنبل رحمۃ اللہ علیہ نے النشور و اٰمنتم پڑھا ہے۔ یعنی ہمزہ استفہام کو واؤ سے بدل دیا۔ یہ وصل کی صورت میں ہے۔ اگر نشور پر وقف کیا جائے تو ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا۔ ابن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے جبکہ باقی قراء نے دوسرے ہمزہ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ سب اپنے اپنے اصولوں پر قائم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے(1)۔ یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو کیا وہ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں کون مجھ سے بخشش کا طلب گار ہے کہ میں اسے بخش دوں، متفق علیہ۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو ایسی ذات سے اعراض کرتا ہے جو کسی کو نہ معدوم رکھتی ہے اور نہ یہ ظلم کرتی ہے یہ ندا صبح طلوع ہونے کے وقت تک جاری رہتی ہے(2)۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمان میں مکان بنانے سے منزہ ہے۔ اسلاف کا مذہب اس بارے میں یہ تھا کہ وہ خاموش رہتے اور صوفیاء کا قول اللہ تعالیٰ کے فرمان یَاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ متاخرین نے اس کی کئی تاویلیں کی ہیں کہ من فی السماء سے مراد اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی قضاء ہو۔ یا یہ کلام عربوں کے گمان کے مطابق کی گئی یا آسمان سے مراد رتبہ کے اعتبار سے بلندی ہے مکان کے اعتبار سے بلندی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا من فی السماء سے مراد فرشتے ہیں جو امور کی تدبیر پر معین ہیں جن کی حیثیت زمین کو دھنسانے اور ان پر پتھر برسانے میں آلہ کی ہے۔

2۔ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کے ساتھ سلوک کیا۔ یا یہ من سے بدل اشتمال ہے۔ جبکہ وہ تھرتھرا رہی ہو گی اس جملے کا عطف یخسف پر ہے۔ اذا مفاجاتیہ ہے جو مابعد جملہ کی طرف مضاف ہے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے 1"

1۔ ام منقطع ہے جو بل کے معنی میں ہے اور استفہام انکار کا معنی دے رہا ہے۔ حاصبا ایسی ہوا جس میں پتھر ہوں جس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا۔ فستعلمون کا عطف سابقہ جملہ کے مضمون پر ہے، یعنی تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے، یعنی میرا عذاب کیسا ہے مگر تمہارا اس وقت جاننا تمہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ ورش نے اسے نذیری پڑھا ہے۔ اسی طرح اس نے نکیری پڑھا ہے۔ وصل کی صورت میں یاء کو آخر میں ثابت رکھا ہے اور وقف کی صورت میں دونوں جگہ کو یاء کو حذف کیا ہے جبکہ باقی قراء نے دونوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾

"اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا 1"

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا۔

2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 258 (قدیمی)

یہ کلام محذوف قسم کا جواب ہے۔ ان پر عذاب نازل کر کے میرا انکار کرنا کیسا ہوگا۔ ان آیات میں حضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اور کفار کے لئے دھمکی ہے۔ یہاں استفہام تعجب اور تقریر کے لئے ہے۔ جملہ استفہامیہ جملہ خبریہ کی تاویل میں ہوکر کذب پر معطوف ہے۔ اس جملہ میں خطاب سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

"کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے[1]"

[1] ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: اَلَمْ يَنْظُرُوْا مَا خَلَقْنَا مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَغَيْرِهِمَا وَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ ... فَوْقَهُمْ یہ ظرف ہے اس کا تعلق صافات کے ساتھ ہے۔ یہ الطیر سے حال ہے۔ اس رؤیت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے کیونکہ یہ "اِلٰی" کے ساتھ متعدی ہے یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہیں کیونکہ جب وہ پروں کو پھیلاتے ہیں تو اپنے قوادم (وہ پر جو لمبے ہوتے ہیں) صف در صف کر دیتے ہیں اور اپنے پہلوؤں میں اپنے پر سمیٹ لیتے ہیں۔ یقبضن کا عطف صافات پر ہے۔ اسم فاعل سے فعل کی طرف اس لئے عدول (پھرنا) کیا گیا ہے تاکہ حدوث اور تجدد پر دلالت ہو کیونکہ اڑنے میں اصل تو پروں کو پھیلانا ہے اور پروں کا سمیٹنا اور پہلوؤں کے ساتھ مارنا وقتہ وقتہ سے ہوتا ہے تاکہ حرکت کرنے کے لئے ان سے مدد لے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یقبضن کا عطف یبسطن پر ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی يَبْسُطْنَ تَارَةً وَيَقْبِضْنَ اُخْرٰى۔

قاعدہ طبعیہ کے خلاف فضا میں انہیں اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہے۔ یہ جملہ صافات کے فاعل سے حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اس لئے خوب جانتا ہے کہ غرائب کو کس طرح تخلیق کرتا ہے اور عجائبات میں کس طرح تدبیر کرتی ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

"(اے منکرو) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمٰن کے علاوہ بے شک منکرین دھوکہ میں مبتلا ہیں[1]"

[1] ام متصلہ ہے اور اس کا مقابل اولم یروا ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا وہ اس قسم کی صنعتوں میں غور نہیں کرتے اور ہماری اس قدرت کو نہیں جانتے کہ ہم انہیں زمین میں دھنسا نے اور پتھر برسانے پر قادر ہیں یا تمہارے پاس لشکر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریں گے اور تم سے عذاب دور کردیں گے۔ اگر وہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ام ابتدائیہ ہے نہ یہ متصلہ ہے اور نہ ہی یہ منقطعہ ہے اور ہمزہ اور ھل کے معنی میں ہے۔ یہ اس لئے ذکر کیا تاکہ استفہام کا تکرار نہ ہو من استفہامیہ مبتدا ہے اور ھذا اس کی خبر ہے۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر اس کی (خبر کی) صفت ہے۔ یا اس سے بدل ہے ینصرکم جند کی صفت ہے اور ینصر کو مفرد ذکر کیا کیونکہ جند کے لفظ کا اعتبار کیا گیا ہے۔

یہاں اسم اشارہ اور اسم موصول دونوں ذکر کئے گئے ہیں جب کہ ایک کے ترک کرنے کے ساتھ وہی معنی سمجھا جا سکتا ہے جیسے اَمَّنْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ۔ اس طرح کلام لانے کی حکمت یہ ہے کہ جب مبہم کے بعد مفصل کلام لائی جائے تو دل میں بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ھذا مبتداء ہو اور اسم موصول صلہ کے ساتھ مل کر اس کی خبر ہے اور جملہ یقال کا مفعول ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَمَّنْ يُّقَالُ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ اس آیت میں اور بعد والی آیت میں ھذا کے مشار الیہ سے مراد بت ہیں جنہیں وہ اپنا معبود خیال کرتے ہیں، یعنی وہ بت جن کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مدد کریں گے یا رزق دیں گے یا اس سے مراد ان کے مددگار ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ کافر شیطان کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ وہی انہیں دھوکے میں مبتلا کرتا ہے کہ عذاب ان پر نازل نہیں ہوگا جب کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ہوتی جس پر وہ انحصار کر سکیں۔ اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِىْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِىْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝

"کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں[1]"

[1] یعنی بارش اور وہ اسباب جو رزق عطا کرنے والے ہیں اور تم تک پہنچانے والے ہیں انہیں روک کر تمہیں رزق سے محروم کر دے یا ان چیزوں کا اثر زائل کر دے۔ اس میں بھی وہی گفتگو ہوئی جو اس سے قبل کلام میں گفتگو ہوئی۔ یہ کفار لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق سے دور ہونے میں بہت آگے نکل گئے ہیں کیونکہ ان میں جہالت حد درجہ کی موجود ہے اور ان کی طبیعتیں حق سے بہت ہی زیادہ متنفر ہیں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے[1]"

[1] اس میں ہمزہ استفہام تقریری کا معنی دیتا ہے، یعنی مخاطب کو برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ حق بات کو تسلیم کرے۔ اس میں من موصولہ مبتدا ہے۔ اھدی اس کی خبر ہے۔ مکبا، یمشی کے فاعل سے حال ہے۔ اکباب یہ کب سے نکلا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے كَبَبْتُهٗ فَاَكَبَّ۔ باب افعال کا مطاوعت سے آنا غرائب میں سے ہے جس طرح قَشَعَ اللّٰهُ السَّحَابَ فَاَقْشَعَ۔ یا اس کا معنی ہوگا وہ اپنے آپ کو منہ کے بل گرانے والے ہیں۔ قاموس میں ہے کبہ یعنی اسے الٹ دیا اسے گرا دیا۔ اسی طرح اکبہ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے کبیتہ فاکب میں یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے وہ چلتا ہے اور ہر لحہ لڑکھڑاتا ہے اور منہ کے بل گر پڑتا ہے کیونکہ راستہ پر پیچ ہے اور اس میں نشیب و فراز ہیں۔

سویا کا معنی کھڑا ہونے والا سرکشی سے اعراض کرنے والا صراط مستقیم ہموار راستہ کو کہتے ہیں۔ من مبتدا کی خبر یہاں محذوف ہے اور معطوف علیہ میں جو خبر ذکر کی گئی اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اب یہ اقرار کرنا واجب ہے کہ جو کھڑے ہو کر صراط مستقیم پر چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ اسی طرح وہ مومن جو عقل و نقل کی راہ پر بصیرت کے ساتھ چلتا ہے اس کافر سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو نہ حق بات سنتا ہے اور نہ ہی حق بات سمجھتا ہے۔

1۔ القاموس المحیط، جلد 1

اھدی کا کلمہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ مفضل علیہ میں ہدایت حقیقتاً موجود ہو بلکہ اس میں فرضی اور تقدیری ہدایت کافی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو دنیا میں نافرمانیوں میں منہمک رہا وہ آخرت میں منہ کے بل گرے گا جبکہ مومن قیامت کے روز سیدھا چلے گا۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں قدموں پر نہیں چلایا تھا تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے روز منہ کے بل چلائے (1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس جملہ میں کفار پر ایک اور طعن کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان امن ھذا الذی ھو جند لکم ینصرکم اور اللہ تعالیٰ کا فرمان" امن ھذا الذی یرزقکم "ان کے لشکروں کی طرف سے مدد اور رزق کے انکار کے لئے لائے گئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر ہماری مدد کون کرے گا اور ہمیں کون رزق دے گا تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے دیا۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

" آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو ؂"

؂ فرما دیجئے تمہاری مدد وہی ذات کرے گی اور تمہیں رزق بھی وہی ذات دے گی جس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ تم اپنے رب کو پہچانو اور اس کی عبادت کرو، اسی نے تمہارے لئے کان بنائے تاکہ تم نصیحتوں کو سنو، آنکھیں بنائیں تاکہ تم اس کی صنعتوں کو دیکھو، تمہارے دل بنائے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ جب سمع اصل میں مصدر ہے اور مصدر کی جمع نہیں آتی تو مفرد کا صیغہ ذکر کیا جبکہ بصر اور فواد کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح سمع سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی ایک ہی نوع ہوتی ہے جو آواز ہے اور جو علم آنکھ اور دل سے حاصل ہوتا ہے اس کی مختلف انواع ہیں۔

قلیلا یا تو شکر کی صفت ہے یا پھر زمان کی صفت ہے۔ ما زائدہ ہے اور قلت کی تاکید کے لئے ہے، یعنی پہلی صورت میں قلیلا مفعول مطلق اور دوسری صورت میں مفعول فیہ ہے۔ یہاں قلت سے مطلقاً نفی مراد ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

" آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روز حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے ؂"

؂ یہ ھو الذی انشاکم سے بدل ہے اور الیہ تحشرون یہ ذراکم کے فاعل سے حال ہے۔ یہ دونوں جملے اس طریقہ پر ہیں جس طرح یہ جملے ہیں جَاءَ زَیْدٌ وَّ هُوَ رَاكِبٌ۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

" (کفار از راہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ؂"

؂ کفار قیامت کا انکار کرنے کے لئے اور اس کے واقع ہونے میں دیری ہو جانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں اے نبی اور مومنین اگر تم سچے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 347 (قدیمی)

ہوتو قیامت کب برپا ہوگی اس لئے قیامت کا وقت واضح کرو۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾

"آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں لے"

لے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ مقدر سوال کا جواب ہے جو ما اقول لھم ہے، یعنی قیامت کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں تو واضح ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانے کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے کہ جس چیز سے ڈرایا جا رہا ہے وہ واقع ہوگی۔ ڈرانے کے لئے اس چیز کے واقع ہونے والے وقت کا علم ضروری نہیں۔ دونوں جملے معطوف اور معطوف علیہ قل کے قول کا مقولہ ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

"پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو لے"

لے ہ ضمیر الوعد کی طرف لوٹ رہی ہے جو الموعود کے معنی میں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے بدر کا عذاب مراد ہے (1)۔ زلفة یہ مفعول کی ضمیر سے حال ہے اور اس سے پہلے مضاف ذا محذوف ہے اور لما ظرف ہے جس کا سیئت کے ساتھ تعلق ہے۔ جب انہوں نے عذاب کو قریب دیکھا تو کافروں کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اسی عذاب کو تم طلب کر رہے تھے اور جلدی مچا رہے تھے۔ اس صورت میں یہ دعاء سے مشتق ہوگا یا یہ دعویٰ سے مشتق ہے۔ اس وقت معنی ہوگا کہ تم یہ دعویٰ کرتے تھے کہ قیامت برپا نہیں ہوگی۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾

"آپ فرمائیے (اے منکرو) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرما دے تو کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے لے"

لے خطاب حضور ﷺ کو ہے کہ آپ مشرکین مکہ سے کہہ دو جو تمہاری ہلاکت کی آرزو کرتے ہیں۔ اھلکنی میں یاء کو حمزہ نے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معی میں یاء کو حمزہ، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو موت عطا کر دے یا ہماری اموات کے وقت کو مؤخر کر کے ہمارے اوپر رحم فرمائے، ارایتم میں استفہام تقریر کے لئے ہے اور رؤیت علم کے معنی میں ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا مجھے خبر دو۔ افعال قلوب کے بعد جملہ شرطیہ نفی اور استفہام کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے تعلیق واجب ہے۔

فمن یجیر میں استفہام انکار کے لئے ہے۔ یہ جملہ شرط کی جزاء ہے، یعنی انہیں کوئی پناہ نہیں دے گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہماری ہلاکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں کہ تم ہماری ہلاکت کا مطالبہ کرنے لگو بلکہ تمہارے لئے فائدہ تو اس میں ہے کہ تم ان کی اتباع کرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں بتوں سے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا۔

اور مومنین کو ہلاک کر دے تو پھر یا تو یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے گناہ کی وجہ سے انہیں عذاب دے گا یا وہ ہم پر رحم فرمائے گا اور ہمیں بخش دے گا ہم ایمان رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ ہم سے گناہ صادر ہوئے اور اس کا حکم ہم میں نافذ ہے۔ یہ بتاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون پناہ دے گا جبکہ تم تو کافر ہو۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

"فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے [1]"

[1] وہ رحمٰن ہے یعنی جس کے وجود، قدرت اور کمال پر دلائل گزر چکے ہیں اسی کی میں عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ وہ تمام نعمتوں کا مالک ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے کیونکہ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اس میں سابقہ جملہ هو الرحمن کے معنی کی ہی وضاحت ہے۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اس پر اعتماد ہے۔ توکل کا انحصار ایمان لانے پر ہے۔ یہاں ظرف کو مقدم کیا ہے جو حصر کا فائدہ دیتا ہے جس طرح هو الرحمٰن کے جملہ سے حصر حاصل ہو رہا تھا۔ یہ جملہ پہلے دونوں جملوں کے معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ آیت سابقہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ اسی پر کافروں اور مومنوں کی حالت پر حکم مرتب ہوتا ہے اسی وجہ سے آگے فاء سببیہ کا ذکر کیا۔

کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فسیعلمون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فستعلمون پڑھا ہے۔ یہ جملہ مابعد استفہامیہ جملہ کے ساتھ معلق ہے کہ تم قیامت کے روز جان لو گے کہ کون واضح گمراہی میں ہے ہم یا تم۔ اس میں دھمکی بھی ہے اور خوف بھی دلایا گیا ہے۔ یہی چیز مابعد آیت میں بھی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

"آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا [1]"

[1] غورا مصدر ہے۔ اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے، یعنی وہ پانی اتنا گہرا چلا جائے کہ وہاں تک ڈول نہ پہنچ سکیں یا یہ حقیقت میں مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے اسی کے ساتھ صفت ذکر کی گئی۔ معین یہ عین جاریۃ (جاری چشمہ) سے مشتق ہے۔ معنی ہوگا ماء جار (جاری پانی) یا عین باصدہ سے مشتق ہے، یعنی جو دکھائی دے ظاہر ہو اور اسے حاصل کرنا آسان ہو کیونکہ عقل بدیہی طور پر اس پر گواہ ہے کہ یہ بات اس طرح کرنے پر قادر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی اس کے کرنے پر قادر نہیں قاری کے لئے یہ کہنا مستحب ہے کہ وہ جب سورت کو ختم کرے تو الله رب العالمین کے الفاظ کہے۔ جلال الدین محلی نے کہا حدیث اسی طرح آئی ہے۔

فصل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک سورت ہے جس میں تیس آیات ہیں وہ انسان کے لئے شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ اس بندے کو بخش دیا جاتا ہے۔ وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے (1)۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: کتاب اللہ کی ایک سورت ہے۔ اس کی صرف تیس آیات ہیں۔ وہ آدمی کی سفارش کرتی ہے، قیامت کے روز جہنم سے نکالتی ہے اور اسے جنت میں داخل کر دیتی ہے۔ یہ سورۃ تبارک الذی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہی محفوظ رکھنے والی اور نجات دینے والی ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک الم تنزیل اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کی تلاوت نہ کر لیتے تھے(3)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ خالد بن معدان سے مروی ہے مجھے الم تنزیل کے بارے میں خبر پہنچی اور اسی طرح سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِیْ کے بارے میں خبر پہنچی کہ ایک آدمی ان دونوں کو پڑھتا تھا ان کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتا تھا۔ اس کے بے شمار گناہ تھے۔ اس نے اس آدمی پر اپنے پر پھیلا لئے اور عرض کی اے میرے رب اسے بخش دے کیونکہ یہ مجھے کثرت سے پڑھا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرما لیتا ہے اور فرماتا ہے اس کی ہر خطا کے بدلے میں ایک نیکی لکھ لو، اس کا درجہ بلند کر دو۔ یہ بھی کہا کہ یہ اپنے تلاوت کرنے والے کے حق میں قبر میں جھگڑا کرتی ہے، عرض کرتی ہے اے میرے اللہ اگر میں تیری کتاب کا حصہ ہوں تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے۔ وہ پرندے کی صورت بنا کر اس پر اپنے پر پھیلا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قاری کے حق میں اس سورت کی شفاعت قبول کر لیتا ہے اور قبر کے عذاب سے اسے محفوظ کر دیتا ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سورتیں (الم تنزیل، تبارک الذی) دوسری سورتوں پر ساٹھ نیکیوں میں فضیلت رکھتی ہیں(4)۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 424 (الفکر)　2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 112 (وزارت تعلیم)
3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 113　4۔ ایضاً۔

سورۃ القلم

آیاتہا ۵۲ ﴿ سورۃ القلم مکیۃ ۶۸ ﴾ رکوعاتہا ۲

سورۃ القلم مکی ہے اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

"ن[1] قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور یقیناً آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں"

[1] ن حروف مقطعات میں سے ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ مچھلی کا نام ہے اور اس سے مراد جنس ہے یا اس سے مراد بہموت مچھلی ہے جس پر زمین قائم ہے یا اس سے مراد دوات ہے کیونکہ بعض مچھلیوں سے ایسا مادہ نکلتا ہے جو روشنائی سے بھی زیادہ سیاہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ لیکن "ن" کو حروف کی صورت میں لکھا جانا اور وصل و وقف دونوں صورتوں میں سکون کے ساتھ پڑھنا پہلے قول کی تائید کرتا ہے اور دوسرے اقوال کا انکار کرتا ہے۔ ابن عامر، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے نون کے اخفاء کے ساتھ پڑھا ہے اور واؤ منفصل کو واؤ متصل کی جگہ رکھا ہے جبکہ باقی قراء نے نون میں اظہار کیا ہے۔

واؤ قسمیہ ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس نے لوح محفوظ کو لکھا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اسے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کی کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ (1)۔ اس نے تا ابد سب کچھ لکھ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے ستر ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا فرمایا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ نور کا قلم ہے، اس کی لمبائی زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد قلم کی جنس ہو۔ قلم کی قسم اس لئے اٹھائی کہ اس کے فوائد بے شمار ہیں۔

یسطرون میں واؤ ضمیر قلم کی طرف لوٹ رہی ہے اگر قلم سے پہلا معنی لیا جائے تو پھر جمع کی ضمیر تعظیم کے لئے ہوئی۔ دوسرا معنی لیا جائے تو قلم میں جنس کا اعتبار کرتے ہوئے جمع کی ضمیر ذکر کی۔ یہاں فعل کی نسبت آلہ کی طرف کی گئی اور وہی احکام (۱) جاری کئے گئے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 38 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی) حاشیہ (۱) اگلے صفحہ پر

جو ذوی العقول کے لئے ہوتے ہیں کیونکہ قلم کو ذوالعقول کے قائم مقام رکھا ہے۔ یا قلم کے دوسرے معنی کی صورت میں ضمیر قلم والوں کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی لکھنے والوں کی قسم اٹھاتا ہوں یا ضمیر کراماً کاتبین کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا ذکر پہلے نہیں ہوا جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں یا ضمیر علماء کی طرف لوٹ رہی ہے جو دینی علوم لکھتے ہیں۔

2؎ بنعمة ربک یہ حال ہے۔ آپ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر کی گئی ہے مجنون نہیں۔ نعمت سے مراد نبوت، مروت، کمال عقل، کمال فہم، جلال فضل، مکارم اور علوم کی مختلف انواع مراد ہیں اس حال میں عامل نفی کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں عامل مجنون ہے کیونکہ ماء زائدہ ہے جو ما قبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔ لیکن علماء نے اس قول کو معنوی اعتبار سے ضعیف قرار دیا کہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جنون کی آپ سے مطلق نفی نہیں کی گئی بلکہ بعض مواقع پر نفی کی گئی ہے جو درست نہیں۔ یہ کفار کے قول کا جواب ہے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ یعنی اے وہ جس پر ذکر نازل کیا گیا تو مجنون ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کیونکہ وہ اس دعویٰ کو بہت ہی ناممکن خیال کرتے تھے جو حضور ﷺ نے اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا کیا تھا اور تنگدستی اور کفار کے غلبہ کے دور میں تمام لوگوں کی مخالفت کی تھی۔ جب اس کا ناممکن ہونا کفار کے گمان میں قوی اور مستحکم تھا تو انہوں نے اپنے قول کو انّ اور لام قسم کے ساتھ مؤکد کیا ان کے انکار میں کیونکہ شدت پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب قسم کو بھی مؤکد ذکر کیا اور خبر میں باء کا اضافہ کیا تاکہ نفی کی تاکید ہو۔ اس میں حضور ﷺ سے اس حال میں جنون کی نفی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ کو شامل ہوتا کہ یہ قید نفی پر برہان اور دلیل بن جائے جس کی علم، عقل، فہم اور کمال میں یہ شان ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مجنون ہے یہ محض بے وقوفی ہے۔ اس قسم کی بات وہی کر سکتا ہے جو گدھے سے بھی بڑھ کر بے وقوف اور کند ذہن ہو کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ مادہ دراز گوش نے اس وقت کعبہ کی طرف تین دفعہ سجدہ کیا۔ جب حضرت حلیمہ حضور ﷺ کے ساتھ اس پر سوار ہوئی تھیں اور مادہ دراز گوش نے کہا تھا۔ اس کی پشت پر انبیاء میں سے افضل، رسولوں کے سردار، اولین و آخرین میں سے بہترین اور رب العالمین کے حبیب ہیں۔ ایک طویل حدیث میں مواہب لدنیہ میں اسی طرح مذکور ہے کفار تو گدھے سے بھی زیادہ کند ذہن ہیں۔

3؎ آپ نے کفار سے جو اذیتیں اٹھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے اس پر ایسا عظیم اجر دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا یا لوگوں کی طرف سے آپ پر کوئی احسان نہیں جتلایا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرماتا ہے اور لوگوں پر آپ کا احسان ہے۔ اجرا کو عظمت بیان کرنے کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے۔ اس جملے کا عطف جواب قسم پر ہے یا یہ بھی انت سے حال ہے۔ یہی صورت حال مابعد جملہ کی ہے۔

4؎ آپ کو ایسی باتیں برداشت کرنا پڑیں جیسی دوسرے انبیاء نے برداشت نہ کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مجھے اذیتیں دی گئیں ایسی اذیتیں کسی اور (نبی) کو نہ دی گئیں(1)۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کفار کے خلاف بددعا فرمائیں۔ فرمایا میں لعنت کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا، میں تو

1۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 132 (التراث الاسلامی)

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) (1) قلم سے جنس قلم مراد لی جائے تو فعل تسطر ہونا چاہئے کیونکہ جمع مذکر کا صیغہ اسی وقت آتا ہے جب ضمیر جمع مذکر ذوالعقول کی طرف لوٹتی ہو۔ جبکہ یہاں ضمیر قلم کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے جو غیر ذوالعقول ہے۔ (مترجم)۔

رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ جب کفار نے حضور ﷺ پر جنون کا الزام لگایا جبکہ مجنون تو کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا کوئی اچھا اجر ہوتا ہے۔ ان جملوں کو عطف اور حال کی صورت میں لانا یہ سابقہ جملہ جس میں جنون کی نفی تھی اس کی تاکید اور کفار کے قول کا بلیغ ترین انداز میں رد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق عظیم سے مراد عظیم دین ہے، دین اسلام سے بڑھ کر نہ کوئی دین میرے لئے پسندیدہ ہے اور نہ ہی محبوب ہے(2)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا خلق عظیم سے مراد قرآن کے آداب ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ ﷺ کے اخلاق قرآن تھے کیا(3) قرآن کی تلاوت نہیں کرتا قد افلح المومنون۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب مفرد میں نقل کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق عظیم سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے بچ کر رہتے۔ معنی یہ ہوا آپ ان اخلاق پر ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے(4)۔ جنید نے کہا خلق عظیم یہ ہے کہ آپ کا مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔

حضور ﷺ کے اخلاق عظیمہ کے بارے میں فصل

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور سب سے اچھے اخلاق والے تھے نہ زیادہ لمبے قد والے اور نہ ہی چھوٹے قد والے تھے(5)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہی اور نہ ہی کبھی مجھے کسی ایسے کام کے بارے میں کہا جو میں نے کیا ہو کہ تو نے یہ کیوں کیا اور جو میں نے چھوڑ دیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تو نے اسے کیوں چھوڑا۔ حضور ﷺ تمام لوگوں سے اچھے اخلاق والے تھے۔ میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ سے بڑھ کر خز (ایک قسم کا ریشم)، ریشم اور کسی اور چیز کو نرم نہیں پایا اور نہ آپ ﷺ کے پسینے سے بڑھ کر کستوری اور عطر کو خوشبودار پایا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔(6)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کی عقل کچھ خراب تھی۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ام فلاں جہاں تم بیٹھنا چاہو میں تمہارے ساتھ بیٹھوں گا۔ حضور ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس نے گزارش کی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(7)۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ مدینہ کی عورتوں میں سے ایک عورت حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑتی اور جہاں چاہتی آپ ﷺ کو لے جاتی۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(8)۔ آپ سے ہی روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ نہ کھینچتے یہاں تک کہ وہ خود ہاتھ کھینچ لیتا آپ اس سے اپنا چہرہ نہ پھیرتے اور آپ کو اس حال میں نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے گھٹنے کسی بیٹھنے والے کے سامنے پھیلائے ہوں۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(9)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہا رسول

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 323 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 222 (التراث الاسلامی)
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 258 (قدیمی) 6۔ ایضاً، صفحہ 253-257۔
7۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 256 8۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 897 (د۔ت) 9۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 72 (وزارت تعلیم)

اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا مگر جب آپ ﷺ جہاد کر رہے ہوں۔ آپ نے کسی خادم اور عورت کو نہیں مارا جو آدمی آپ کی حق تلفی کرتا تو آپ اس سے انتقام نہ لیتے مگر جو آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود کی پامالی کرتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے انتقام لیتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں حضور ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے موٹے حاشیوں والی ایک نجرانی چادر زیب تن کی ہوئی تھی۔ ایک اعرابی آپ کو ملا۔ آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو سختی سے کھینچا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے کندھے پر چادر کے حاشیہ کے نشان پڑ گئے ہیں۔ پھر کہا اے محمد ﷺ آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے میرے لیے حکم فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ مسکرائے پھر اسے مال عطا کرنے کا حکم دیا، متفق علیہ (2)۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے سب سے حسین سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے، متفق علیہ (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو تو آپ نے جواب میں لا (نہیں) کہا ہو۔ یہ روایت متفق علیہ ہے(4)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی اثناء میں کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا جبکہ آپ حنین سے واپس آ رہے تھے، بدو سوال کرتے ہوئے چمٹ گئے یہاں تک کہ آپ کو سمرہ (درخت) کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی چادر کو اچک لیا۔ رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے۔ فرمایا مجھے میری چادر دے دو اگر ان سنگریزوں کے برابر میرے پاس جانور ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(5)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ فحش کلام کرتے، نہ فحش کلام کرنے کے لئے تصنع کرتے، نہ آپ بازاروں میں شور و غل کرتے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ آپ معاف فرماتے اور درگزر سے کام لیتے۔ حسن اخلاق کی فضیلت میں احادیث بے شمار ہیں۔ (6)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں (7)۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز مومن کے میزان میں سب سے بھاری چیز اس کا حسن خلق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فحش اور یاوہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے(8)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کونسی چیز جنت میں داخل کرتی ہے۔ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو فرمایا جنت میں سب سے زیادہ لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اور حسن خلق داخل کرتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ مومن حسن خلق کے ذریعے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا مقام حاصل کر لیتا ہے(9)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 256 (قدیمی)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 899 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 252 (قدیمی)
4۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 253
5۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 396
6۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 389 (العلمیہ)
7۔ مؤطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 705 (د۔ت)
8۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 187 (الفکر)
9۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 305 (وزارت تعلیم)

سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ صحیحین میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو تم میں سے ازروئے اخلاق کے سب سے بہترین ہو(2)۔ مزنیہ کے ایک آدمی سے مروی ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شعب الایمان میں مروی ہے، اسامہ بن شریک سے شرح السنہ میں مروی ہے کہ عرض کی یارسول اللہ ﷺ انسان کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے بہتر کونسی چیز ہے۔ فرمایا حسن اخلاق حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جب میں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو حضور ﷺ نے سب سے آخری نصیحت مجھے یہ فرمائی لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو اچھا رکھو۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝

"عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے [1] کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے [2]"

[1] خطاب حضور ﷺ کو ہے اور سین تحقیق کے لئے ہے۔ "یبصرون" میں واؤ ضمیر کفار کے لئے ہے، یعنی قیامت کے روز تم اور وہ دیکھ لیں گے کہ کسے جنون ہے۔

[2] ایکم مبتدا ہے۔ باء زائدہ ہے۔ مفتون مجنون کے معنی میں ہے۔ یہ مبتدا کی خبر ہے یا مفتون مصدر ہے۔ جنون کے معنی میں ہے جس طرح معقول اور مجلود مصدر ہیں۔ اس صورت میں خبر مقدم ہے اور مبتدا مؤخر ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ کس جماعت کو جنون لاحق ہے۔ کیا مومنوں کی جماعت کو جنون ہے یا کافروں کی جماعت کو کس میں ایسی علامات ہیں جس وجہ سے وہ اس نام کا مستحق ہے۔ جملہ استفہامیہ مفرد کی تاویل میں ہو کر دونوں سابقہ فعلوں میں سے ایک کا مفعول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنون مومنوں کو نہیں بلکہ کفار کو ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جسے دو بھلائیوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے بہترین کا انتخاب کرتا ہے اور جسے دو مصیبتوں میں ایک میں ڈالا جائے تو ان میں سے آسان کا انتخاب کرتا ہے مومنوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول کیا جو جمیل ہے تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے مومنوں نے نفع مند چیز کا انتخاب کیا اپنی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے کے لئے خرچ کیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے اجتناب کیا اور آخرت کی قوی اور ابدی نعمتوں کو دنیا کی کمزور اور زائل ہونے والی نعمتوں کو پسند کیا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں جبکہ کفار نے ایسے ممکنات کا انتخاب کیا جو نہ نقصان دیتے ہیں اور نہ ہی نفع دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے نفع و نقصان دیتے ہیں بلکہ انہوں نے تو عبادت کے لئے پتھروں کا انتخاب کیا اللہ وحدہ لاشریک جو قہار اور قیوم ہے اس کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے ابدی نعمتوں پر دنیا کی نعمتوں کو ترجیح دی جنہیں اتنا ہی حاصل کیا جا سکتا ہے جتنا اللہ چاہے نیز انہوں نے جنت پر جہنم کو ترجیح دی۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

"بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں [1]"

[1] ھو ضمیر فصل ہے۔ بمن ضل جار مجرور اعلم کے متعلق ہے۔ حقیقت میں گمراہ ہی مجنون ہیں کیونکہ جنون کا نتیجہ راہ حق سے گمراہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 531 (وزارت تعلیم)　2۔ ایضاً، صفحہ 1، صفحہ 503

ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کمال عقل کو پانے والوں اور جمیل مطلق تک پہنچنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۞

''پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی [1] وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے[2]''

[1] اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ آپ ہدایت پر ہیں اور جھٹلانے والے گمراہ ہیں تو آپ ان کی اطاعت نہ کریں۔

[2] یہ جملہ قد کے مضمر ماننے کے ساتھ مکذبین سے حال ہے، لو تمنی کے لئے ہے اور یہ ودافکا بیان ہے۔ ادھان کا معنی نرم کرنا ہے جو دھن سے مشتق ہے۔ فیدھنون میں فاء عاطفہ ہے اور تعقیب کا معنی دے رہا ہے، یعنی وہ دونوں جانب سے نرمی کے خواستگار ہیں لیکن وہ چاہتے یہ ہیں کہ وہ اس وقت نرمی کریں گے جب آپ نرمی کریں گے۔

یا فاء سببیہ ہے، یعنی انہوں نے پسند کیا کہ کاش آپ نرمی کرتے تو وہ بھی نرم ہو جاتے۔ یا اس کا معنی ہے وہ آپ کی نرمی چاہتے ہیں اور اسی لالچ میں وہ اب بھی آپ سے نرمی کر رہے ہیں، یعنی اگر آپ ان سے نرمی کریں کہ انہیں شرک سے نہ روکیں یا وقتاً فوقتاً بعض معاملات میں ان کے ساتھ موافقت کریں تو وہ بھی آپ پر طعن کرنا چھوڑ دیں گے اور بعض معاملات میں موافقت کریں گے۔

مسئلہ:۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ دین کے معاملہ میں مداہنت حرام ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۞ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۞ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۞ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۞

''اور بات نہ مانئے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی [1] جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے [2] سخت منع کرنے والا بھلائی سے حد سے بڑھا ہوا بڑا بدکار ہے [3] اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ وہ بداصل ہے [4]''

[1] یہ عمومی حکم دینے کے بعد خاص حکم دیا جا رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن عبد یغوث کے حق میں نازل ہوئی۔

کل کا لفظ اس لئے وارد ہوا تا کہ اس امر کی تاکید لائی جائے کہ نہی ہر فرد کو شامل ہے یہاں مقام کا قرینہ اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ بعض جھوٹی قسمیں اٹھانے والے کی اطاعت جائز ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ جھوٹی قسمیں اٹھانے والا ہے۔ اس کی بحث سورۂ بقرہ میں وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ:۔ زیادہ قسمیں اٹھانا مکروہ ہے۔

مھین کا معنی حقیر ہے۔ یہ مھانہ سے مشتق ہے جس کا معنی حقارت ہے۔ یہ رائے اور تمیز میں کمی ہے۔

۱؎ ھماز کا معنی عیب لگانے والا۔ غیبت کرنے والا ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو آنکھ اور آبرو سے لوگوں کے عیوب کی طرف اشارہ کرے۔ مشاء بنمیم چغل خور۔

۲؎ مناع للخیر جو لوگوں کو ایمان لانے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور عمل صالح سے روکتا ہے معتد جو ظلم میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اثیم جو بہت زیادہ گناہ کرنے والا ہے۔

۳؎ قاموس میں عتل کا معنی پیٹو، متکبر، ترش رو اور اکھڑ مزاج ہے۔ بعد ذلک یہ زنیم کی ظرف ہے۔ بعد کا کلمہ مع کے معنی میں ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے جو عیوب اس کے شمار کیے گئے ہیں۔ ان کے بعد وہ بداصل ہے۔ قاموس میں زنیم کا معنی قوم کے ساتھ لاحق ہونے والا جو اس قوم کا فرد نہیں ہوتا اور بداصل اس میں یہ بھی ہے۔ ذعِیٌّ قَبِیٌّ کے وزن پر ہے اسے کہتے ہیں جسے تو متبنٰی بنائے اور جس کی نسبت میں تہمت ہو۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زنیم یوزنمتی الشاۃ سے ماخوذ ہے۔ یہ گوشت کے ان لوتھڑوں کو کہتے ہیں جو کان اور حلق کے نیچے لٹک رہے ہوتے ہیں۔ ولید بن مغیرہ کے بارے میں اس کے باپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں اپنا بیٹا تسلیم کیا تھا۔ اخنس بن شریق اصل میں بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا اور اپنا شمار بنی زہرہ میں کرتا۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت تھی لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ کس پر ہے یہاں تک کہ زنیم کا لفظ ذکر فرمایا تو اس کا پتہ چل گیا کیونکہ اس کے گلے میں گوشت کا لوتھڑا تھا جس سے وہ پہچانا جاتا (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کے آخر میں زنیم کے الفاظ نازل ہوئے تو ہم نے اسے پہچان لیا کیونکہ اس میں بھی اسی طرح گوشت کا لوتھڑا لٹک رہا تھا جس طرح بکری کا ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ برائی میں اسی طرح معروف تھا جس طرح بکری گوشت کے اس لوتھڑے کے ساتھ معروف اور نمایاں ہوتی ہے (2)۔ میں کہتا ہوں جب یہ صفت یعنی زنیم سابقہ عیوب کی نسبت قباحت میں بڑھ کر تھی۔ اس لئے بعد ذلک زنیم فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حارث بن وہب خزاعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں جنتیوں کے بارے میں نہ بتاؤں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر کوئی گزارش کریں تو وہ ضرور بضرور پوری کر دے کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں آگاہ نہ کروں وہ ہر سخت دل ترش رو اور متکبر ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ابوداؤد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابو درداء سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

"(یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے ۱؎ جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۲؎"

۱؎ ابو جعفر، ابن عامر، حمزہ، ابو بکر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے أَاَنْ کَانَ پڑھا ہے۔ دو ہمزوں میں سے ایک استفہام کا ہے پھر حمزہ اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے دونوں ہمزوں میں تخفیف کی ہے اور مد بھی نہیں کرتے۔ ابو جعفر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں ہمزوں میں سے پہلے ہمزہ کو مد کے ساتھ دوسرے ہمزہ میں تسہیل کا قاعدہ جاری کرتے ہیں، جبکہ دوسرے قراء نے صرف ایک ہمزہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

پڑھا ہے ہمزہ استفہام نہیں پڑھا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لان کان اس کا تعلق نہی کے ساتھ ہوگا۔ جب ہمزہ استفہام نہ ہو تو معنی یہ ہوگا جس میں یہ عیوب ہوں اس کی آپ اس لئے اطاعت کریں کیونکہ وہ مال والا اور اولاد والا ہے جس طرح لوگوں کی عادت ہے کہ وہ صاحب مال کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر ہمزہ استفہام ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کیا آپ اس لئے اطاعت کرتے ہیں کیونکہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ اس صورت میں ہمزہ استفہام انکار کا معنی دے گا یا بعد والا جملہ جس معنی پر دلالت کرتا ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا، یعنی اس نے کفر اس لئے کیا اور قرآن کو اس لئے جھٹلایا کیونکہ وہ مال دار ہے اور یہ سب کچھ وہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کرتا ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ غنا تو شکر کا سبب ہے لیکن جو مناسب تھا اس کے برعکس اس نے ناشکری کی۔

۲۔ یہ کلام ایسی شے ہے جسے لوگوں نے پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں سے جھوٹ لکھ لیا ہے۔ قاموس میں اساطیر کا معنی ایسی باتیں جن میں کوئی نظم اور ترتیب نہ ہو اذا کا تعلق قال کے ساتھ ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾

''ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے ۱۔ ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے ۲۔ اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا ۳۔''

۱۔ خرطوم کا معنی ناک ہے گویا اس بدبخت کو ہاتھی اور خنزیر کے ساتھ تشبیہ دی اور اس کی ناک کو خرطوم کے ساتھ تشبیہ دی یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں دھمکی دی گئی ہے۔ فراء نے کہا یہاں خرطوم سے مراد چہرہ ہے کیونکہ جزء بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ ابو العالیہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ آخرت میں یہی چیز اس کے لئے علامت بن جائے گی جس کے ساتھ اسے پہچان لیا جائے گا جو اس کے چہرے کی سیاہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم اس کی ناک میں تلوار کی نکیل ڈالیں گے۔ یہ غزوہ بدر کے روز اس کے ساتھ ہوا۔ (1)

۲۔ ہم نے اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ساتھ آزمائش میں ڈالا جب حضور ﷺ نے ان کے بارے میں یہ دعا کی تھی اے اللہ ان پر اسی طرح قحط نازل فرما جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط نازل فرمایا تھا یہاں تک کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھانے لگے تھے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوگا مَا فُعِلَ بِهِمْ حِيْنَ كَذَّبُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ۔

كَمَا بَلَوْنَا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے۔ یہاں اضافت اور الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے روز کہا انہیں پکڑ لو یا انہیں باندھ دو، ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرنا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تو معنی یہ ہوگا ہم نے کفار کو مومنوں پر قدرت دے کر آزمایا جس طرح باغ والوں کو قدرت دے کر آزمایا تھا۔ محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے ابن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یمن میں ایک باغ تھا جسے صدوان کا نام دیا جاتا۔ یہ صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا جسے ایک

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

نیک آدمی نے لگایا تھا جب وہ کھجور کا پھل کاٹتا تو وہ مساکین کے لئے وہ پھل چھوڑ دیتا جو درانتی سے رہ جاتا جب کھجور سے پھل نیچے چادر پر پھینکا جاتا تو جو پھل چادر سے دور جا کر گرتا وہ بھی مساکین کے لئے چھوڑ دیتا۔ جب وہ فصل صاف کرتا تو جو دانے ادھر ادھر بکھر جاتے، وہ بھی مساکین کے لئے چھوڑ دیتا۔ جب وہ خود صالح آدمی فوت ہو گیا تو اس کے تین بیٹے اس کے وارث بنے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم مال تھوڑا ہے اور خاندان کے افراد زیادہ ہیں۔ یہ عمل تو اس وقت کیا جا سکتا ہے جب مال زیادہ ہو اور زیر کفالت افراد تھوڑے ہوں۔ جب مال تھوڑا ہو جائے اور زیر کفالت افراد زیادہ ہو جائیں تو ہم ایسا عمل نہیں کر سکتے۔ تو انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ وہ صبح داخل ہوتے ہی پھل کاٹ لیں گے۔ اذا قسموا یبلونا کے متعلق ہے۔ لیصر منھا جواب قسم ہے۔ مصبحین یہ لیصر منھا کے فاعل سے حال ہے۔

ے یہ جملہ اقسموا کے فاعل سے حال ہے وہ قسم اٹھاتے ہیں تو ان شاء اللہ بھی نہیں کہتے ان شاء اللہ کو بھی استثناء کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں بھی ماقبل کے حکم سے خارج کیا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو چیز ان شاء اللہ کے ساتھ خارج کی جاتی ہے وہ مذکورہ چیز کے خلاف ہوتی ہے جبکہ استثناء کی صورت میں جسے خارج کیا جاتا ہے وہ مستثنیٰ منہ کا عین ہوتا ہے۔ یا اس لئے استثناء کا معنی دیا کیونکہ لا افعل ان شاء اللہ اور لا افعل الا ان یشاء اللہ کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ لا یستثنون کا جملہ لیصر منھا پر معطوف ہے اور جواب قسم میں داخل ہو۔ معنی یہ ہوگا وہ مساکین کا حصہ نہیں نکالتے جس طرح ان کا باپ نکالتا تھا۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی ان کا یہ عمل تھا۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾
فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

"پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے[1] چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا[2] پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو[3]"

[1] اس جملے کا عطف اقسموا پر ہے ھا ضمیر سے مراد ان کا باغ ہے۔ طائف صفت ہے اس کا موصوف بلاء محذوف ہے جس سے مراد آگ ہے یعنی رات کے وقت آگ کی صورت میں عذاب آیا جس نے باغ کو جلا دیا۔ من ربک میں من ابتدائیہ ہے۔

[2] صبح کے وقت وہ باغ اس طرح ہو گیا جس طرح ایسا باغ ہوتا ہے جس کا پھل کاٹ لیا گیا ہو اور اس میں کوئی چیز باقی نہ رہی ہو، یہ فعیل اسم مفعول کے معنی میں ہے یا یہ جلا ہوا ہونے اور سیاہ ہونے میں رات کی طرح ہو گیا یا زیادہ خشک ہونے کی وجہ سے سفید ہونے میں دن کی طرح ہو گیا رات اور دن دونوں کو صریم کہا گیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے منقطع ہوتا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے خیر منقطع کر دی گئی اس میں کوئی خیر باقی نہ رہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ یہ معنی اہل خزیمہ کی لغت کے مطابق ہے(1)۔ اس جملے کا عطف طاف پر ہے۔ صبح ہوتے ہی باغ کے مالکوں نے ایک دوسرے کو بلایا اس جملے کا عطف بھی اصبحت پر ہے۔

[3] اس میں ان مفسرہ ہے کیونکہ تنادوا قول کے معنی میں ہے۔ علی حرثکم، اغدوا کے متعلق ہے یعنی تم اپنی کھیتیوں کی طرف نکلو علی حرف جار کے ساتھ اس لئے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اغدوا اپنے ضمن میں اقبلوا کا معنی لئے ہوئے ہے یا صبح کے وقت پھل

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کاٹنے کو صبح کے وقت حملہ کرنے والے دشمن سے تشبیہ دی جس میں غلبہ کا معنی موجود ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے اغدوا افعال ناقصہ میں سے ہو اور علی حرثکم اس کی خبر ہو۔ صارمین کا معنی کاٹنے والے یہاں جزاء ذکر نہیں کی کیونکہ سابقہ جزا کی وجہ سے شرط اس سے مستغنی ہے۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾

"سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے [1] کہ (خبردار) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین [2]۔"

[1] باغ کے مالک چلے جبکہ وہ رازدارانہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ خفی، خفت اور خفد سب کا معنی چھپانا ہے۔

[2] ھا ضمیر سے مراد باغ ہے ان مفسرہ ہے کیونکہ یتخافتون قول کے معنی میں ہے۔ مذکورہ انداز میں مسکینوں کو داخل ہونے سے نہی ہے۔ مقصود انہیں داخل ہونے کا موقع دینے سے نہی میں مبالغہ کا اظہار ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے لا ارینک ھھنا مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم یہاں نہ آیا کرو۔

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾

"اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں [1] پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے [2] نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی [3]"

[1] جملے کا عطف انطلقوا پر ہے۔ جار مجرور قادرین شبہ فعل کے متعلق ہے جو غدوا کی خبر ہے لغت میں حرد کا معنی قصد کرنا، منع کرنا اور ناراض ہونا ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے وہ جد و جہد پر قادر تھے۔ قرظبی، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ جس امر پر انہوں نے اتفاق کیا تھا اس پر وہ قادر تھے سب معنوں میں قصد کا مفہوم ہی پایا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ مساکین کو روکنے پر قادر تھے۔ امام شعبی اور سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا وہ مساکین پر ناراض ہونے پر قادر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنے نزدیک اپنے باغ اور پھل پر قادر تھے۔ (1)

[2] جب انہوں نے باغ کو جلے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے ہم تو راستہ بھول گئے۔ لما ظرف ہے جس کا قالوا فعل کے ساتھ تعلق ہے کہنے لگے۔ یہ ہمارا باغ نہیں یا یہ معنی ہے جب ہم نے مساکین کو باغ میں داخل ہونے سے روکا تو ہم نے غلطی کی اور ہم نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا اس لئے ہمیں باغ کے پھل سے محروم کر دیا گیا۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

"ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے [1] کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے [2] پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے [3]"

[1] جو عمر میں درمیانہ تھا یا زیادہ انصاف پسند اور عقلمند تھا اس نے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ الم میں ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے اور

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

لو ھل کے معنی میں ہے تم کیوں نہیں ان شاء اللہ کہتے یہاں استثناء کو تسبیح کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس امر کا اقرار ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کسی چیز پر قادر نہیں۔

ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کی استثناء سبحان اللہ تھی یا اس کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے اور اس نے جو تمہیں عطا فرمایا ہے اس پر شکر کیوں نہیں بجالاتے اور مساکین کو داخل ہونے سے نہ روکو کیونکہ شکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا تم اپنے عمل پر استغفار کیوں نہیں کرتے۔

۲؎ یہ جملہ مستانفہ ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس امر میں پاکی بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ظالم ہوسکتا ہے اور اپنے بارے میں اقرار کیا کہ انہوں نے ظلم کیا ہے کیونکہ انہوں نے مساکین کو باغ میں داخل ہونے سے روکا ہے۔

۳؎ جملے کا عطف قالوا پر ہے۔ یتلاومون یہ اقبل کے فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے یعنی انہوں نے مساکین کو حق دینے سے جو روکا تھا اس پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

"کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے ۱؎ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ۲؎"

۱؎ یہ جملہ مستانفہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا کی گئیں تو جس طرح ہمارے باپ نے شکر ادا کیا تھا ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

۲؎ جب وہ اپنے کیے پر نادم ہوئے توبہ کی شکر اور مال خرچ کرنے پر پختہ ارادہ کیا تو کلام کا رخ اپنی طرف پھیر کر امید کے انداز میں کہنے لگے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جلے ہوئے باغ کی بجائے اچھا باغ عطا فرمائے ہم اپنے رب کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔ یہاں اِلٰی حرف جار اس لئے ذکر کیا تاکہ انتہائی رغبت پر دلالت ہو یا اس لئے اِلٰی ذکر کیا کیونکہ رغبت میں رجوع کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ جملہ (انا الی ربنا راغبون) علت کی جگہ واقع ہے اور امید کا معنی دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت یہ انعام کو واجب کرتی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی کہ ان لوگوں نے اخلاص کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سچائی کو پہچان لیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدلے میں انہیں دوسرا باغ عطا فرمادیا جسے حیوان کہتے اس میں انگور تھے جس کے ایک گچھے کو خچر اٹھاتا تھا۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

"(دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے ۱؎ بے شک پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں ۲؎"

۱؎ کذالک خبر ہے اور مابعد اس کا مبتداء ہے، یعنی جو آدمی شکر نہیں کرتا اس کے لئے دنیا میں ایسا عذاب ہے جیسا عذاب ہم نے اہل

مکہ اور باغ والوں کو دیا تھا۔ کفر، نافرمانی شکر چھوڑنے اور زکوۃ نہ دینے پر آخرت میں عذاب اس سے بھی بڑا ہوگا جو سخت بھی ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ لو کانوا یعلمون شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْعَذَابَ مَا فَعَلُوْا فِعْلَهُمْ اگر وہ عذاب کو جانتے ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔

۲؎ عند ربھم یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں خالص نعمتیں ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے پہلے مجرموں کے لئے وعید کا ذکر کیا پھر متقین کے لئے وعدہ ذکر کیا۔ جب مشرکین مکہ نے یہ کہا اگر بفرض محال قیامت برپا ہوئی تو ہمیں تمہاری بنسبت بہتر عطا کیا جائے گا۔ یا اسی کی مثل عطا کیا جائے گا جو ہمیں دنیا میں دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلاتے ہوئے فرمایا۔

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾

”کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے ۱؎ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو ۲؎ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو ۳؎ کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو ۴؎ “

۱؎ ہمزہ استفہام مجرموں اور مسلمانوں میں برابری کے انکار کے لئے ذکر کیا گیا ہے تو مجرموں کے لئے فضیلت نہ ہونے کو بدرجہ اولیٰ ثابت کرے گا۔ یہ جملہ ایک محذوف جملہ کا معطوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: أَلَا نُفَضِّلُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُطِيْعِيْنَ عَلَى الْمُجْرِمِيْنَ فَنَجْعَلَ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کیا ہم مسلمان اطاعت شعاروں کو مجرموں پر فضیلت نہیں دیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کریں گے۔

۲؎ کیف یہ تحکمون کے فاعل سے حال ہے۔ حال کو ذوالحال سے اس لئے پہلے ذکر کیا کیونکہ کلام کے آغاز میں ہونے کا تقاضا کرتا ہے تم عقل کے خلاف عجیب وغریب فیصلہ کر رہے ہو کیونکہ عقل تو یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اطاعت شعار نافرمان سے اچھی حالت میں ہو۔ اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

۳؎ ام منقطعہ ہے بل کے معنی میں ہے۔ سابقہ جملہ کے حکم سے اضراب ہے، یعنی اگر یہ عقل کا فیصلہ نہیں تو کیا تمہارے پاس ایسی سمعی اور نقلی دلیل ہے جو آسمان سے نازل ہوئی ہے جس میں سے تم یہ پڑھ کر سناتے ہو۔

۴؎ تمہارے لئے وہ کچھ ہوگا جس کی تم خواہش کرو گے۔ تخیرون کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ جملہ تدرسون کا مفعول ہے یا تو اس سے پہلے قول محذوف ہوگا اور یہ مقول ہوگا یا اصل میں ان تھا جب ماتخیرون میں لام مفتوح آیا تو ہمزہ کو کسرہ دے دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور انکار کے طریقہ پر اسے لایا گیا ہو۔

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

”کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے ۱؎ ان سے پوچھئے ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے ۲؎ کیا ان کے پاس کوئی گواہ رہے ہیں اگر ہیں تو

پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں۔ ۳"

۱؎ لکم ظرف مستقر ہے اور ایمان اس شبہ فعل کا فاعل ہے۔ لکم جس کے متعلق ہے یعنی ہم پر ایسی مؤکد قسمیں ہیں جو تاکید میں انتہاء درجے کو پہنچی ہوئی ہیں اور قیامت تک مؤثر ہیں الی یوم القیمۃ۔ یہ بھی اسی شبہ فعل کے متعلق ہے جس کے متعلق لکم تھا۔ یعنی ہم ان کی ذمہ داری سے اس وقت تک فارغ نہیں ہوں گے جب تک قیامت کے روز تمہارے حق میں فیصلہ نہیں کر دیتے۔ یا الی یوم القیمۃ جار مجرور بالغۃ کے متعلق ہے، یعنی ایسی قسمیں جو قیامت تک موثر ہیں۔ ان لکم لما تحکمون یہ اس قسم کا جواب ہے جو ایمان کے لفظ سے بھی جارہی ہے یعنی کیا ہم نے تمہارے لئے قسم اٹھا رکھی ہے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے۔

۲؎ ان کے پاس کون ہے جو اس کا دعویٰ کرے اور اسے صحیح ثابت کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان تمام دلائل کی نفی کر دی جن کے ذریعے وہ اپنا موقف ثابت کر سکتے تھے جیسے عقلی اور نقلی دلیل جن سے ان کا استحقاق ثابت ہو سکتا تھا یا وعدہ یا ایسے شخص کی تقلید جو اپنا دعویٰ ثابت کرنے پر قادر ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس امر کی نفی کر دی کہ وہ کفار اور مومنوں میں مساوات کرے گا۔ ساتھ ہی اس کی بھی نفی کر دی کہ یہ مساوات ان شریکوں کی طرف سے ہو جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو فرمایا۔

۳؎ کیا ان کے ایسے شریک ہیں جو انہیں قیامت کے روز مومنوں جیسا بنا دیں گے تو وہ اپنے شرکاء لے آئیں اور یہ ثابت کریں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم، قدرت، ارادہ اور تخلیق کرنے میں شریک ہیں۔ یہاں فاء سببیہ ہے اور امر ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یہاں شرط مذکور ہے جزا نہیں کیونکہ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۙ

"جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے ۱؎ تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی ۲؎ تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ۳؎"

۱؎ یوم ظرف ہے اور اذکر کے ساتھ متعلق ہے۔ کشف الساق سے مراد میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی ایک قسم ہے۔ شیخین اور دوسرے محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں دوپہر کے وقت جب بادل وغیرہ بھی نہ ہوں تو کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں کوئی شک ہوتا ہے جب چودھویں رات ہو بادل وغیرہ بھی نہ ہوں تو کیا چاند کے دیکھنے میں کوئی شک وشبہ ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دیدار میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں ہوگا جس طرح تمہیں ان دونوں میں کسی کے دیکھنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا ہر امت اس کے پیچھے پیچھے چلے جس کی وہ عبادت کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو بھی کسی بت کی عبادت کرتے تھے (1) سب جہنم میں گر جائیں گے یہاں تک کہ نیک وبد میں سے صرف وہ رہ جائیں گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ایک روایت میں ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا تو یہودیوں کو بلایا جائے گا انہیں کہا جائے گا کس کی عبادت

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 212 (الفکر)

کرتے تھے تو وہ کہیں گے ہم عزیر بن اللہ کی عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا تم نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے تو کسی کو اپنا بیٹا اور بیوی نہیں بنایا۔ ارشاد ہوگا اب کیا چاہتے ہو تو عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں سخت پیاس ہے ہمیں پانی پلا تو انہیں اشارہ کیا جائے گا کیا تم دیکھتے نہیں تو انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا گویا جہنم اس وقت سراب ہوگا جو اپنے آپ کو کھا رہی ہوگی تو وہ جہنم میں گر پڑیں گے پھر نصرانیوں کو بلایا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے تو وہ جواب دیں گے ہم مسیح بن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں کہا جائے گا تم نے جھوٹ بولا پھر ان سے اسی طرح کلام کی جائے گی جس طرح یہودیوں سے کی گئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔ نیز دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے اسے صحیح کہا کہ جو بھی غیر اللہ کی عبادت کرتا تھا جیسے سورج، چاند اور بت وغیرہ تو ان کے لئے ان چیزوں کو مثالی صورت دی جائے گی جو حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے ان کے لئے حضرت عزیر علیہ السلام کے شیطان کو مثالی صورت دی جائے گی اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے شیطان کو مثالی صورت میں لایا جائے گا وہ سب ان کے ساتھ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جو طبرانی، ابو یعلی، بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین کے ہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حضرت عزیر علیہ السلام اور ایک فرشتے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں لائے گا۔ یہودی اور عیسائی ان کی اتباع کریں گے۔ پھر ان کے معبود انہیں جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ یہی کہیں گے لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اب ہم پھر صحیحین کی طرف لوٹتے ہیں یہاں تک کہ نیک و بد میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا تو رب العالمین جلوہ افروز ہوگا۔ ارشاد فرمائے گا تم کیا دیکھ رہے ہو، ہر امت تو جس کی عبادت کرتی تھی وہ اس کے پیچھے پیچھے جا چکی تو لوگ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ تھلگ رہے جبکہ ہمیں ان کی سخت ضرورت تھی، ہم نے ان سے دوستی اور سنگت اختیار نہ کی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو لوگ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ یہ بات دو یا تین دفعہ کہیں گے یہاں تک کہ ان میں سے بعض پلٹنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا کوئی ایسی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اسے پہچان لو گے تو لوگ عرض کریں گے ہاں۔ تو پنڈلی سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو خلوص دل سے عبادت کرتا تھا اسے سجدہ کی اجازت دے دی جائے گی اور جو نفاق اور ریاکاری کے طور پر سجدہ کرتا تھا اس کی پشت کو اللہ تعالیٰ ایک تختہ کی مانند بنا دے گا۔ جب بھی وہ سجدہ کرنے لگے گا تو گدی کے بل گر پڑے گا۔ پھر جہنم پر پل رکھ دیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ پل صراط کیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پھسلنے والا کیچڑ جس پر آنکڑے (لوہے کے کانٹے) اور نجد میں پیدا ہونے والی خاردار گھاس یعنی سعدانہ کے خمیدہ کانٹے ہوں گے۔ شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ انبیاء عرض کریں گے سلّم سلّم اے اللہ انہیں سلامتی عطا فرما مومن پلک جھپکنے کی طرح، ہوا کی طرح، پرندے کی طرح، عمدہ گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی رفتار میں گزر جائیں گے، کچھ مسلمان صحیح وسالم نجات پا جائیں گے، کچھ زخمی ہوں گے اور کچھ جہنم میں گر پڑیں گے یہاں تک کہ جب مومنوں کو جہنم سے چھٹکارا مل جائے گا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان سے زیادہ تم میں سے کوئی اپنے حق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے جہنم میں موجود ان کے بھائیوں کو ظاہر کر دے گا۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے، تھے ہمارے ساتھ حج کرتے تھے تو اللہ

تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جنہیں تم پہچانتے ہو انہیں جہنم سے نکال لو، ان مومنوں کے چہرے جہنم پر حرام ہوں گے۔ جہنم ان کے چہروں کو نقصان نہ پہنچائے گی۔ وہ بے شمار لوگوں کو نکال لیں گے پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب جن کے بارے میں تو نے ہمیں حکم دیا ہے ان میں سے اب کوئی بھی نہیں بچا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا واپس پلٹ جاؤ جس کے دل میں دینار کے برابر ایمان اور خیر پاؤ اسے نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے پھر ارشاد فرمائے گا واپس جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر خیر اور ایمان پاؤ اسے بھی جہنم سے نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے۔ پھر ارشاد ہوگا واپس جاؤ اور جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان پاؤ تو اسے بھی نکال لاؤ تو وہ بے شمار لوگوں کو نکال لائیں گے۔ پھر وہ عرض کریں گے اب ہم نے اس جہنم میں کوئی خیر نہیں دیکھی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اب ملائکہ، انبیاء اور مومنوں نے شفاعت کر لی ارحم الرحمین کے سوا کوئی نہیں بچا اللہ تعالیٰ جہنم میں سے ایک مٹھی بھرے گا تو قوم کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی اچھائی نہ کی ہوگی وہ کوئلہ بن چکے ہوں گے اللہ تعالیٰ اسے ایک دریا میں ڈال دے گا جسے نہر حیات کہتے ہیں تو وہ اس سے یوں نکلیں گے جس طرح دانہ سیلاب والی مٹی سے نکلتا ہے۔ وہ موتیوں کی طرح باہر نکلیں گے۔ ان کی گردنوں میں یہ مہر ہوگی۔ جنتی انہیں کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر عمل کے جنت میں داخل کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے پہلے کوئی اچھائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا جو تم دیکھ رہے ہو یہ بھی تمہارے لئے ہے اور اس کی مثل بھی تمہارے لئے ہے۔ (1)

کشف الساق کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جو حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کے ہاں بھی مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے پاس ایسی صورت میں آئے گا جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے۔ لالکائی نے السنۃ میں اور آجری نے کتاب الرؤیۃ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو ہر قوم دنیا میں جس کی عبادت کرتی تھی اسے ایک مثالی صورت میں لایا جائے گا۔ ہر قوم اپنے معبود کے ساتھ چلی جائے گی صرف توحید والے رہ جائیں گے۔ انہیں کہا جائے گا لوگ تو چلے گئے تو لوگ کہیں گے ہم دنیا میں اپنے رب کی عبادت کرتے تھے جسے ہم نے دیکھا نہیں تو ارشاد فرمائے گا جب تم اسے دیکھو گے تو پہچان لو گے تو لوگ عرض کریں گے ہم پہچان لیں گے۔ ارشاد ہوگا تم اسے کس طرح پہچانو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ لوگ عرض کریں گے اس کی کوئی مثل نہیں تو ان کے لئے حجاب اٹھا دیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور سجدہ میں گر جائیں گے کچھ لوگ اسی طرح رہ جائیں گے۔ ان کی پشتوں کے مہرے بیل کی پشت کے مہروں جیسے ہو جائیں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے لیکن سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا سر اٹھاؤ میں نے تمہاری جگہ (جہنم میں) ایک یہودی اور عیسائی کو داخل کر دیا ہے۔

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے کچھ اس کی صورت کی تجلیات ہیں۔ یہ عالم مثال میں ہے۔ یہ حقیقت میں رؤیت نہیں ہوتی جس طرح حضور ﷺ نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان گھنگھریالے بالوں والا دیکھا جس کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔ اسی تجلی کے موقع پر محشر میں لوگوں نے کہا ہم تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ ان تجلیات میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہوتی اس میں ظلیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ شاید اس آیت میں اسی نوع کا ارادہ فرمایا یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ تو مومنوں اور فجار نے بغیر حجاب کے اسے اس طرح

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 13-212 (الفکر)

دیکھا جس طرح تم سورج کو دوپہر کے وقت دیکھتے ہو جبکہ بادل وغیرہ نہ ہوں اور چاند کو چودھویں کی رات میں دیکھتے ہو جس طرح ہم نے اس سے پہلے روایت کیا ہے اس تجلی میں کفار کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے یہاں تک کہ نیک اور فاجر کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کوئی نہیں رہے گا تو ان کا رب آئے گا۔

ساق کا لفظ متشابہات میں سے ہے جس طرح ید، وجہ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی تاویل اللہ اور راسخ فی العلم علماء جانتے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ ان تجلیات کی ایک قسم وہ ہے جو جنت میں ظلیت کے شائبہ کے بغیر ہوگی جسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر کیا گیا ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔

2؎ نیک مومنوں اور فجار کو سجدہ کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ یہ سجدے کی دعوت اس باب سے تعلق نہیں رکھتی جو دنیا میں انسان کو بطور حکم دی جاتی ہے کیونکہ آخرت میں وہ مکلف نہیں بلکہ یہ ایک طبعی دعوت ہے کیونکہ جب عظمت و جلال کے پردے ہٹا دیئے جائیں تو ممکن کو واجب الوجود کے سامنے جھکنا چاہیے جبکہ کوئی مانع نہ ہو۔

3؎ تو نافرمان اس کی طاقت نہ رکھیں گے کیونکہ ان کی پشتیں ایک تختہ کی مانند ہو چکی ہوں گی۔ اس کی وجہ گناہوں کا بوجھ ہوگا۔ یستطیعون کی ضمیر ان بعض لوگوں کے لئے ہے جنہیں سجدہ کی دعوت دی گئی تھی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ضمیر بعض کی طرف لوٹ رہی ہے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ کا ذکر مطلقات کے بعد آیا ہے۔

اسی مفہوم پر مذکورہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں کہ جو سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے وہ ایسے مومن ہوں گے جو نماز نہیں پڑھتے تھے یا جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اگر پڑھتے بھی تھے تو تقیہ کے طور پر پڑھتے تھے جس طرح رافضی وغیرہ بدعتی لوگ ہیں یا لوگوں کو دکھانے کے لئے سجدہ کرتے تھے عمل میں اخلاص نہیں ہوتا تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے راویوں کی احادیث میں یہ وارد ہوا ہے جب مومنوں کے علاوہ کوئی باقی نہ ہوگا اور ان میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے ہاں نزول اجلال فرمائے گا..... تو پنڈلی ظاہر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ان کے لئے عیاں ہوگی جس سے وہ پہچان لیں گے کہ یہ ان کا رب ہے تو وہ منہ کے بل اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے اور ہر منافق پشت کے بل گر پڑے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے مہروں کو اس طرح بنادے گا جس طرح بیل کی پشت کے مہرے ہوتے ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں ان احادیث میں منافق سے مراد عمل میں نفاق کرنے والا ہے نہ کہ اعتقاد میں نفاق کرنے والا ہے کیونکہ جو اعتقاد میں نفاق کرتا ہے وہ پکا کافر ہے بلکہ کافروں سے بھی سخت کافر ہے اور وہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا۔ انہیں قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار نہیں ہوگا۔ ان کے لئے دیدار الٰہی کا شرف کیسے ہو سکتا ہے۔ احادیث طیبہ میں گناہگار کے لئے بھی منافق کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا چار خصلتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے جب جھگڑا کرے تو گالی دے[1]۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 332 (وزارت تعلیم)

مروی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ پھر دونوں محدثین نے ان الفاظ کے نقل کرنے میں اتفاق کیا ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

"ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے [1]"

[1] خشوع اصل میں ذات کی صفت ہے اور آنکھوں کی طرف مجازاً منسوب ہے کیونکہ اس کا ظہور آنکھوں میں ہوتا ہے۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنی انہیں ذلت لاحق ہوگی۔ انہیں دنیا میں سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی۔ وہ اس طرح سجدہ نہیں کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا جبکہ اس وقت ان کی پشتیں ایک بے جوڑ تختہ کی مانند نہیں۔ یہ جملہ (وَهُمْ سَالِمُونَ) دوسرے يُدْعَوْنَ کے نائب فاعل کا حال ہے۔ باقی خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ سے لے کر وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ تک سب پہلے يُدْعَوْنَ کے نائب فاعل سے حال ہیں۔ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ یہ آخرت میں ان کے سجدہ نہ کرنے کی طاقت پر علت ہے۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾

"پس (اے حبیب) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا [1] اور میں نے (مردست) انہیں مہلت دے رکھی ہے میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے [2]"

[1] مَنْ يُكَذِّبُ کا عطف یا تو فذرنی کی ضمیر منصوب پر ہے یا اس کا مفعول معہ ہے هذا الحديث سے مراد قرآن ہے۔ فذرنی کا جملہ کفار کو وعید اور نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے بطور معترضہ ذکر کیا ہے، یعنی آپ غمگین نہ ہوں اسے میری طرف سپرد کر دیں میں اسے کافی ہو جاؤں گا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ میں هم ضمیر منصوب من کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسے جمع معنی کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ درج کا معنی خط یا کپڑے کو لپیٹنا لپیٹی گئی چیز کو درجی کہتے ہیں۔ درج بطور مجاز موت کے معنی میں مستعمل ہے جس طرح طی کا لفظ موت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے اور کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کا معنی یہ ہے ہم خط کی طرح اسے لپیٹ دیں گے، یعنی انہیں غافل رکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے ہم درجہ بدرجہ انہیں پکڑیں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا ہم انہیں مہلت اور تدریج کے ساتھ عذاب میں پکڑ لیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ انہیں عذاب کیسے پہنچتا ہے۔

[2] میں انہیں مہلت دوں گا بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہوگی۔ اس کا دور کرنا اس کے بس کی بات نہ ہوگی۔ ان كيدي متين یہ جملہ مستانفہ ہے۔ کید کا معنی مکر اور حیلہ ہے اور اس نے جو برائی اپنے دل میں چھپا رکھی ہے۔ اس کے برعکس ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی

طرف سے تدبیر یہ ہوگی کہ انعام کی صورت میں وہ انتقام لیتا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ میں فرمایا کہ بعض کا قول ہے کہ کید سے مراد عذاب ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا معنی مہلت دینا ہے، یعنی دنیا میں ان کفار کو جو ہم نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ مومنوں پر فضل و احسان نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ ان کے ساتھ کید اور استدراج ہے۔

فائدہ:۔ جس نے گناہ کا ارتکاب کیا اور دنیا میں مصیبت کے ذریعے اس کو سزا مل گئی اس کے گناہ کی بخشش کی امید ہوتی ہے جو گناہ کا ارتکاب کرے۔ پھر اس پر نعمت کی زیادتی دکھائی دے اس کے بارے میں مکر اور استدراج کا اندیشہ ہوتا ہے نعوذ باللہ منہ۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝

"آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں۔[1] کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں۔[2]"

[1] کیا آپ ان سے تبلیغ پر اجرت مانگتے ہیں ام منقطعہ ہے بل کے معنی میں ہے اس کا عطف ام لهم شرکاء پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہیں۔ پس وہ اجرت کی چٹی کے نیچے دبے جارہے ہیں وہ چٹی سے بچنے کے لئے بغیر کسی دلیل کے تجھ سے اعراض کر رہے ہیں جملہ اسمیہ کا عطف فاء سببیہ کے ذریعے جملہ فعلیہ پر کیا ہے۔

[2] غیب سے مراد لوح محفوظ یا مغیبات ہیں اور وہ اسی سے فیصلے کرتے ہیں۔ ام عندهم کا عطف ام تسئلهم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں دلیل عقلی، نقلی اور تقلید کی نفی کی جس سے عوام استدلال کرتے ہیں۔ یہاں مغیبات سے کشف اور الہام کی نفی کی جو خواص کے علم کا ذریعہ ہے جیسے انبیاء، ملائکہ اور بعض اولیاء کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہستیوں پر لوح محفوظ اور مغیبات ظاہر کر دیتا ہے، یعنی جن چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس نہیں ہے تو پھر وہ باطل اور لغو فیصلہ کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝

"پس انتظار فرمایئے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند۔[1] جب اس نے پکارا اور وہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا۔[2]"

[1] اے محمد ﷺ اپنے رب کے فیصلے پر صبر کیجئے کہ اس نے کفار کو مہلت دی اور استدراج سے کام لیا۔ آپ نہ تنگ دل ہوں اور نہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کریں۔ تنگ دلی اور جلدی کرنے میں مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔ ولا تكن کا عطف فاصبر پر ہے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یونس بن متی ایک صالح انسان تھے۔ آپ کے اخلاق میں تنگی تھی۔ جب آپ پر نبوت کا بوجھ ڈالا گیا تو اس سے بوجھل ہوئے اور اس کے اٹھانے سے اسی طرح اعراض کیا جس طرح اونٹ کے بچے پر بھاری بوجھ لادا جائے تو اسے سامنے پھینک دیتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اولوالعزم رسولوں سے خارج کر دیا۔ حضور ﷺ سے فرمایا اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسول صبر کرتے ہیں، آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ

حضرت ابن مسعود، حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور وہب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل نینویٰ کی

طرف مبعوث فرمایا جن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ تین دنوں تک عذاب تمہیں آ پہنچے گا۔ لوگوں نے کہا اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولا دیکھو اگر اس رات بھی یہ تمہارے ساتھ رہا تو پھر عذاب نہیں ہوگا اگر اس نے رات نہ گزاری تو جان لینا کہ صبح عذاب آ جائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نصف رات کو گھر سے نکل گئے۔ جب صبح ہوئی تو عذاب ظاہر ہونے لگا ان کے سروں پر ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آسمان پر سیاہ بادل نمودار ہوئے بلکہ سخت دھواں چھا گیا وہ نیچے آنے لگا یہاں تک کہ ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا اور انہیں تلاش نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں توبہ کا خیال ڈالا تو وہ سب کھلے میدان کی طرف نکل گئے ان کی عورتیں، بچے اور جانور سب ساتھ تھے۔ انہوں نے کمبل کا لباس زیب تن کیا، ایمان اور توبہ کا اظہار کیا ارادے کو خالص کیا والدہ اور بچوں اور مادہ جانوروں اور ان کے بچوں میں علیحدگی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا ان کی دعا قبول فرمائی۔ عذاب ان پر آ چکا تھا کہ ان سے عذاب کو دور کر دیا۔ یہ دس محرم کی تاریخ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے تھے اور عذاب کے نازل ہونے اور اپنی قوم کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہ دیکھا۔ اب آپ علیہ السلام اپنے آپ کو جھوٹوں میں شمار کرنے لگے اور عذاب نہ آنے کی کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا میں اب اپنی قوم کے پاس کیسے جاؤں جبکہ میں ان کے پاس جھوٹا ثابت ہو چکا ہوں تو آپ علیہ السلام چل پڑے سمندر کے کنارے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کشتی پر سوار ہیں۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے کشتی پر سوار کر لیا کشتی درمیان میں جا کر کھڑی ہو گئی نہ پیچھے ہٹتی تھی اور نہ ہی آگے جاتی تھی۔ لوگ کہنے لگے ہماری کشتی کے ساتھ کوئی خاص واقعہ ہو گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا میں اس کا سبب جان چکا ہوں ایک گناہگار آدمی اس پر سوار ہو گیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے تو کہنے لگے میں ہوں مجھے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے کہا ہم آپ کو ہرگز نہیں پھینکیں گے یہاں تک ہم اچھے آپ کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ انہوں نے قرعہ ڈالا۔ تین دفعہ آپ کا نام ہی نکلا۔ ایک مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جو اپنا منہ کھولے ہوئے تھی۔ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر رہی تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی قسم تم سب ہلاک ہو جاؤ گے مگر اس صورت میں بچ جاؤ گے کہ مجھے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے آپ کو سمندر میں پھینک دیا۔ لوگ چلے گئے اور مچھلی نے آپ کو اپنے منہ میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جب کشتی رک گئی تو ملاحوں نے کہا یہاں کوئی نافرمان آدمی ہے یا کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ یہی کشتی کا ضابطہ ہے اور ہمارے قانون میں یہ بھی ہے کہ ہم قرعہ اندازی کریں تو انہوں نے تین دفعہ قرعہ اندازی کی تینوں دفعہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا آپ نے سمندر میں چھلانگ لگا دی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اس مچھلی کو ایک اور مچھلی نے نگل لیا جو اس سے بڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دیا ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو تیرے لئے خوراک نہیں بنایا بلکہ ہم نے تیرے پیٹ کو اس کی پناہ گاہ اور سجدہ کی جگہ بنا دی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اسے قید خانہ بنا دیا ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ آپ قرعہ اندازی سے پہلے کھڑے ہو گئے اور کہا میں ہی گناہگار اور بھاگا ہوا غلام ہوں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ علیک السلام ہم آپ کو سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی نہ کر لیں۔ قرعہ آپ کے نام ہی نکلا تو آپ نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ قصہ میں یہ

بھی مروی ہے کہ جب سمندر تک پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور دو بیٹے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی آپ نے سوار ہونے کا ارادہ کیا آپ نے بیوی کو آگے کیا تا کہ اس کے بعد کشتی پر سوار ہوں تو موج آپ کے اور کشتی کے درمیان حائل ہوگئی۔ پھر دوسری موج آئی اور ان کے بڑے بیٹے کو بہا کر لے گئی۔ پھر ایک بھیڑیا آیا اور آپ کے چھوٹے بیٹے کو پکڑ کر لے گیا۔ ایک اور کشتی آئی تو آپ اس پر سوار ہو گئے۔ پھر کشتی پانی میں جا کر رک گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا مچھلی نے اسے نگل لیا اور ساتویں زمین میں جا کر بیٹھ گئی۔ آپ اس کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے۔ آپ نے سنگریزوں کی تسبیحات سنیں تو ان تاریکیوں میں یہ تسبیح پڑھی: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﵰ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

؎ معصیت اور مشقت میں پڑنے کی وجہ غصے اور غم کے عالم میں کہا۔ اذ ظرفیہ فعل محذوف اذکر کے متعلق ہے۔ یہ ظرف فعل نہی کے متعلق نہیں کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ندا کرنا اچھا عمل ہے۔ یہ ان امور میں سے نہیں ہو سکتا جس کی نہی کی گئی ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ آپ کفار کے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہوں۔ اس وقت کو یاد کرو جب آپ نے توبہ کرتے ہوئے ندا کی جبکہ آپ غصے سے بھرے ہوئے تھے کیونکہ وہ غصے کو ضبط نہ کر سکے۔ اس کی وجہ ان کی جلد بازی اور صبر نہ کرنا تھا۔

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾

"اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں درآں حالیکہ اس کی مذمت کی جاتی ؎"

؎ تدارکہ فعل ماضی ہے اور ادرکہ کے معنی میں ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ اس لئے فعل کو مذکر لانا بہت اچھا ہے یا یہ فعل مضارع منصوب ہے اور تفاعل کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا اور حال ماضیہ کی حکایت کی گئی ہے۔ یہ مصدر کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہے جو شرط کے قائم مقام ہے۔ نعمۃ یہ فعل تدارکہ کا فاعل ہے۔ من ربہ یہ نعمۃ کی صفت ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت، توبہ کی توفیق اور اس کی قبولیت ہے۔ مبتدا کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: لَوْ لَا تَدَارُكُ نِعْمَةِ رَبِّهٖ اِيَّاهُ مَوْجُوْدٌ۔

لنبذ یہ لولا کا جواب ہے تو انہیں درختوں اور عمارتوں سے خالی زمین پر پھینک دیا جاتا جبکہ آپ مذموم ہوتے۔ وھو مذموم یہ نبذ کے نائب فاعل سے حال ہے جواب کا انحصار اسی حال پر ہے اور نفی اسی طرف متوجہ ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو انہیں مذمت کیا گیا پھینک دیا جاتا کیونکہ آپ اپنی قوم میں نہ ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر قوم سے نکل آئے تھے۔ اولی امر کو چھوڑنا یہ انبیاء کا گناہ شمار ہوتا ہے کیونکہ وہ عظمت شان کے حامل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ حقیقت میں گناہ نہ ہو اور عصمت کے منافی نہ ہو۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ندا کی اور توبہ کی تو انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے آلیا اور انہیں بے آب و گیاہ جگہ پر پھینک دیا گیا جبکہ آپ بیمار تھے جس طرح سورۃ صافات میں محمود امر موما کے الفاظ ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم فلسطین میں رہتی تھی۔ ایک بادشاہ نے ان پر حملہ کر دیا تو ساڑھے نو خاندانوں کے افراد کو اس نے گرفتار کر لیا اور اڑھائی خاندان کے افراد باقی بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بادشاہ حزقیا کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس دوسرے بادشاہ کے پاس ایک مضبوط اور دانشمند آدمی کو بھیجے۔

ہیں ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو وہ بنی اسرائیل اس کے ساتھ بھیج دے گا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی مملکت میں اس وقت پانچ نبی تھے۔ بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بلا بھیجا اور دوسرے بادشاہ کے پاس جانے کو کہا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ حکم دیا ہے کہ تو مجھے بھیجے۔ بادشاہ نے کہا نہیں آپ نے پوچھا کیا اس نے میرا نام لیا تھا۔ اس نے کہا نہیں تو آپ نے کہا یہاں میرے علاوہ قوی انبیاء ہیں۔ لوگوں نے آپ سے اصرار کیا تو آپ ناراض ہوکر گھر سے نکل پڑے تو بحر روم کے کنارے آ گئے اور کشتی پر سوار ہو گئے۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞

”پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے[1]“

[1] فجعله کا عطف فاجتبه پر ہے یعنی وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا اور اسے کامل صالحین میں سے بنا دیا کہ اسے ایسی بات کرنے سے محفوظ کر دیا جس کا ترک کرنا بہتر تھا۔ صوفی پر لازم ہے کہ جب مخلوق اسے اذیتیں دے تو اس وقت وہ صبر کرے اور جو اس کی بات نہ مانے اس کے لئے بددعا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف بددعا کی اجازت نہیں دی بلکہ صبر کا حکم دیا تو جو ولی کا منکر ہو اور مومن ہو تو اس کے بارے میں بددعا کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کفار نے ارادہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کو نظر لگائیں قریش کے کچھ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہا ہم نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا اور آپ کی دلیل جیسی کوئی دلیل نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ کیا گیا بنی اسد میں ایسے لوگ تھے جو نظر لگاتے تھے جو کوئی موٹی تازی اونٹنی یا گائے ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ اسے دیکھتے ہی کہتے اے لونڈی ٹوکری اور درہم لے جاؤ اور اس کا گوشت لے آؤ وہ تھوڑی دور نہ جاتی کہ گر پڑتی اور اسے ذبح کر دیا جاتا۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک عرب تھا۔ وہ دو یا تین دن کھانا نہ کھاتا۔ پھر اپنے خیمے میں واپس آ جاتا۔ اس کے پاس سے اونٹوں یا بھیڑ بکریوں کا ریوڑ گزرتا تو وہ کہتا میں نے آج تک ان جیسے اونٹ یا بھیڑ بکریاں نہیں دیکھیں۔ وہ تھوڑا دور نہیں جاتے تھے کہ ایک دم ان جانوروں میں سے کچھ گر پڑتے کفار نے اس آدمی سے مطالبہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کو نظر لگائے اور انہیں ہلاک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور فرمایا۔

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۞ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞

”اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے[1] حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لئے وجہ عزوشرف ہے“

[1] ان مثقلہ سے مخففہ ہے جس پر لام مفتوح دلالت کرتا ہے۔ لیزلقونک یہ یکاد کی خبر ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یاء کے فتحہ کے ساتھ مجرد کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی نے یاء کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اس کا معنی ہے یا امر نافذ ہو جاتا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے زلق السنتهم۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان کی زبانیں مؤثر ہو جائیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ تمہیں نظر لگا دیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ تمہیں ہلاک کر دیں۔ بابصارهم جار

مجرور یزلقون کے متعلق ہے لما سمعوا الذکر کا بھی اسی کے ساتھ تعلق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آنکھ (نظر) انسان کو قبر میں داخل کر دیتی ہے اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔ ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ صحیحین اور دوسرے محدثین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نظر حق ہے۔ امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نظر حق ہے(1)۔ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے سکتی تو نظر سبقت لے جاتی۔ جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کر لیا کرو(2) (نظر لگانے والے کا پانی اس پر ڈالا جاتا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ نظر حق ہے نظر کے وقت شیطان حاضر ہوتا ہے اور انسان پر حسد کرتا ہے۔ حبیب بن رقاعہ سے مروی ہے کہ اسماء بنت عمیس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے۔ آپ کچھ انہیں دم کر دیں۔ فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی تو نظر سبقت لے جاتی اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ یہاں یہ ارادہ نہیں فرماتا کہ وہ تمہیں نظر لگا دیں گے جس طرح ایک نظر لگانے والا نظر لگاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جب آپ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ آپ کو سخت غصے سے دیکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ وہ آپ کو ہلاک کر دیں جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا قریب تھا کہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ اسی کی مثل یکاد یا کلنی جملہ بولتے ہیں کہ قریب تھا کہ مجھے کھا جاتا یہ دشمنی سے کنایہ ہے۔ اس معنی کی صحت پر قرآن سننے کے وقت کی قید دلالت کرتی ہے کیونکہ اس وقت وہ سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے اور غصے کی نظر سے دیکھتے تھے(3)۔ جب آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو کہتے آپ مجنون ہیں۔ یقولون والا جملہ یکاد الذین کفروا پر معطوف ہے۔

یہ قرآن تمام عالمین کے لئے نصیحت ہے آپ مجنون نہیں قرآن ایسی چیز نہیں جسے مجنون اپنی زبان سے ادا کریں بلکہ یہ عام ذکر ہے اسے وہی پا سکتا ہے جو تمام لوگوں سے کامل اور صحیح رائے رکھتا ہو۔ میرے شیخ اور امام یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا یہاں ھو ضمیر میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ حضور ﷺ تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہیں جس طرح زید عدل جملہ کہتے ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے پوچھا اے حنظلہ تیرا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی حنظلہ منافق ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ ہوش کرو، کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمارے سامنے جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو گویا وہ ہمارے سامنے ہوتی ہیں۔ جب ہم حضور ﷺ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ہم بیویوں، بچوں اور جاگیروں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم بھی یہی حالت پاتے ہیں۔ پس میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چل پڑے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی حنظلہ منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ جہنم اور جنت کا ہمارے سامنے ذکر کرتے ہیں تو وہ ہماری

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 220 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں، بچوں اور جاگیروں میں مصروف ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اسی حالت پر رہو جس پر تم ذکر کے وقت ہوتے ہو تو تمہارے بستروں اور تمہارے راستوں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ کہی اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(1)

فائدہ:۔ یہ اولیاء اللہ کی علامت ہے کہ ان کے دیدار اور ان کی نصیحت سے اللہ یاد آ جائے۔ بعض مرفوع روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا جب ان کا دیدار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آ جائے۔ حضور ﷺ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں جنہیں میرے ذکر سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کے ذکر سے میری یاد ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نظر لگنے کا علاج یہ ہے کہ انسان اس آیت کی تلاوت کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی)

سورۃ الحاقہ

آیاتہا ۵۲ سُوْرَةُ الْحَاۤقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ رکوعاتہا ۲

سورۃ الحاقہ مکی ہے، اس میں دو رکوع اور باون آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اَلْحَاۤقَّةُ ۙ مَا الْحَاۤقَّةُ ۚ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۤقَّةُ ؕ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۞ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۞

"وہ ہو کر رہنے والی [1] کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی [2] اور اے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے [3] جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو [4] پس ثمود کو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے [5]"

[1] الحاقہ سے مراد قیامت ہے۔ اسے حاقہ سے تعبیر اس لئے کیا کیونکہ قیامت حق ہے اور اس کا وقوع ثابت ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں یا اس لئے حاقہ کا نام دیا کیونکہ اس میں امور کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔ یا اس لئے یہ نام دیا کہ اس دن میں اعمال کی جزاء ثابت ہوگی۔ جب کوئی چیز ثابت ہو جائے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے حق علیہ الشئی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اس میں اسناد مجازی ہے یعنی فعل کی نسبت زمانہ کی طرف ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ما الحاقہ ہے۔

[2] اس میں کلمہ استفہام قیامت کی عظمت بیان کرنے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔ یہاں رابطہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے، یعنی ماھی کی جگہ ما الحاقہ ذکر کیا۔

[3] اس میں ما مبتداء ہے اور ادراک اس کی خبر ہے اور کلمہ استفہام انکار کا معنی دیتا ہے۔ ما الحاقہ میں جملہ استفہامیہ قیامت کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ ادراک کا مفعول ہے۔ آیت کا معنی ہوگا قیامت کتنی ہولناک چیز ہے تو اس کی حقیقت نہیں جانتا یہ کسی کے ادراک سے عظیم ترین ہے۔

[4] حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے اس ساعت کو جھٹلایا جو لوگوں کو خوفزدہ کر کے کھٹکھٹاتی ہے اور اجرام کو توڑنے اور بکھیرنے کے ساتھ کھٹکھٹاتی ہے۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے جس کا ذکر "الحاقہ" کے لفظ کے ساتھ ہو چکا ہے۔ یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اور سابقہ لفظ کا مرادف اور اس کے وصف میں جو شدت پائی جاتی ہے۔ اس کو بیان کرنے کے لئے قارعہ ذکر کیا۔ یہ جملہ پہلے حاقہ کی خبر کے بعد خبر ہے۔ یا سابقہ دونوں جملے جملہ معترضہ ہیں جو ہولناکی بیان کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے جو پہلے جملہ متحقق ہونے اور ثابت ہونے کی تاکید بیان کرتا ہے کیونکہ قیامت کا انکار اور اس کا جھٹلانا ہلاکت کو واجب کرتا ہے۔

ہے اما مجمل کلام کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس جملے کا عطف کذبت پر ہے۔ فا ما پر فاء سببیہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ کذبت ثمود و عاد بالقارعة فاهلكوا بسبب تكذيبها جہاں تک قوم ثمود کا تعلق ہے انہیں اس چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو چیخ کی مقادیر سے تجاوز کر گئی تو انہیں ہلاک کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے(1)۔ یہی صحیح قول ہے اس کی صورت یہ بنی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری تو وہ سب ہلاک ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا آسمان سے ایک چیخ آئی جس میں ہر کڑک اور زمین کی ہر چیز کی آواز تھی جس کی وجہ سے ان کے سینوں میں ان کے دل پھٹ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا طاغیہ عافیہ کی طرح مصدر ہے جس کا معنی طغیان ہے یعنی انہیں تکذیب میں حد سے تجاوز کرنے ناقہ (اونٹنی) کو قتل کرنے اور اس جیسے دوسرے اعمال کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ طاغیہ سے مراد قدار بن سالف ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ اس صورت میں طاغية کے آخر میں تاء مبالغہ کے لئے ہے یا اس سے مراد وہ جماعت ہے جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر اتفاق کیا تھا اور قدار کو اس کی کونچیں کاٹنے کے لئے بھیجا تو یہی اونٹنی ان کی تباہی کا سبب بن گئی۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ مطالبہ کر دیا کہ اس چٹان سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی بطور معجزہ نکالے پھر وہ آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اسی وقت اس چٹان سے ایک عظیم اونٹنی نکل پڑی جس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک سو بیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ وہ دس ماہ کی گابھن تھی۔ اس نے اسی وقت اپنے جیسا بچہ جنا۔ وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور کہا یہ بھی اس کا جادو ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی اونٹنی کو ان کے لئے آزمائش بنا دیا۔ ان کے پاس پانی کم تھا۔ وہ اونٹنی ان کا ایک روز کا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن کا پانی ان کے لئے چھوڑ دیتی گھاس کی بھی۔ یہی حالت تھی قوم ثمود کی ایک جماعت نے انہیں قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے بدبخت ترین آدمی قدار بن سالف کو بھیجا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اس اونٹنی کے قتل کے بعد اپنے گھروں میں چند روز لطف اندوز ہو لو پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہوں گے، دوسرے دن سرخ ہوں گے اور تیسرے دن سیاہ ہوں گے، چوتھے دن تمہیں عذاب آ لے گا۔ پھر اسی طرح عذاب آ گیا۔ ظالموں کو عذاب نے آ لیا تو وہ اپنے گھروں میں مرے پڑے تھے۔ گویا وہ یہاں بستے ہی نہ تھے۔ ان تاویلات کی صورت میں کہ طاغیہ سے مراد مصدر ہو یا قدار بن سالف ہو اس پر اما عاد کے ساتھ جو عطف کیا جا رہا ہے وہ ان کی تائید نہیں کرتا۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾

"رہے عاد تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ ٹنڈ ہیں کھوکھلی کھجور کے"

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 31 (الامیریہ)

بریح میں باء استعانت کے لئے ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے جملہ میں الطاغیہ پر بھی باء استعانت کے لئے ہو تا کہ دونوں جملے مجمل کلام کی تفصیل ہوں۔ صرصر کا معنی سخت ٹھنڈک اور سخت آواز ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے عاتیۃ یعنی وہ شدت اور ٹھنڈک میں حد سے تجاوز کرنے والی ہے۔ قاموس میں ہے عتا یعنی اس نے تکبر کیا اور حد سے تجاوز کیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ عات ہے۔

2 اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مسلط کیا تھا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا ریح کی صفت ہے اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ یہ آندھی فضا میں کسی تغیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔

ھم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔ یہ طوفان ایک بدھ کی صبح سے لے کر دوسرے بدھ کی شام تک رہی۔ وہب نے کہا یہ ہوا ان ایام میں چلی جنہیں عرب ایام عجوز کہتے ہیں جو سخت ٹھنڈا اور تیز ہوا والے تھے انہیں عجوز اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں ایام عجوز اس لئے کہتے ہیں کہ قوم عاد کی ایک بوڑھی عورت ایک درندے کی بل میں گھس گئی۔ ہوا اس پر چلتی رہی یہاں تک کہ آٹھویں دن اسے ہلاک کر دیا پھر عذاب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (1)

حسوما یہ سخر کے مفعول بہ سے حال ہے جس کا معنی پے در پے ہے۔ یہ حاسم کی جمع ہے۔ اس کا معنی پے در پے ہے یہ حسام الکی سے مشتق ہے جس کا معنی داغ کے ساتھ بیماری کی جگہ کو پے در پے داغنا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے صحت یاب ہو جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ یا اس کا معنی منحوس ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے فی ایام نحسات یعنی ان دنوں نے ہر بھلائی کو ختم کر دیا اور اسے جڑ سے اکھیڑ دیا۔ عطیہ نے اسی طرح کہا ہے یا اس کا معنی ختم کرنے والے جنہوں نے ان کی جڑ کو ہی ختم کر دیا۔ زجاج اور نضر بن شمیل نے یہی کہا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو یا یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہو۔

فتری میں خطاب غیر معین مخاطب کو ہے۔ یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے۔ القوم سے مراد قوم عاد ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد وہ راتیں اور دن ہیں یا ان کا درمیانی عرصہ ہے۔ صرعی صریع کی جمع ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ تری کا مفعول ثانی ہے اگر یہ افعال قلوب میں سے ہو۔ بصورت دیگر یہ مفعول بہ سے حال ہوگا۔

اعجاز کا معنی تنے ہیں خاویۃ یعنی اندر سے کھوکھلے۔ یہ جملہ حال مفرد کے بعد حال بن رہا ہے کیونکہ یہ حال مفرد کے بعد حال ہے اور اس کے آغاز میں کانّ ہے۔ اسی وجہ سے واؤ کو ترک کر دیا گیا۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩

"کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد 1 اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا 2۔"

1 اس میں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو اقرار کرنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ لھم میں ھم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔

2 ابو عمر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قاف کے کسرہ کے ساتھ قِبلہ پڑھا ہے جس کا معنی جانب ہوتا ہے، یعنی اس کے لشکروں اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 118 (التجاریہ)

پیروکاروں میں سے جو اس کے پاس تھے جبکہ باقی قراء نے اسے قبلہ پڑھا ہے۔ پھر معنی ہوگا اس سے قبل جو کافر قومیں ہوئیں۔

مؤتفکات سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ یہ افک سے مشتق ہے جس کا معنی الٹنا ہے۔ یہاں اس سے مراد بستیوں والے ہیں۔ خاطئہ یا تو مصدر ہے یا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم محذوف فعلۃ کی صفت ہے یا یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

"پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے[1] ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا[2] تاکہ ہم بنادیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان[3]"

[1] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور ہر امت نے اپنے نبی کی نافرمانی کی۔ یہ جملہ جاء فرعون کا عطف تفسیری ہے۔ فاخذھم میں فاء سببیہ ہے۔ رابیۃ یعنی شدت میں بہت بڑھ کر۔ اخذہ رابیۃ یہ اخذھم کا مفعول مطلق ہے۔

[2] جب پانی اپنی حد سے تجاوز کر گیا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہر چیز سے بلند ہو گیا۔ لما ظرف ہے اور مابعد کے متعلق ہے۔ حملنکم میں کم ضمیر سے مراد تمہارے آباء و اجداد ہیں جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ جاریہ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔

[3] ھا ضمیر سے مراد کشتی ہے یا ان مومنوں کو نجات دینا ہے جو کشتی میں سوار تھے جبکہ پانی سرکش تھا اور تمام حدود سے تجاوز کر چکا تھا۔ تذکرۃ یعنی عبرت اور نصیحت بنایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی حکمت اور رحمت کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھتے ہیں۔ تعیھا کا معنی یاد رکھتے ہیں سمجھتے ہیں اور اس میں سوچ و بچار کرتے ہیں۔ جمہور نے اسے عین کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عین کے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے۔ صاحب تیسیر نے کہا ابن کثیر کی قراءت درست نہیں۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اذن کو تخفیف یعنی ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ جمہور نے دونوں پر ضمہ پڑھا ہے۔ وعی یہ دل اور نفس کی صفت ہے۔ اس کی نسبت کانوں کی طرف مجازاً کی ہے یا اس سے مراد کان والے ہیں۔ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ پر مضاف کے احکام جاری کئے۔ اذن کو نکرہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ ایسے کان تھوڑے ہوتے ہیں مگر جس کی یہ شان ہو وہ قلیل ہونے کے باوجود کثیر افراد کی نجات اور ان کی نسل کے باقی رکھنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دل برتن ہیں ان میں سے بہترین وہی ہے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہو(1)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ جب قیامت کی ہولناکی بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا اور اس کا انکار کرنے والوں کے انجام کا ذکر کیا تو پھر دوبارہ اس کی وضاحت کی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

1۔ معجم الطبرانی، جلد 2، صفحہ 74، حدیث: 3191 (التراث الاسلامی)

وَّاحِدَةً ﴿١٣﴾

"پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار۔ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتاً چور چور کر دیا جائے گا"۔

لے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا(1)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ فعل کی نسبت مصدر کی طرف کی گئی ہے اور یہ بہت اچھا ہے کیونکہ مصدر کی صفت واحدۃ سے لگائی گئی جس وجہ سے نکرہ مقید ہو گیا ہے۔ فعل کو مذکر ذکر کرنا بھی اچھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ آ گیا ہے اس نفخہ سے مراد فنا کا نفخہ ہے نفخات کی تعداد میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نفخے تین ہیں: 1۔ نفخۃ الفزع گھبراہٹ کا نفخہ۔ 2۔ موت کا نفخہ۔ 3۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا نفخہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ایک اور جگہ فرمان ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ایک اور جگہ فرمان ہے: ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ اس قول کو ابن عربی نے پسند کیا ہے۔ اسی طرح ایک طویل حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں بھی صراحۃً ذکر ہے کہ اس میں تین نفخے ہوں گے۔ پہلا نفخہ فزع کا نفخہ ہے، دوسرا نفخہ صعق کا نفخہ ہے، تیسرا نفخہ رب العالمین کے لئے کھڑا ہونے کا نفخہ ہے(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطولات اور ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بعث اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا نفخے صرف دو ہیں: ایک فزع کا نفخہ ہے اور دوسرا صعق کا نفخہ ہے کیونکہ دونوں امر لازم ملزوم ہیں یعنی وہ سخت گھبرائے تو مر گئے۔ اس قول کو قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے(3)۔ اس موقف پر دلیل یہ قائم کی گئی کہ دونوں سے استثناء کی گئی ہے دونوں سے استثناء یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں نفخے ایک ہی نفخہ ہیں۔ اکثر احادیث میں صرف دو کا ذکر ہے۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ اس طویل حدیث کے راویوں میں ایسے راوی بھی ہیں جن میں اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اس حدیث کی صحت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عربی اور قرطبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی اور عبدالحق رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ضعیف قرار دیا اس حدیث کا دارومدار اسماعیل بن رافع پر ہے جو مدینہ طیبہ کے قاضی تھے اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روایت کے سیاق میں کچھ بے تعلقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس روایت کو مختلف طرق اور مختلف مقامات سے جمع کر کے ایک سیاق بنا دیا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ظرف اذا نفخ فی الصور سے طویل زمانہ مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں الحاقه، القارعه، القيامه، الواقعه وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس زمانے کا آغاز نفخہ اولی سے ہو گا اور اس کی انتہا جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے پر ہو گی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زیاد بن مخراق سے نقل کیا ہے کہ حجاج نے عکرمہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام تھے سے یوم قیامت کے بارے میں پوچھا کیا وہ دن دنیا کے دنوں جیسا ہو گا یا آخرت کے دنوں جیسا ہو گا تو

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 379 (دارالکتب العربیہ بیروت)　　2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 20 (الامیریہ)

3۔ تفسیر قرطبی، جلد 13، صفحہ 240 (دارالکتب المصریہ)

انہوں نے جواب دیا اس کا آغاز دنیا کے دن جیسا اور اس کی انتہاء آخرت کے دن جیسی ہوگی۔ اس وجہ سے اس زمانہ کی طرف نفخہ اولی اور دوسرے تمام واقعات جو اس دن میں واقع ہوں گے جیسے موت، دوبارہ اٹھانا، حساب، آسمان کا پھٹنا، ستاروں کا بکھرنا، جنت اور دوزخ میں داخل ہونا اس کے علاوہ دوسرے امور کی نسبت کرنا درست ہوگی۔ اذا نفخ فی الصور نفخة واحدة یہ اس وقت کی ابتداء کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فھو فی عیشة راضیة سے لے کر آخر تک اور اللہ تعالیٰ کا فرمان خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ یہ دونوں آیات اس وقت کی انتہاء کا بیان ہیں۔

۳؎ زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا لئے جائیں گے پھر ان سب کو ایک ہی دفعہ ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ قاموس میں ہے دک کا معنی باریک کرنا اور گرانا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا اصل معنی توڑنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ الدک الارض سے مراد نرم اور ہموار زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑوں کو نرم زمین جیسا بنا دیا جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ زمین اور پہاڑوں کو ایک ہی دفعہ ہموار کر دیا جائے گا تو اس میں کوئی کجی اور کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھے گا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ دونوں چیزیں کفار کے چہروں پر غبار کی صورت میں ہو جائیں گی۔ مومنین کے چہروں پر کوئی ایسی صورت نہ ہوگی: وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ کا بھی مفہوم ہے شرط کی جزاء محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ انْقَضَتِ الدُّنْیَا وَحَقَّتِ الْحَاقَّةُ۔

فَیَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَىِٕذٍ وَّاهِیَةٌ ۙ﴿۱۶﴾

"تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا ۱؎ اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا ۲؎"

۱؎ یومئذ مابعد فعل کی ظرف ہے اور پھر یہ جملہ اذا نفخ کا بدل ہے۔ پھر وہ ساعت واقع ہو جائے گی جس کا انتظار کیا جا رہا تھا جس کا وقوع کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے وہ امور جیسے حساب و جزاء جن کا وقوع ضروری تھا واقع ہو جائیں گے۔

۲؎ جملے کا عطف وقعت پر ہے۔ ھی ضمیر سے مراد آسمان ہے۔ یومئذ مابعد شبہ فعل کی ظرف ہے۔ واهیة یعنی کمزور اور ڈھیلا ہو جائے گا۔ وہ سخت اور قوی نہیں ہوگا جس طرح وہ پہلے سخت اور قوی تھا۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وهيها سے مراد اس کا پھٹ جانا ہے۔ قاموس میں وھی کا معنی کسی شے میں سوراخ ہو جانا ہے کہتے ہیں۔ وھی یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ پھٹ جائے اور اس کی رسیاں ڈھیلی پڑ جائیں۔

وَّالْمَلَكُ عَلٰۤی اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِیَةٌ ؕ﴿۱۷﴾

"اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا ۱؎"

۱؎ ملک سے مراد فرشتوں کی جنس ہے۔ ارجاء کا معنی اطراف ہے جو آسمان کے پھٹنے کے بعد ابھی باقی ہوں گی۔ یہاں عرش کو جو رب کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ وہ ایک تو عرش کی تعظیم کے لئے ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اس کی مخصوص تجلی کی جگہ ہے۔ فوقهم میں هم ضمیر یا تو ثمانیه کے لئے ہے، اگرچہ ثمانیه کا لفظ بعد میں ہے لیکن فاعل ہونے کی حیثیت سے پہلے مقام رکھتا ہے۔ یا هم ضمیر ان فرشتوں کے لئے ہے جو آسمان کی اطراف میں جمع تھے۔ آٹھ فرشتے ہوں گے۔ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ

تعالیٰ نے حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان کا گمان ہے کہ وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ایک بادل گزرا لوگوں نے اسے دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم اسے کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا بادل۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے مزن بھی کہتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی مزن بھی کہتے ہیں فرمایا عنان بھی۔ صحابہ نے عرض کی عنان بھی کہتے ہیں۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو زمین اور آسمان کے درمیان کتنی دوری ہے۔ تو صحابہ نے عرض کی ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان اکہتر (71)، بہتر (72) یا تہتر (73) سال کی مسافت ہے۔ وہ آسمان جو اس سے اوپر ہے اس کی بھی یہی حالت ہے یہاں تک کہ آپ نے سات آسمانوں کو شمار کیا۔ پھر ساتویں آسمان سے اوپر ایک سمندر ہے جو بلندی سے پستی تک کو محیط ہے جس طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پھر اس سے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھروں اور سرینوں کے درمیان دو آسمانوں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ پھر ان کی پشتوں پر عرش ہے جس کے پائے کے سرے اور بلندی کے درمیان ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی ماوراء ہے۔(1)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے۔ تاہم زمین اور آسمان کے درمیان اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا ذکر ہے۔ اسی طرح سمندر کی پستی اور بلندی کے درمیان، پہاڑی بکروں کے کھروں اور ان کی سرینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ یہ مسافت کا اختلاف سفر طے کرنے والوں کے اختلاف کی بناء پر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ آج وہ چار ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ چار اور کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا وہ پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں ان کے کھروں اور سرینوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جس طرح ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ان چار میں سے ایک انسان کی شکل میں ہے، دوسرا شیر کی شکل میں ہے، تیسرا بیل کی شکل میں ہے اور چوتھا گدھ کی شکل میں ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس روز تیرے رب کے عرش کو فرشتوں کی آٹھ صفیں اٹھائے ہوئے ہوں گی جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾

”وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامہ عمل ۔“

۱ اے لوگو تم سب کو حساب کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ یہ اس نفخہ کے بعد ہوگا جس میں سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے ما یفعل بنا ذلک الیوم۔ جمہور نے تخفی پڑھا ہے کیونکہ فاعل مؤنث ہے جبکہ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔

خافیۃ کا معنی مخفی ہے لا تخفی منکم خافیۃ یا تو یہ تعرضون سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کو تین دفعہ پیش کیا جائے گا۔ دو پیشیاں تو جھگڑے اور معذرت کی صورت میں ہوں گی۔ تیسری

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 167 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 119 (التجاریہ)

پیشی کے موقع پر صحائف لوگوں کو ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے کچھ دائیں ہاتھ میں انہیں لیں گے اور کچھ بائیں ہاتھ میں انہیں لیں گے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جدال دشمنوں کی طرف سے ہوگا کیونکہ وہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے ہوں گے تو وہ گمان کریں گے کہ جب وہ جھگڑا کریں گے تو نجات پا جائیں گے اور ان کی حجت قائم ہو جائے گی۔ معذرت کی پیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کے سامنے عذر پیش کرے گا اور دشمنوں کے خلاف ان کے سامنے حجت قائم فرمائے گا پھر انہیں جہنم کی طرف بھیج دے گا۔ تیسری پیشی مومنین کی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں تنہائی میں عتاب فرمائے گا یہاں تک کہ اسے حیاء آ جائے گی پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔

۲؎ یہ مومن کے لئے ہوگا۔ اس جملے کا عطف تعرضون پر ہے اس میں اس تیسری پیشی کی تفصیل ہے۔ وہ مومن خوشی سے کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔ ھاء اسم فعل ہے خذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے یوں استعمال کیا جاتا ہے ھاء یا رجل ھاءما یا رجلان ھاؤم یا رجال ھاء یا امرأۃ ھاءما یا امرأتان ھاؤن یا نسوۃ۔ یہ فیقول والا جملہ من اوتی کی خبر ہے۔ کتابیہ کس کا مفعول ہے۔ اس میں ھاؤم اور اقرءوا کا تنازع ہے۔ اس میں دوسرے فعل کو عامل بنایا کیونکہ مفعول بہ کے قریب ہے اور پہلے فعل کا مفعول بہ حذف کر دیا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو یوں کلام ہوتی اقرءوہ۔

کتابیہ، حسابیہ، مالیہ اور سلطانیہ میں ہاسکتہ کے لئے ہے جو وقف کی صورت میں ثابت رہتی ہے اور وصل کی صورت میں گر جاتی ہے کیونکہ یہ ایام خالیہ میں ثابت ہے۔ اس لئے اس پر وقف کرنا مستحب ہے۔ اسی لئے وصل کی صورت میں بھی اس ہاء کو ثابت رکھا گیا ہے۔

إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

"مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۱؎ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۲؎ عالیشان جنت میں۳؎"

۱؎ ظننت کا معنی علمت اور ایقنت ہے۔ جب حساب کا یقین ہونا اعمال صالحہ کے بجالانے کو مستلزم ہے تو اسے کنایہ کی صورت میں ذکر کیا۔ گویا یہ کہا میں نے نیک عمل کیا لیکن تواضع کی وجہ سے صراحۃ یہ نہیں کہا کہ میں نے نیک عمل کیا۔ نیز یہی وجہ ہے کہ علم کو ظن سے تعبیر کیا مقصود اللہ تعالیٰ جو عالم الغیوب ہے، کی بارگاہ اقدس میں اپنے دعویٰ علم کو نامناسب خیال کرتا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید اسے یہاں ظن کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ اعتقاد میں وہ وساوس نقصان نہیں دیتے جو دل میں کھٹکتے ہیں اور جن سے علوم نظریہ جدا نہیں ہوتے۔

انی ملاق حسابیہ یہ ظننت کا مفعول ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعثمان نہدی سے نقل کیا ہے کہ مومن کو کتاب پردے میں دی جائے گی وہ اپنے گناہ پڑھے گا اس کا رنگ بدل جائے گا۔ پھر وہ اپنی نیکیاں پڑھے گا تو اس کا رنگ واپس لوٹ آئے گا پھر وہ دیکھے گا تو اس کی برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی۔ اس موقع پر وہ کہے گا میری کتاب پڑھو۔(1)

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 410 (العلمیہ)

۲؎ قاموس میں ہے راضیۃ کا معنی مرضیۃ ہے۔ یہ فعل مجہول لایا جاتا ہے: رَضِیَتِ العِیْشَۃُ یہ کہا جاتا ہے۔ رَضِیَتِ العِیْشَۃُ نہیں کہا جاتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسم فاعل کا صیغہ نسبت کا معنی دے رہا ہے یا فعل کی نسبت مجازاً زندگی کی طرف کر دی۔

۳؎ جار مجرور ظرف مستقر ہے۔ فعل یا شبہ فعل اس سے پہلے محذوف ہوگا۔ عالیہ کا معنی بلند ہے یا تو معنی یہ ہوگا اس کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوگا کیونکہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہے یا یہ جنت بلند جگہ واقع ہے کیونکہ یہ آسمان میں ہے یا اس کا درجہ، مکانات اور درخت بلند ہیں۔ جب درختوں کی بلندی یہ وہم دلاتی ہے کہ اس کے پھل بہت دور ہوں گے اور ان کا حصول آسان نہیں ہوگا تو اس کے بعد ایک اور صفت ذکر کی۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝

"جس کے خوشے جھکے ہوں گے ۱؎ (اور ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے ۲؎ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیے گزشتہ دنوں میں ۳؎"

۱؎ قطوف سے مراد پھل ہیں۔ یہ قطف کی جمع ہے دانیۃ کا معنی قریب ہیں یعنی ان کا کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے لینا ممکن ہے۔

۲؎ ھنیاً یہ اکلا اور شربا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ ھنیی ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال کرنے کے بعد کسی قسم کی مشقت اور تھکاوٹ اور بدہضمی نہ ہو یا یہ اپنے فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ یہ جملہ قول مقدر کے بعد خبر کے بعد خبر ہے یہاں جمع کی ضمیر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لائی گئی ہے، یعنی ان جنتیوں کو کہا جائے گا کہ کھاؤ اور پیو یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے، یعنی انہیں جنت میں کہا جائے گا بما اسلفتم یہ کلوا و اشربوا کے متعلق ہے اور اس میں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوگا۔ یہ بات انہیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے کہی جائے گی جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں سلف سے مراد گزر جانے والی شے ہے۔

ایام خالیہ سے مراد دنیا کے گزرے ہوئے دن ہیں۔ زمان و مکان میں سے خالی اسے کہتے ہیں جس میں کوئی کام کرنے والا نہ ہو۔ خالی زمانہ اس وقت کو کہتے ہیں جب اس زمانے میں رہنے والا کوئی نہ رہے گزرنا اور چلے جانا اسے لازم ہے۔ اس وجہ سے ماضی کو خالی سے تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝

"اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے کاش مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل ۱؎"

۱؎ اس سے مراد کافر ہے جس کا بایاں ہاتھ پشت کی طرف کیا جائے گا جس کے ساتھ وہ اپنی کتاب پکڑے گا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا بایاں ہاتھ پشت پر موڑ دیا جائے گا پھر اسے کتاب دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا بایاں ہاتھ سینے سے کھینچ کر پیچھے کیا جائے گا(1) تو وہ اپنے اعمال کی قباحت اور برے انجام کو دیکھ کر کہے گا ہائے کاش مجھے کتاب نہ دی جاتی۔ حرف یا کے بعد منادی محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یاقوم لیتنی لم اوت کتابیہ۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝

"اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے ۱؎ اے کاش موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا ۲؎ آج میرا مال میرے کسی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریہ)

کام نہ آیا۔³"

1۔ ما حسابیہ جملہ استفہامیہ لم ادر کا مفعول بہ ہے۔

2۔ ھا ضمیر کا مرجع نفخہ ہے یا اس کا مرجع مذکور ہی نہیں۔ معنی یہ ہوگا اے میری قوم ہائے کاش وہ موت جو مجھ پر دنیا میں گزری یا وہ حالت جس میں میں اب ہوں وہ میرا معاملہ ختم کرنے والی ہوتی اور مجھے بعد میں زندہ نہ کیا جاتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اب موت کی تمنا کرتا ہے جبکہ دنیا میں موت سے بڑھ کر اس کے لئے ناپسندیدہ چیز کوئی نہ تھی(1)۔ ان دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف اس لئے ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں جملوں کا معنی ایک ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے جملے میں حساب نہ ہونے اور کتاب نہ دیئے جانے کی تمنا ہے جبکہ معنی کے اعتبار سے یہ دوبارہ نہ اٹھائے جانے کی تمنا کے لئے کنایہ ہے جبکہ دوسرے جملے میں دوبارہ نہ اٹھائے جانے کی تمنا کی صراحت ہے۔

3۔ اس میں ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کا معنی دیتا ہے اور اغنی کا مفعول ہے، یعنی جو کچھ میرا ہے اس نے مجھے کوئی نفع نہ دیا وہ مال ہو یا خدام۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾

"میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی 1۔ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو 2۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو 3۔"

1۔ سلطانیہ سے مراد میری بادشاہت اور میرا غلبہ لوگوں سے ختم ہوگیا یا وہ میری دلیل جاتی رہی دنیا میں جس کے ذریعے میں لوگوں پر غلبہ پاتا تھا۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے مالیہ اور سلطانیہ میں وصل کی صورت میں ھاء کو حذف کیا جبکہ باقی قراء نے وصل اور وقف دونوں صورتوں میں ھاء کو ثابت رکھا ہے۔

2۔ جہنم کے داروغوں کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پکڑ لو اور اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ دو۔

3۔ پھر اسے جہنم میں داخل کر دو۔ ثم کا لفظ دونوں عذابوں کی شدت میں فرق بیان کرنے کے لئے ہے۔ حصر کے لئے مفعول کو مقدم کیا ہے یعنی اسے کسی چیز میں داخل نہ کرو مگر جہنم میں داخل کرو جحیم سے مراد بڑی آگ ہے۔

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

"پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو 1۔"

1۔ فاسلکوا میں فاء زائدہ ہے اور نظم کلام کو حسین بنانے کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ یہ عاطفہ نہیں اگر عاطفہ ہوتی ہو پھر معطوف اور معطوف علیہ کا جمع ہونا لازم ہوتا۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ زنجیر اس کی دبر میں داخل کی جائے گی اور اس کے ناک سے نکالی جائے گی اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی نقل کیا ہے کہ اس زنجیر کو اس کی سرین سے داخل کیا جائے گا پھر منہ سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریہ)

نکالا جائے گا پھر انہیں اس زنجیر میں پرو دیا جائے گا جس طرح ٹکڑی کو سلاخ میں پرو دیا جاتا ہے پھر اسے آگ پر بھونا جائے گا۔ نوف بکالی شامی نے کہا وہ زنجیر ستر گز لمبی ہوگی۔ ہر ذراع ستر باع کا ہوگا اور ہر باع یہاں سے مکہ تک ہوگا۔ اس وقت وہ کوفہ کے میدان میں تھے۔ ہناد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا ہے کہ سفیان نے کہا ہر ذراع ستر ذراع کے برابر ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس ذراع سے کونسا ذراع مراد ہے (1)۔ میں کہتا ہوں یہ جہنم کے داروغوں میں سے ایک فرشتے کا ذراع ہو یا جہنم میں کافر کا ذراع ہو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں کافر کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی تین دن کی مسافت جتنی ہوگی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع انداز میں نقل کیا ہے۔

امام احمد، امام ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سر کی کھوپڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس زنجیر کا اتنا گولا آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے جبکہ آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے تو وہ زمین تک رات سے پہلے پہنچ جائے۔ اگر اس زنجیر کا سرا جہنم میں لٹکایا جائے تو جہنم کی گہرائی تک پہنچنے تک اسے چالیس سال لگ جائیں (2)۔ ابن مبارک نے کعب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس زنجیر کا ایک حلقہ دنیا کے تمام لوہے کے برابر ہے۔ ابو نعیم نے محمد بن منکدر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اگر دنیا کا تمام لوہا جمع کر دیا جائے تو جہنم کی اس زنجیر کے ایک حلقہ کے برابر نہ ہوگا۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿۳۳﴾ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿۳۴﴾

"بے شک یہ بد بخت ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے [1] اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی [2]"

[1] یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس عذاب کے سبب کو بیان کرتا ہے۔ عظیم کا ذکر اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عظمت کا مستحق ہے۔ جو اس کے علاوہ اپنے آپ کو بڑا جانتا ہے وہ عذاب کا مستحق بن گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبر میری چادر ہے، عظمت میری ازار ہے جس نے ان میں کوئی ایک بھی چھیننے کی کوشش کی میں اسے جہنم میں داخل کروں گا اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (3)۔

[2] یہ دوسروں کو بھی اسے کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا، چہ جائیکہ وہ اپنا مال خرچ کرے۔ حض کا ذکر یہ شعور دلانے کے لئے ہے کہ جو برانگیختہ نہیں کرتا اس کا یہ حال ہے اور جو عمل نہیں کرتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ کفار کو بھی فرعی اعمال میں عذاب دیا جائے گا۔ شاید ان دو امروں کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کہ قبیح ترین عقیدہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور قبیح ترین اخلاق بخل اور دل کی سختی ہے۔

فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـٴُـوْنَ ﴿۳۷﴾

"پس آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں [1] اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے [2] جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطاکاروں کے [3]"

[1] اس میں فاء سببیہ ہے۔ الیوم اور ھھنا دونوں ظرف مستقر ہیں۔ حمیم کا معنی قریبی ہے جو حمایت کرے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 121 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 92، حدیث: 5110 (الفکر)

ے الا من غسلین یہ استثناء مفرغ ہے اور طعام کی صفت ہے لا زائدہ ہے اور قصر اضافی ہے۔ غسلین سے مراد جہنمیوں کی پیپ وغیرہ ہے یہ غسل سے فعلین کے وزن پر ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہا غسلین سے مراد جہنمیوں کی پیپ ہے۔ ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ایسا درخت ہے جسے جہنمی کھائیں گے (1)۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ غسلین کیا ہے لیکن میرا گمان ہے کہ اس سے مراد زقوم ہے۔

ے خاطئون فاعل کے محل سے استثناء مفرغ ہے۔ یہ جملہ غسلین کی صفت ہے۔ اس سے مراد گناہگار لوگ ہیں۔ یہ خطی الرجال سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے جان بوجھ کر گناہ کیا یہ خطأ سے مشتق نہیں جو صواب کی ضد ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۴۰﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے [1]۔ بے شک یہ قول ہے عزت والے رسول کا [2]''

ل قسم اس لئے نہیں اٹھاتا کیونکہ معاملہ ظاہر ہے اور اس لئے بھی کیونکہ وہ قسم کے ذریعے ثابت کرنے سے مستغنی ہے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ لا زائدہ ہے اور اس کا معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یا لا الگ کلام ہے اور اقسم الگ کلام ہے۔ معنی یہ ہوگا بات اس طرح نہیں جس طرح کفار کہتے ہیں کہ حضور ﷺ قرآن اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں یا وہ شاعر اور کاہن ہیں یا بعث اور دوبارہ اٹھانا نہیں ہوگا۔ یہ سب غلط ہے اور میں قسم اٹھاتا ہوں ان کی جنہیں آنکھ یا بصیرت سے دیکھتے ہو جیسے مظاہر قدرت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے معانی اور ان کی بھی قسم اٹھاتا ہوں جن کا آنکھیں اور بصیرتیں ادراک نہیں کر سکتیں جیسے صفات کے مراتب اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایک قول یہ کیا گیا ما تبصرون سے مراد دنیا ہے اور مالا تبصرون سے مراد آخرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ما تبصرون سے مراد اجسام اور مالا تبصرون سے مراد ارواح ہیں یا ماتبصرون سے مراد انسان اور مالا تبصرون سے مراد ملائکہ اور جن ہیں یا اس سے مراد ظاہری اور باطنی نعمتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ماتبصرون سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ علوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں، جنوں اور انسانوں پر ظاہر کیا اور مالا تبصرون سے مراد وہ علوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے اور کسی کو بھی اس پر مطلع نہیں کیا۔

ے قرآن رسول کریم کا قول ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاتا ہے وہ اسے اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بڑے معزز ہیں، اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات یا جبریل امین ہے۔

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ﴿۴۲﴾

''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو [1] اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو [2]''

ل وہ شاعر کا قول نہیں جس طرح تم کبھی گمان کرتے ہو۔ قلیلا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے یا ظرف ہونے کی حیثیت سے

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

منصوب ہے۔ ما زائدہ ہے قلت کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور قلیلا ما کا تعلق مابعد کلام سے ہے، یعنی تم بہت کم ایمان لاتے ہو یا بہت تھوڑا عرصہ ایمان لاتے ہو جب اس کا صدق تمہارے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ قلیل ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اکثر ایمان نہ لایا جائے جو عناد اور تعنت پر مبنی ہے کیونکہ وہ سرکشی اور عناد کی وجہ سے کامل ایمان نہیں رکھتے تھے کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قلت ایمان سے مراد ایمان کی مطلق نفی ہے جس طرح جو آدمی تیری ملاقات کے لئے نہیں آتا تو تو اسے کہتا ہے۔ قلیلا ما تاتینا یہ جملہ جملہ معترضہ ہے جو کفار کی مذمت کے لئے آیا ہے۔

2۔ اس میں لا زائدہ ہے اور اس کا مابعد ما هو کی خبر کا معطوف ہے۔ شاعریت کی نفی کے ساتھ ایمان کا ذکر اور کہانت کی نفی کے ساتھ تذکر کا ذکر کیا کیونکہ قرآن کی شعر سے عدم مشابہت واضح ہے جس کا انکار دشمنی رکھنے والا ہی کر سکتا ہے جہاں تک قرآن کا کہانت سے اختلاف ہے۔ یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے احوال اور قرآن کے معانی میں غور وفکر کرے جو کاہنوں کے احوال اور ان کے اقوال کے معانی کے منافی ہیں۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے یومنون اور یذکرون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝

" بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا 1۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں منسوب کرتا 2 تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے 3 "

1۔ تنزیل مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے جو هو ہے۔ یہ قرآن جبرئیل امین کی زبان پر رب العالمین کی طرف سے ہے جو جملہ سابقہ ہے اور مقدر سوال ما هو کا جواب ہے۔

2۔ اگر وہ ہم پر وحی کے بغیر جھوٹا بول بولتا یا قول میں تکلف اور تصنع کرتا۔ اقاویل اقوولة کی جمع ہے جو قول سے مشتق ہے جس طرح اضاحیک اضحوکة کی جمع ہے جھوٹی باتوں کو اقاویل کہتے ہیں۔

3۔ منه میں ہ ضمیر سے مراد مفتری ہے۔ بالیمین کا تعلق اخذنا کے ساتھ ہے، یعنی اس کو ذلیل کرنے کے لئے اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اس تعبیر کی صورت میں من زائدہ ہے اور یمین متشابہات میں سے ہے۔ بعض اوقات یمین کا معنی قوت اور قدرت کیا جاتا ہے کیونکہ ہر شے کی قوت اس کے دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے ہم اسے قوت اور قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے (1)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ لاخذنا منه میں من سببیہ ہو اور ضمیر تقول کی طرف لوٹ رہی ہو۔ معنی یہ ہے گا ہم اس کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس کو پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝

" پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل 1۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا 2 "

1۔ وتین دل میں ایک رگ ہے۔ جب وہ منقطع ہو جائے تو وہ آدمی مر جاتا ہے۔

2۔ منکم میں من بیانیہ ہے۔ احد یہ مشابہ بلیس کا اسم ہے اور من زائدہ ہے۔ عنه میں ہ ضمیر سے مراد قتل یا مقتول ہے جس نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 122 (التجاریہ)

بہتان باندھا۔ اس کا مابعد کے ساتھ تعلق ہے۔ حاجزین احد کی صفت ہے کیونکہ احد نکرہ ہے اور نفی کے تحت داخل ہے اور یہ جملہ شرط کی جزاء پر معطوف ہے جو لاخذنا ہے۔ جملہ شرطیہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ معطوف علیہ یہ جملہ ہے انہ لقول رسول کریم اور معطوف مابعد آیت ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾

''اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے [1] اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں [2]''

[1] ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ یہ متقین کے لئے نصیحت ہے کیونکہ وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت نفس کے فناء اور عین اور اثر کے زائل ہونے کے بعد ترقی کا سبب ہے کیونکہ تقویٰ کا تصور فناء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ قرآن کا تذکرہ ہونا یہ متقی کے ساتھ مختص ہے جس پر لام تخصیص دلالت کرتا ہے۔ فناء سے قبل تلاوت ابرار کے عمل میں داخل ہے۔ مقربین کے عمل میں داخل نہیں جو اپنے آپ کو نفس کے رذائل سے بچاتے ہیں۔

[2] ہم جانتے ہیں کہ تم میں جھٹلانے والے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے جھٹلانے اور نصیحت حاصل نہ کرنے پر ہم انہیں جزاء دیں گے۔

وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۵۱﴾

''اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے [1] اور بے شک یہ یقیناً حق ہے [2]''

[1] جب کفار نصیحت حاصل کرنے والے مومنوں کا ثواب دیکھیں گے تو یہ ان کے حسرت کا سبب ہوگا۔

[2] قاموس میں ہے یقین کا معنی شک کو ختم کرنا ہے۔ صحاح میں ہے یقین علم کی صفت ہے جس کا درجہ معرفت سے اوپر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم پر اس کا حمل کرنا ایسے ہی ہے جیسے زید عدل یعنی قرآن کے واضح ہونے اور اس کی دلیل کے روشن ہونے کی وجہ سے عقل مند اس پر یقین رکھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کرتا حق باطل کی ضد ہے۔ صاحب البحر المواج نے کہا یہ یقین حق ہے یقین باطل نہیں۔ یقین باطل سے مراد جہل مرکب ہے تو اس اعتبار سے یہاں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں یقین سے مراد ایسی چیز ہے جس تک کے واضح ہونے اور دلیل کے روشن ہونے کی وجہ سے عقل مند اس پر یقین کر لیتا ہے تو اس اعتبار سے یقین سے مراد حق ہے۔ اس سے مراد وہ یقین نہیں جو باطل کو بھی عام ہے جو جہل مرکب ہے۔ اس وجہ سے حق کی اس طرف نسبت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن یہاں حق کی یقین کی طرف اضافت تاکید اور توبیخ کی زیادتی کے لئے ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سے ایک ہی معنی مراد ہے۔ یہاں اضافت اپنی ہی ذات کی طرف ہے اور اضافت اس لئے کی کہ الفاظ آپس میں مختلف ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۵۲﴾

''پس (اے حبیب) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے [1]''

[1] اللہ تعالیٰ کے عظیم نام کو ذکر کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے۔ اس پر بہتان باندھنے اور نامناسب بات کرنے سے راضی

ہونے پر اس کی پاکی بیان کیجئے اور جو ان کی طرف وحی کی گئی ہے اس پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ اپنے رب کو یاد کرتے ہوئے اور اس کے حکم کی وجہ سے اس کی نماز پڑھو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں باء زائدہ ہے اور اسم کا لفظ زائد ہے۔ اس کا معنی یہ ہے اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے رکوع میں رکھ لو۔ جب سبح اسم ربک الاعلی نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے اپنے سجدوں میں رکھ لو(1)۔ اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے۔ جب تلاوت میں رحمت کی آیت پڑھتے تو توقف کرتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سوال کرتے۔ جب کوئی عذاب والی آیت تلاوت کرتے تو آپ ﷺ ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے(2)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ عون بن عبد اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں یہ تین بار کہے سبحان ربی العظیم تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ جب وہ سجدہ کرے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی تین دفعہ کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند متصل نہیں کیونکہ عون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں ملا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے جو زبان پر ہلکے میزان میں بھاری اور اللہ کو محبوب ہیں وہ سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم ہیں، متفق علیہ(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ کہا اس نے اپنے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(4)

مسئلہ:۔ رکوع اور سجدہ کی تسبیحات جمہور کے نزدیک سنت ہیں کمال کی ادنیٰ مقدار تین تسبیحات ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا واجب ہیں۔ اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی تکبیرات، قومہ میں تسمیع (ا) اور تحمید (ب)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے ان ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ اسے رکوع میں رکھ لو فرمایا امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رکوع کے مکمل ہونے کو اس کے ساتھ معلق کیا ہے جبکہ جمہور علماء امر کو ندب پر محمول کرتے ہیں، واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 36 (وزارت تعلیم)
2۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 35
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 344 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 184 (وزارت تعلیم)

(ا) جلسہ میں رب اغفرلی کے علاوہ سب میں اختلاف ہے، کسی نے بھی اس کے واجب ہونے کا قول نہیں کیا۔
(ب) سمع اللّٰہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنا۔

سورۃ المعارج

آیاتھا ۴۴ ｜ سورۃ المعارج مکیۃ ۷۰ ｜ رکوعاتھا ۲

سورۃ المعارج مکی ہے،اس میں دو رکوع اور چوالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِؕ﴿۳﴾

''مطالبہ کیا ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے [1] وہ تن لے یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں [2]۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے [3]''

[1] نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے سال الف ساکن کے ساتھ پڑھا ہے جو ہمزہ کا بدل ہے جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ نے وقف کی صورت میں بین بین پڑھا ہے۔ امام نسائی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں سائل سے مراد نضر بن حارث ہے۔ اس نے یہ کہا تھا: اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ۔ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس عذاب سے مراد بدر کا دن ہے۔ یہاں سوال سے مراد طلب کرنا ہے۔ اس معنی پر دلالت یہ ہے کہ اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کے مطابق یہ بھی احتمال ہے کہ سال، سیلان سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا وادی عذاب سے بہہ پڑی فعل ماضی اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے یا تو دنیا میں جس طرح بدر میں ان کو قتل کر دیا گیا یا آخرت میں وہ آگ کا عذاب ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سائل جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے یہ عبد الرحمٰن بن زید سے مروی ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ تو لوگوں نے پوچھا کس پر یہ عذاب نازل ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے علی الکافرین لیس لہ دافع نازل فرمایا۔ اس صورت میں سوال استفہام کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں باء عن کے معنی میں ہوگا۔ یا اسے باء کے ساتھ اس لئے متعدی کیا کیونکہ سائل اھتم کے معنی میں ہے۔ واقع عذاب کی صفت ہے۔

[2] یہ جار مجرور عذاب کی ایک اور صفت ہے یا واقع کا صلہ ہے۔ اگر سوال یہ ہو کہ عذاب کس کے بارے میں واقع ہوگا تو یہ اس کا جواب ہوگا اور لیس لہ دافع یہ عذاب کی ایک اور صفت ہوگی یا یہ بھی جواب کے زمرہ میں ہے۔

[3] یہ اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔ ذی المعارج یہ لفظ اللہ کی صفت ہے، یعنی وہ سیڑھیوں والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا اس کا معنی وہ درجات والا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد قرب کے درجات ہیں جن کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 415 (العلمیہ)

جن تک انبیاء، ملائکہ اور اولیاء ہی پہنچ سکتے ہیں یا اس سے مراد قبولیت کے درجات ہیں جن سے پاکیزہ کلمات اور عمل صالح بلند ہوتے ہیں یا اس سے مراد جنت کی سیڑھیاں ہیں اور جنت کے درجات ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجات میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے۔ فردوس ان میں سے سب سے بلند ہے جس سے جنت کے چاروں دریا بہتے ہیں۔ اس سے اوپر عرش ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ دونوں درجوں میں سو سال کی مسافت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالا خانوں والے جنتی ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق و مغرب کے افق میں چمکدار ستاروں کو دیکھتے ہو کیونکہ جنتیوں کے مراتب میں باہم فضیلت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انہیں تو انبیاء ہی پائیں گے۔ کوئی اور ان تک نہ پہنچ سکے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ لوگ اسے پائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لائے اور جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، متفق علیہ (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ آسمانوں والا ہے جسے معارج کا نام دیا کیونکہ فرشتے ان میں اوپر چڑھتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد انعامات والا ہے۔ (3)

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۟ۚ

''عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبرئیل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے ۱؎''

۱؎ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یعرج پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ مونث کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ جملہ معارج کی صفت ہے جس طرح اس جملہ میں جملہ فعلیہ اللئیم کی صفت ہے: وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي۔ اس میں رابطہ والی ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے تعرج فیھا الملئکۃ والروح یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ ان کی فضیلت کی وجہ سے اسے الگ ذکر کیا ہے یا یہ ملائکہ سے بھی بڑی مخلوق ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ روح سے مراد بشر کی روح ہے جو عالم امر سے متعلق ہے کیونکہ انبیاء اور اولیاء کی روحیں جعد اور غفلت کی پستی سے قرب اور حضور کی بلندیوں کی طرف بلند ہوتی ہیں۔

الیہ میں ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ یا اس کا عرش ہے۔ فی یوم شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر واقع کا لفظ دلالت کرتا ہے، یعنی عذاب ان پر ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ امام بیہقی نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یمان نے کہا یوم قیامت میں پچاس منزلیں ہوں گی اور ہر منزل کی مسافت ایک ہزار سال کی مسافت جتنی ہوگی۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی کسی خزانے کا مالک جب اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا مگر اس خزانے کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جاتا ہے تو اس (خزانے) سے تختے بنائے جاتے ہیں۔ پھر اس کے پہلوؤں اور پیشانی پر انہیں لگایا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان اس دن میں فیصلہ کر دے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ پھر اسے جنت کی طرف لے جایا جائے گا یا جہنم کی طرف۔ لے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 76 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 378 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 124 (التجاریہ)

جایا جائے گا۔ جو بھی اونٹوں کا مالک اپنے مال کی زکوۃ نہیں دیتا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو بلبلاتے اونٹ اس پر دوڑیں گے۔ کوئی اونٹ کا بچہ بھی مفقود نہ ہوگا وہ اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے جب ایک جماعت اس پر گزر جائے گی تو دوسری اس پر لوٹا دی جائے گی۔ یہ اس دن میں ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا اور جو بکریوں کا مالک ہوگا اور زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا وہ اسے لتاڑیں گی ان بکریوں میں کوئی سینگ مڑی، منڈی اور ٹوٹے ہوئے سینگ والی نہ ہوگی ٹکراتے سینگ سے ماریں گی اور کھروں سے روندے گی۔ جونہی پہلی جماعت گزر جائے گی اس پر دوسری لوٹا دی جائے گی۔ یہ اس دن میں سلسلہ چلتا رہے گا جس کی طوالت پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ یہ سلسلہ اس دن میں جاری رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت یا دوزخ کی راہ دکھائی جائے گی۔(1)

امام احمد، ابو یعلی، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے اس دن کے بارے میں پوچھا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے کہ وہ دن کتنا لمبا ہوتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ مومن پر بہت خفیف ہوگا یہاں تک کہ وہ دنیا میں جتنے وقت میں فرض نماز ادا کرتا تھا اس سے بھی کم وقت کا ہوگا(2)۔ میں کہتا ہوں اس تاویل کی بناء پر اس آیت اور اس آیت یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ حکم نازل فرماتا ہے اس سے کہ جبرئیل امین آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوتا ہے۔ پھر جبرئیل امین آسمان کی طرف دنیا کے ایک دن میں عروج کرتا ہے جبکہ اس کی مسافت ہزار سال کے برابر ہے پانچ سو سال اترنے کے اور پانچ سو سال اوپر چڑھنے کے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، یعنی اگر انسانوں میں سے کوئی اسے طے کرتا تو اسے پانچ سو سال لگ جاتے لیکن فرشتے اسے ایک دن بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں طے کر لیتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ دنیا میں ہوگا کہ فرشتے ایک دن میں اتنا سفر کر لیتے ہیں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کفار پر پچاس ہزار سال کا بنا دے گا(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دونوں آیتوں سے مراد قیامت کا دن ہے کہ یہ دن بعض افراد کے لئے لمبا اور بعض کے لئے مختصر ہوگا یہاں تک کہ مومنین کے لئے فرض نماز کے وقت سے بھی آسان اور مختصر ہوگا۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ امام حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف روایت نقل کی ہے کہ مومنین کے لئے یہ ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت ہوگا(4)۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے ایام تک تمام کائنات کے نظام کی تدبیر کرتا رہے گا۔ پھر دنیا کے فناء ہونے، امراء اور حکام کے امر کے انقطاع کے بعد تمام امور کی تدبیر براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 319 (قدیمی)
2۔ تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 124 (التجاریہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 416 (العلمیہ)
4۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ کے فرمان فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ میں ظرف یعرج کے متعلق ہے جس طرح سورۂ تنزیل میں یعرج کے متعلق ہے۔ پھر دو آیتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ سورۂ تنزیل میں آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک کے معاملہ کی تدبیر ایک دن میں فرماتا ہے جس میں مسافت ایک ہزار سال کے برابر ہے پانچ سو سال اترنے اور پانچ سو سال اوپر چڑھنے کے ہیں جبکہ اس آیت میں مسافت کی مدت سات زمینوں کی پستی سے لے کر سات آسمانوں کی بلندی تک ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لیث نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر کوئی انسان طبعی چال چلے تو دنیا سے عرش تک اسے پچاس ہزار سال لگیں گے (1)۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ صوفی کو جو فناء قلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ اور مشائخ کے واسطہ سے نصیب ہوتا ہے اگر کوئی انسان اسے شیخ کے جذب کے بغیر عبادات اور ریاضات کے ذریعے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اسے یہ مقام اتنے زمانے میں حاصل ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ جب کسی ایک انسان کے لئے اتنی مدت تک باقی رہنا بلکہ دنیا کا اتنے عرصے تک باقی رہنا متصور نہیں ہو سکتا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال ہے جب تک مشائخ کے توسط جو عام طریقہ ہے اور روح کا توسط جو بعض اویسی افراد کو نصیب ہوتا ہے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشش نصیب نہ ہو۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ۝ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۝ وَّ نَرٰىهُ قَرِیْبًا ۝

"ایسا صبر کیجئے جو بہت خوبصورت ہو[1] کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے[2] (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں[3]"

[1] اے محمد ﷺ جو وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے اس میں جلد بازی، اضطراب اور جزع فزع کا شعور نہ ہو اس میں فاء سببیہ ہے جو سال کے متعلق ہے کیونکہ وہ سوال سرکشی اور استہزاء کے طور پر کرتے تھے۔ اسی سے حضور ﷺ کی طبیعت تنگ ہوتی تھی۔ تو معنی یہ ہوگا آپ صبر کیجئے ان کے سوال سے تنگ نہ پڑیئے اور ان کے لئے عذاب میں جلدی نہ کیجئے۔ یا اس کا تعلق سائل کے ساتھ ہے جو نافع کی قرأت ہے۔ یا یہ بھی محذوف کے متعلق ہے جس کے ساتھ فی یوم متعلق ہے، یعنی آپ صبر کیجئے عذاب انہیں بہالے جائے گا اور اس کا وقوع قریب آچکا ہے۔

[2] کفار اسے ناممکن اور عقل سے بعید خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کا احتمال آتا بھی ہے تو احتمال ضعیف ہوتا ہے۔

[3] جب کہ ہم اسے قریب ہی واقع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں کیونکہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہو وہ قریب ہوتی ہے۔ وقوع میں قرب اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ محذوف کلام کے متعلق ہوا۔ گر وہ یعرج کے متعلق ہو تو یہ مضمر کلام کے متعلق ہوگا جس پر واقع شبہ فعل دلالت کرتا ہے۔

یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَ لَا یَسْــٴَـلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۝

"اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا[1] اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے[2] اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا[3]"

[1] مہل سے مراد پگھلا ہوا تانبہ ہے یا دوسری پگھلی ہوئی دھات یا تیل کی تلچھٹ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے فرمایا آسمان کبھی مختلف رنگوں والا ہوگا کبھی وہ پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہوگا کبھی سرخ ہوگا جس طرح تیل ہوتا ہے اور وہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 124

کمزور ہو کر پھٹ جائے گا۔

؎ عھن سے مراد مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی اون ہے کیونکہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ جب انہیں پیس دیا جائے گا اور فضاء میں اڑا دیا جائے گا تو وہ دھنی ہوئی رنگ دار اون کی طرح ہو جائے گا جبکہ اس اون کو ہوا اڑا رہی ہو۔

؎ کوئی قریبی دوسرے قریبی سے اس کا حال نہیں پوچھے گا کیونکہ وہ خود سخت مصیبت کا شکار ہوگا۔ اس جملے کا عطف اس جملے پر ہے جس کی طرف یوم کا لفظ مضاف ہے۔ براء نے ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی کسی قریبی دوست سے کسی دوست کے بارے میں محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ یا اس سے حال نہیں پوچھا جائے گا یا اختلاف قرأت مشہورہ میں نہیں اور شاذ سے تیسیر میں ذکر کیا ہے۔

يُبَصَّرُوْنَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾

''دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اپنی بیوی کو اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچا لے ؎''

؎ یبصرونھم وہ ایک دوسرے کو دکھائی دیں گے۔ یہ جملہ حمیم کی صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سوال سے مانع چیز خفا نہیں یا تو وہ اس لئے ایک دوسرے سے سوال نہیں کرتے کیونکہ ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے یا اس وجہ سے سوال نہیں کرتے کہ حال کے مشاہدہ کی وجہ سے سوال سے بے نیاز ہیں جس طرح ان کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ یا سفید ہوگا فاعل اور مفعول دونوں ضمیریں جمع کی ذکر کی ہیں کیونکہ نکرہ نفی کے تحت داخل ہے اور عموم پر دلالت کرتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قیامت کے روز ہر مخلوق جیسے جن اور انسان نظروں کے سامنے ہوں گے۔ آدمی کا باپ، بھائی، رشتہ دار اور دوستوں کو وہ دیکھے گا۔ اپنی حیثیت میں پریشان ہونے کی وجہ سے وہ کسی دوسرے سے کلام نہیں کرے گا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا یبصرونھم کا معنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جہاں تک مومن کا تعلق ہے ان کے چہرے سفید ہیں گے اور کافر کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ یود المجرم یہ یبصرونھم کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اس جملہ میں مجرم کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو مایصنع المجرم ہے یعنی مجرم دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کے بارے میں مشغول ہوگا اور تمنا کرے گا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار اور دنیا میں محبوب ترین انسان کو فدیہ کے طور پر دے دیں، چہ جائیکہ وہ اس کی حالت کا خیال کرے اور اس کا حال پوچھے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرمان لایسئل حمیم حمیما کفار کے ساتھ خاص ہوگا۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے وہ اپنے دوستوں کے بارے میں پوچھیں گے، ان کے حق میں شفاعت کریں گے۔ اس میں احادیث معنوی اعتبار سے متواتر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں کوئی بھی اپنے حق کے بارے میں اتنا جھگڑا نہیں کرتا جتنا جھگڑا مومن اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کریں گے، وہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھا کرتے تھے، متفق علیہ(2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 125 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 103 (قدیمی)

طویل حدیث میں یہ مروی ہے۔

لو یفتدی :الا جملہ وداد کا بیان ہے۔یفتدی کی ضمیر یا تو مجرم کے لئے ہے یا آرزو کرنے والے کے لئے ہے،من عذاب یہ جار مجرور یفتدی کے متعلق ہے اور عذاب کا لفظ یوم کی طرف مضاف ہے۔جمہور قراء یوم کے لفظ کو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور پڑھتا ہے۔نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ عذاب کا مفعول فیہ ہے۔

ببنیه اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر یفتدی کے متعلق ہے صاحبه کا معنی بیوی ہے فصیلة کا معنی قبیلہ ہے جن سے وہ الگ ہوتا ہے اور جو اسے مصائب میں پناہ دیتا ہے۔من فی الارض سے مراد جن و انس اور تمام مخلوقات ہے۔ثم ینجیه کا عطف یفتدی پر ہے۔ثم کے ساتھ اس کا عطف استبعاد کے لئے ہے۔

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾

"(لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی [1] نوچ لے گی گوشت پوست کو [2] وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا [3]"

[1] اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں کوئی چیز نجات نہ دے گی۔اس میں مجرم کو اس قسم کی خواہش کرنے سے جھڑکا جا رہا ہے۔

ھا ضمیر کا مرجع پہلے مذکور نہیں۔اس سے مراد وہ آگ ہے جس پر عذاب دلالت کرتا ہے۔یا ھا ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر مابعد جملہ کرتا ہے۔لظی یہ خبر ہے یا ھا ضمیر سے بدل ہے یا ضمیر قصہ ہے لظی مبتدا ہے اور اس کی خبر بعد میں ہے۔اس صورت میں نزاعة مرفوع ہوگا۔لظی کا معنی خالص آگ ہے۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ایک قول یہ کیا گیا یہ دوسرا گڑھا ہے۔اسے لظی کا نام اس لئے دیا کیونکہ وہ بھڑکتا رہتا ہے(1)۔حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے لظی، شوی، تولی، فاوعی میں امالہ کیا ہے۔ورش اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے بین بین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے مفتوح پڑھا ہے۔

[2] شوی سے مراد اطراف ہیں یعنی ہاتھ اور پاؤں یہ شواة کی جمع ہے۔سر کی جلد کو شواة کہتے ہیں۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ابراہیم بن مہاجر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی نقل کیا ہے۔اس سے مراد ایسا گوشت ہے جو ہڈی کے بغیر ہو(2)۔سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پٹھے اور ایڑی ہے۔کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ آگ تمام دماغ کو کھا جائے گی پھر وہ پہلی طرح ہو جائے گا(3)۔حفص نے عاصم رحمہما اللہ تعالیٰ سے نزاعة کو منصوب پڑھا ہے۔یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے یا حال مؤکدہ مرادف ہے یا منتقلہ ہے۔اس کی صورت یہ ہوگی کہ لظی ملتظیة کے معنی میں ہوگا جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔

[3] یہ جملہ ان کی خبر کے بعد خبر ہے یا لظی کی خبر ہے،یعنی جنہوں نے حق سے اعراض کیا اور حق سے روگردانی کی ان کو جہنم کی آگ بلائے گی آگ کہے گی اے مشرک میری طرف آ،اے منافق میری طرف آ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ کافروں اور منافقوں کو فصیح زبان میں ان کے ناموں سے پکارے گی۔پھر انہیں یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔(4)

وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا

1۔تفسیر بغوی،جلد 7،صفحہ 125 (التجاریہ) 2۔ایضاً 3۔ایضاً 4۔ایضاً

مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۱﴾

"اور مال جمع کرتا رہا پھرا سے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا۔ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل"

ا۔ اس نے مال جمع کیا اور برتن میں محفوظ کر لیا اسے اپنے پاس روک لیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کیا۔

۲۔ اگر ھلوعا سے بالفعل متصف ہونا مراد ہو تو پھر یہ حال مقدرہ ہوگا۔ اگر اس صفت کے مبدا پر مشتمل ہونا مراد ہو تو اس سے حال محققہ مراد ہوگا کیونکہ یہ طبعی امور ہیں جو نفس کے رذائل میں سے ہیں جن سے انسان بالقوۃ متصف ہوتا ہے۔ یہ جملہ ادبر کی علت ہے۔ ھلوع کا معنی ایسے امر کی حرص کرنے والا جو حلال نہیں ہوتا۔ سدی نے ابوصالح رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ھلوع کا معنی بخیل ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مضطرب ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جزع کرنے والا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تنگ دل۔ اور ھلع کا معنی حرص کی شدت اور قلت صبر ہے عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس لفظ کی تفسیر مابعد کلام کرتی ہے۔(1)

۳۔ جب تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر نہیں کرتا۔

۴۔ جب اس کے پاس مال آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا اور نہ ہی شکر بجالاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر انسان کی مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے انسان کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ متفق علیہ۔(2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے دو چیزیں اس میں جوان رہتی ہیں مال کی حرص اور عمر کی حرص۔ متفق علیہ۔(3)

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۲﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿۲۳﴾

"بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں"

ا۔ مصلین سے مراد کامل مومن ہیں مومن کامل کو مصلی سے تعبیر کیا جس طرح آیت کریمہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ میں صلوۃ کو ایمان سے تعبیر کیا کیونکہ نماز مومن کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ یہی مومن کی معراج اور دین کا ستون ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انسان جن مقامات کو حاصل کر سکتا ہے ان میں سے بلند ترین مقام نماز ہے۔ یہاں مستثنیٰ متصل ہے اگر الانسان پر الف لام جنسی یا استغراقی ہو۔ یہ لفظ میں مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ مجرم نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی کیونکہ انسان کی جنس یا اس کے ہر فرد میں حرص اور بے صبری مقدر کر دی گئی ہے مگر کامل مومن جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مستغرق ہونے، مخلوقات پر شفقت کرنے، روز جزاء پر ایمان لانے، عذاب سے ڈرنے، خواہش نفس کو مارنے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ انہیں بے صبرا پیدا نہیں کیا گیا بلکہ انہیں اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ تکلیف پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خوشی پر شکر کرتے ہیں جو جنتوں میں تکریم کا باعث ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 125 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 335 (قدیمی) 3۔ ایضاً

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے معاملہ پر تعجب ہے۔ اس کا سارا معاملہ خیر ہے۔ یہ صرف مومن کے لئے ہے۔ اگر اسے خوشی آئے تو وہ شکر گزار ہوتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے۔ اگر اسے تکلیف آئے تو وہ صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے حق میں خیر ہے (1)۔ جب یہ تاویل کی جائے تو اس آیت کا معنی اور مفہوم وہی ہوگا جو اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا معنی اور مفہوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو اگر انسان پر الف لام عہدی ہو۔ معنی یہ ہوگا مجرم جو پیٹھ پھیرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے اسے بے صبرا پیدا کیا گیا لیکن وہ مومن جو ان صفات سے متصف کیا گیا اسے اس طرح پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اسے جنتوں میں تکریم کے اہل پیدا کیا گیا ہے۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انسان خلقت میں مختلف استعدادوں پر پیدا کیا گیا ہے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن کے تعینات کے مبادی اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کی جزئیات ہیں اور کفار کے تعینات کے مبادی اسم مضل کی جزئیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ بھی سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔ تم میں سے جو دور جاہلیت میں بہترین تھے اسلام میں بہترین ہیں (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے لوگوں کو اہل بنایا جبکہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لئے لوگوں کو اس وقت اہل بنایا تھا جبکہ وہ آباء کی پشتوں میں تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

ع جب تک وہ نماز میں ہوتے ہیں تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف اور آنکھیں سجدہ گاہ پر لگی ہوتی ہیں۔ اس آیت کا بھی وہی معنی ہے جو سورۂ مومنین کی آیت کا معنی ہے: الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ کے ساتھ تکرار لازم نہیں آتا کیونکہ دوام سے مراد دائمی حضور ہے جو اس کی محافظت کرنے، نماز، اس کی شرائط، ارکان اور آداب کے فوت ہونے سے بچنے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو الخیر سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عقبہ بن عامر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ کے معنی کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو وہ دائیں، بائیں اور پیچھے متوجہ نہیں ہوتے (4)۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک ایک انسان نماز میں ہوتا ہے اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے رخ پھیر لیتا ہے (5)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے انس جہاں سجدہ کرتے ہو وہاں اپنی نظر رکھو (6)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونا ہلاکت ہے۔

فائدہ: وساوس کو دور کرنا ہو اور دل حاضر رکھنا ہو تو نظر کو سجدہ گاہ پر رکھا جائے تو اس کا بہت اثر ہوتا ہے (7)۔

وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 413 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 331 3۔ ایضاً، صفحہ 337
4۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 126 (التجاریہ) 5۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 342 (وزارت تعلیم)
6۔ سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 284 (الفکر) 7۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 76 (وزارت تعلیم)

الدِّيْنِ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۲۷ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝۲۸

"اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے اور محروم کے لئے [1] اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزاء کی [2] اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں [3] بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں [4]"

[1] حق معلوم سے مراد زکوۃ اور فرض صدقات ہیں۔ سائل سے مراد جو سوال کرتا ہے اور محروم سے مراد جو سوال نہیں کرتا۔ اس وجہ سے عموماً عطیہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ للسائل حق کی صفت کے بعد صفت ہے۔

[2] اگر انسان روز جزاء کی حقیقت کی تصدیق کرے تو انسان مصیبت میں جزع فزع نہ کرے بلکہ جزاء کی خاطر صبر کرے اور نہ ہی مال خرچ کرنے میں کوتاہی کرے بلکہ ثواب کی طلب میں مال وقف کر دے۔

[3] مشفق کا معنی ڈرنے والا کیونکہ ایمان اور تصدیق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو۔

[4] کوئی بھی اس کے عذاب سے امن میں نہیں کیونکہ اس کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۲۹ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۳۰

"اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں [1] بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں [2]"

[1] فواصل کی رعایت کرتے ہوئے لفروجهم کو مقدم کیا ہے۔ لام کا اضافہ اس لئے کیا تا کہ اسم مشتق حفظون کے عمل کو قوت حاصل ہو۔ فرج مرد اور عورت کی شرمگاہ کو کہتے ہیں۔ حفظ فرج کا معنی یہ ہے کہ خواہش نفس میں انہیں استعمال نہ کیا جائے۔

[2] یہ استثناء مفرغ ہے۔ یہاں اثبات کی صورت میں استثناء مفرغ اس لئے درست ہے کہ حفظ نفی کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور علی کا صلہ اسی طرح ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے احفظ علی عنان فرسی، یعنی وہ اپنی شرمگاہیں عورتوں پر محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں پر۔ اس صورت میں علی من کے معنی میں ہے یا یہ حال ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ تمام احوال میں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر جب وہ ان کی بیویاں ہوں یا ان کی باندیاں ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استثناء فعل منفی سے ہو جو مقدر ہو اور اس پر حفظ کا اسم مشتق دلالت کرتا ہے، یعنی وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انہیں کسی عورت پر خرچ نہیں کرتے مگر اپنی بیویوں پر ہی خرچ کرتے ہیں۔

ما ملکت ایمانهم سے مراد ان کی لونڈیاں ہیں۔ یہاں ما کا لفظ ذکر کیا ہے اور لونڈیوں کو غیر ذوی العقول کی حیثیت دی ہے (جبکہ حقیقت میں وہ ذوی العقول ہیں اور ذوی العقول کے لئے ما کا لفظ آتا ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں غیر ذوی العقول کے ساتھ شامل کیا ہے اسی وجہ سے ان کی بیع کرنا اور ان سے خدمت لینا جائز ہے۔ یہاں ما ملکت ایمانهم سے مراد لونڈیاں ہیں، غلام نہیں کیونکہ مردوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ غلام سے لواطت کریں کیونکہ اس کی حرمت ہم سورۂ بقرہ کی آیت یسئلونک عن المحیض میں سنت اور قیاس کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے سنت اور قیاس کو کتاب کی نص جو

یہاں موجود ہے پر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہاں حکم عام ہے، غلاموں اور لونڈیوں دونوں کو شامل ہے۔ ہم کہیں گے یہ حکم عام نہیں کیونکہ حالت حیض اور ظہار کی صورت میں بیوی سے بھی وطی کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ لونڈی جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہو اس سے بھی وطی کرنا جائز نہیں اس نص کی تخصیص میں خبر واحد اور قیاس سے کرنا جائز ہے۔ عورت کے لئے اپنے غلام کی شرمگاہ سے لطف اندوز ہونا جائز نہیں کیونکہ علی اور ما کے کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ما ملکت (لونڈیاں) کو مفترش (ان سے خواہش پوری کی جائے) تو بنایا جا سکتا ہے اس کے برعکس کرنا جائز نہیں یہ صورت لونڈی سے وطی کرنے میں تو بنتی ہے غلام کو اپنے اوپر قدرت دینے میں نہیں بنتی۔

فانھم غیر ملومین میں استثناء کے مضمون کی تعلیل ہے کیونکہ بیوی اور لونڈی کے ساتھ خواہش پوری کرنا اور مشروع طریقے سے متمتع ہونا ملامت کا باعث نہیں کیونکہ نسل کو باقی رکھنے کے لئے اس کا مباح ہونا ضروری ہے۔ سیاق کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جماع میں اصل حرمت ہے جس طرح ہم سورۂ بقرہ میں بیان کر آئے ہیں۔ یہ اسی صورت میں درست ہوگا جب نکاح کی شرائط پائی جائیں، وہ اس کی لونڈی ہو جس کی حرمت موجود نہ ہو، وہ حیض اور نفاس سے پاک ہو، وہ قُبل میں جماع کرے دبر میں جماع نہ کرے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ

"البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں [1]"

1۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ پس جو بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ عورتوں کی خواہش کرے وہ سرکشی میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ انہوں نے ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے جسے حلال کیا تھا وہ اس کے لئے کافی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی عورت کو دیکھے اور وہ عورت اسے اچھی لگے تو وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ اس کی بیوی کے پاس وہ کچھ ہے جو اس کے پاس ہے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (1)

مسئلہ: یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح متعہ جائز نہیں کیونکہ عورت نکاح متعہ کے ساتھ بیوی نہیں بنتی یہاں تک کہ وہ لوگ جو نکاح متعہ کو جائز سمجھتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے وراثت جاری ہونے کا قول نہیں کرتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ مشت زنی بھی حرام ہے۔ یہی علماء کا قول ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے ایک قوم کو اٹھایا جائے گا تو ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے وہ یہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اپنی شرمگاہوں سے کھیلتے تھے۔ میں کہتا ہوں اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مشت زنی کی وہ ملعون ہے۔ اسے ازدی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن عرفہ کے واسطہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ سات افراد جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا ان میں مشت زن کا بھی ذکر کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 329، حدیث 3070 (التراث الاسلامی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں 1۔ اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں 2۔ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں 3۔ یہی لوگ مکرم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں 4۔''

1۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امانات جمع کا صیغہ اور سورۂ مومنین میں واحد کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تمام جگہ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ یعنی وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور امانتیں مستحقوں کے حوالے کرتے ہیں کچھ اللہ اور بندوں کے درمیان ہیں جس طرح نماز، روزہ، غسل جنابت فرائض جو حقوق اللہ شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام کمالات جو انسان کو میسر ہیں جیسے انسان کا وجود اس کے توابع، ظاہری اور باطنی نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ جاننا اور اقرار کرنا ضروری ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں یہاں تک کہ اپنے آپ کو وہ فقیر اور ان سے خالی پائے اگرچہ اس کے پاس موجود بھی ہوں جس طرح ایک انسان مانگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے ہو تو وہ حقیقت میں ننگا ہی ہے وہ یہ بھی جانے کہ کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی ردا اور ازار (لباس) ہے کسی کو بھی اس سے جھگڑنا جائز نہیں۔ جب نعمتیں میسر ہوں تو وہ شکر بجا لائے اور جب نہ رہیں تو صبر کرے اور جزع نہ کرے اور کچھ امانتیں بندوں کے درمیان ہیں جیسے کسی کو کوئی مال امانت کے طور پر دیا، بضاعت کے طور پر دیا یا ادھار دیا تو بندے پر لازم ہے کہ ان کی پابندی کرے وہ ان وعدوں کو پورا کریں جو انہوں نے یوم میثاق کو اللہ تعالیٰ سے کئے تھے۔ اسی طرح دوسرے وعدے جو اللہ سے کئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا کہ وہ حضور ﷺ کی نعت بیان کریں اسے نہ چھپائیں اسی طرح ان وعدوں کو پورا کریں جو لوگوں کے درمیان ہیں جیسے معاملات اور معاشرت کے وعدے ان سب کو پورا کرنا واجب ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ باقی الفاظ میں شیخین کا اتفاق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اسے توڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔(1)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے جس میں ان میں سے کوئی خصلت ہے ان میں نفاق کی ایک خصلت پائی جارہی ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ نکالے(2)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن ابی الحماء سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے خرید و فروخت کی میرے ذمہ کچھ چیز باقی تھی۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں ابھی آپ کو یہاں لا کر دیتا ہوں۔ پھر میں بھول گیا تین دن بعد مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ موجود تھے تو آپ نے فرمایا تو نے مجھے تکلیف دی میں تین دنوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

2۔ حفص نے عاصم اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ سے شہادات جمع کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ گواہیاں حق کے ساتھ دیتے ہیں اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی ان میں تبدیلی کرتے ہیں اور نہ ہی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے ہیں خواہ وہ شہادت محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسے توحید و رسالت پر شہادت اہل کتاب کی۔ حضور ﷺ کی نعت پر شہادت جو

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 60، حدیث: 66 (الفکر)
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 60 (الفکر)

تورات میں موجود ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے طلوع ہونے کی شہادت، حدود کے بارے میں شہادت وغیرہ یا وہ بندوں کے حقوق کے بارے میں شہادت ہو جیسے لوگوں کے آپس میں معاملات ہوں، خواہ انہیں یہ اپنے خلاف دینی پڑے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑے وہ گواہی دیتے ہیں۔

3 وہ نماز کے اوقات، ارکان، سنن اور آداب کی رعایت کرتے ہیں اور ان چیزوں کے ضائع ہونے سے حد درجہ بچتے ہیں نماز کا مکرر ذکر کرنا اور ابتداء اور آخر میں دو مختلف صورتوں میں نماز کے ساتھ ان کی صفت بیان کرنا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ ارکان اسلام میں سے اسے دوسرے ارکان پر فضیلت حاصل ہے۔

4 مکرمون یہ اولئک کی خبر ہے۔ فی جنت ظرف ہے اور مکرمون کے ساتھ متعلق ہے۔ فواصل کی رعایت کرتے ہوئے اسے مقدم ذکر کیا ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾

”پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگتے چلے آرہے ہیں 1 ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے 2 کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے گا 3“

1 اس میں فاء سببیہ ہے اور ما استفہامیہ مبتدا ہے۔ مقصود انہیں شرمندہ کرنا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کفار کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے، آپ کا کلام سنتے، آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شرمندہ کرنے کے لئے فرمایا انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ آپ کو دیکھتے ہیں، آپ کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو کچھ آپ سے سنتے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔(1)

قبلک ظرف ہے جو مابعد کے متعلق ہے۔ مھطعین الذین کفروا سے حال ہے۔ اس کا عامل معنی فعل ہے۔ یعنی کفار تیزی سے آتے ہوئے گردنیں لمبی کئے ہوئے نظریں آپ پر جمائے ہوئے کیوں آتے ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے(2)۔ قاموس میں ہے ھطع ھطوعا و ھطعا یعنی وہ جلدی سے آیا جبکہ وہ خوفزدہ تھا نظر ایک چیز پر لگائی ہوئی تھی اس سے نظر ہٹا نہیں رہا تھا۔ اھطع مزید فیہ کا معنی اس نے گردن لمبی کی ہوئی تھی اور اپنے سر کو سیدھا کیا ہوا تھا۔

2 جار مجرور کا تعلق مھطعین شبہ فعل کے ساتھ ہے۔ عزین عز کی جمع ہے جس کا معنی جماعت ہے۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ قاموس میں ہے عزۃ جس طرح عدۃ ہوتا ہے لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں۔

3 اس میں استفہام انکاری ہے اور ان کے قول کا رد ہے جبکہ ان کا گمان یہ بھی تھا کہ دوبارہ اٹھانا محال ہے۔ وہ یہ طمع کرتے کہ اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح حضور ﷺ کہتے ہیں تو ہم ایمان اور عمل صالح کے بغیر بھی ان سے مرتبہ میں بلند ہوں گے جس طرح ہم دنیا میں تھے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 126 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ(۳۹) فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَۙ(۴۰) عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ(۴۱)

"ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں[1] پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں[2] کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں[3]"

[1] اس باطل طمع سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ اس آیت میں پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری دفعہ پیدا کرنے پر استدلال کیا جا رہا ہے اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جو وہ محال خیال کرتے تھے اس کو باطل قرار دیا جا رہا ہے۔ نیز ایمان کے بغیر جو وہ جنت میں داخل ہونے کی طمع رکھتے تھے اس کے باطل ہونے کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ہم نے انہیں گندے نطفے سے پیدا کیا پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے ان میں سے کوئی بھی چیز عزت و تکریم کے لائق نہیں اور نہ ہی عالم قدس کے مناسب ہے تو جو آدمی ایمان اور طاعت کے ساتھ اپنے آپ کو مکمل نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین نہیں کرتا وہ جنت میں داخل ہونے کا اہل نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ بسر بن جحاش سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کہ ایک روز آپ نے اپنے ہاتھ پر لعاب رکھا اس پر اپنی انگلی رکھی فرمایا اللہ تعالیٰ انسان سے کہتا ہے تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے جبکہ میں نے تجھے اس جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا اور تجھے اعتدال پر پیدا کیا پھر تو دو چادریں پہن کر چلا جبکہ زمین پر تو زور سے چل رہا تھا (تکبر کر رہا تھا) تو نے مال جمع کیا اسے خرچ کرنے سے رکے رہا۔ جب جان ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ گئی تو تو نے سچ کہا مگر اب سچی بات کہنے کا وقت کہاں رہا۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہم نے جس مقصد کے لئے انہیں پیدا کیا ہے وہ اسے جانتے ہیں(1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ تو جو آدمی علم اور عمل سے اپنے آپ کو کامل نہیں بناتا تو وہ کاملین کے مقامات کی طمع کیسے کر سکتا ہے۔

[2] ستاروں کے طلوع ہونے اور ان کے غروب ہونے کی جگہیں یا سورج اور چاند کے سال کے دنوں میں طلوع اور غروب ہونے کی جگہیں مراد ہیں۔ اس وجہ سے مشارق اور مغارب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

[3] یعنی انہیں ہلاک کر دیں اور ان سے بہتر مخلوق لے آئیں یا حضور ﷺ کو تم سے بہتر بدل عطا فرما دیں وہ مومن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔

اگر ہم انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کریں تو ہم پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ وما نحن بمسبوقین کا عطف انا لقادرون پر ہے۔ ان آیات میں رب المشارق و المغارب ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آسمان، سورج، چاند اور ستارے پیدا کرنے کی قدرت پر استدلال کیا ہے اور ہر روز سورج اور چاند کے طلوع و غروب کی جگہوں کے مختلف ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے عاجز نہ ہونے پر استدلال ہے کہ وہ ان سے بہتر بندے پیدا کر سکتا ہے اور انہیں بدل سکتا ہے۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَۙ(۴۲)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 127 (التجاریہ)

"سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے [1]"

[1] اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب تو یہ جان چکا ہے کہ ہم انہیں ہلاک کرنے پر قادر ہیں تو ان کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہم نے ان کے ساتھ استدراج (ا) کا ارادہ کیا ہے اور سخت عذاب دینے کا ارادہ کیا ہے۔ یخوضوا اور یلعبوا دونوں فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ حتی یلقوا کا تعلق ذرھم کے ساتھ ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٤﴾

"اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں [1] جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر ذلت یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا [2]"

[1] احداث کا معنی قبریں ہیں۔ یوم یخرجون، یومھم سے بدل ہے۔ سراعاً سریع کی جمع ہے جس طرح کرام کریم کی جمع ہے۔ یہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔ الی نصب یوفضون کے ساتھ متعلق ہے۔ یوفضون کا معنی ہے کہ وہ جلدی کرتے ہیں یہ حال کے بعد حال ہے۔ ابن عامر اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے (نصب) نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نون کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقاتل اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کی طرف جلدی جاتے تھے۔ اسی طرح اب وہ اپنے اعمال کی جزاء دیکھنے کے لئے جلدی جلدی میدان محشر کی طرف جائیں گے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ جھنڈے کی طرف جلدی جائیں گے، یعنی جس طرح لشکر والے اپنے اپنے جھنڈوں کی طرف جلدی جاتے ہیں۔

[2] خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ یہ بھی حال ہے۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ یعنی ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جن کا دنیا میں ان سے وعدہ کیا جاتا تھا اور وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ یہ جملہ یا تو سابقہ جملے کی تاکید ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

(ا) ظاہر میں نعمت عطا فرمائی تاکہ وہ اپنے حال میں مگن رہیں اور سرکشی میں بڑھتے رہیں تاکہ سخت سزا کے مستحق ٹھہریں (مترجم)۔

سورۂ نوح

آیاتہا ۲۸ | سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَکِّیَّۃٌ ۷۱ | رکوعاتہا ۲

سورۂ نوح مکی ہے، اس میں 2 رکوع اور 28 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

"بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا اے نوح) بروقت خبردار کر دو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔"

لے کلام کی ابتداء میں انّ کو ذکر کیا ہے۔ مقصود اہتمام کا اظہار ہے۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف بھیجنے کی قید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تمام لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کیے گئے تھے۔ جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی شانیں عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں، مجھے ایک ماہ کی مسافت پر سے رعب عطا کیا گیا، میرے لئے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنائی گئی، میری امت کا کوئی بھی فرد جہاں کہیں نماز کا وقت پائے تو وہ وہاں ہی نماز پڑھ لے، میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جبکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی، نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا، متفق علیہ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ چیزوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ باقی حدیث سابقہ حدیث کی طرح ذکر کی مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ مجھے شفاعت کا مقام عطا کیا گیا ہے بلکہ یہ ذکر کیا مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (2)

أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ میں ان مفسرہ ہے کیونکہ ارسال قول کا معنی دیتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان مصدریہ ہو اور پہلے قول محذوف ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بان قلنا له انذر۔ یہ تعبیر کرنا صحیح نہ ہوگی کہ بان انذر قومک کیونکہ اس طرح کلام غائب اور خطاب کی ضمیروں کی وجہ سے گڑبڑ ہو جائے گی۔

عَذَابٌ أَلِيمٌ سے مراد آخرت کا عذاب ہے یا طوفان ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝

"آپ نے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں لے کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 254 (الفکر)

2۔ ایضاً

اور میری پیروی کرو گے"

1 اے میری قوم کیونکہ میں واضح ڈرانے والا ہوں اس لیے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں اور تمہارے سامنے حقیقت حال واضح کرتا ہوں۔
2 اللہ سے ڈرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بارے میں میں تمہیں جو کہتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔

يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

"وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا کاش تم (حقیقت کو) جان لیتے 1"

1 یہ فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے کیونکہ ایمان اور اطاعت مغفرت کا سبب ہیں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کی میں شرط لگانا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کونسی شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی مجھے بخش دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تو جانتا نہیں کہ اسلام سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، ہجرت سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں حضور ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان زین کا آخری حصہ حائل تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ جو شرک نہیں کرتا اسے عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اس کے بارے میں لوگوں کو خوشخبری نہ دے دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں خوشخبری نہ دو وہ تکیہ کرنے لگیں گے، متفق علیہ (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اسی طرح مروی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گناہ سے بچنے کے لیے موت کے وقت یہ حدیث بیان کی، متفق علیہ۔

من ذنوبکم میں من زائدہ ہے یا تبعیض کے لیے ہے۔ یعنی تمہارے بعض گناہ بخش دیئے جو حقوق اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور تمہیں اتنی دیر مہلت دے جو ایمان اور اطاعت کی شرط کے ساتھ تمہارے حق میں لمبی مدت مقدر کر رکھی ہے۔ اس سے پہلے تمہیں سزا نہ دے بلکہ تمہیں معاف کر دے۔

مسئلہ:۔ قضاء کی دو قسمیں ہیں: قضاء مبرم، قضاء معلق۔ قضاء معلق یہ ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر فلاں نے اطاعت کی تو فلاں مدت تک اسے معاف کیا جائے گا۔ اگر اس نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر طوفان اور اس جیسے دوسرے عذاب نازل فرمائے گا۔ اگر شرط مفقود ہو اس قسم کی قضاء کا تبدیل ہونا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 76 (قدیمی) 2۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 49 (الفکر)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قضاء کو دعا ہی رد کر سکتی ہے اور نیکی ہی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ اس آیت لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ میں قضاء مبرم مراد ہے۔ وہ اجل جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کی اگر مقدر صورت میں متحقق ہو جائے تو اس کو موخر نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک قضاء مبرم کا تعلق ہے اسے تو موخر کیا ہی نہیں جاتا۔ جہاں تک قضاء معلق کا تعلق ہے اگر شرط کے متحقق ہونے کے ساتھ واقع ہو جائے تو اس کو بھی موخر نہیں کیا جائے گا اس اجل مبرم کے آنے سے پہلے مہلت اور تاخیر کے لمحات میں طاعت میں جلدی کرلو، ان معاصی کا ارتکاب نہ کرو جو عذاب کا سبب ہیں اور اجل معلق تک لے جانے والے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے اہل سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ اجل ایک ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی یہاں تک یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مقتول اپنی اجل سے مرا ہے۔ حدیث طیبہ میں جو یہ وارد ہوا کہ نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نیکی ثواب کی کثرت کے ساتھ عمر کی برکات میں اضافہ کرتی ہے اور جو کچھ ذکر کیا گیا وہ معتزلہ کے مذہب کے مشابہ ہے۔

ہم کہتے ہیں بات اس طرح نہیں بلکہ معتزلہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور قاتل کو موت کا خالق بناتے ہیں جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اہل سنت کا مذہب ہے کیونکہ اہلسنت کا یہ قول کہ اجل ایک ہے زیادتی اور کمی نہیں ہوتی وہ وہ اجل ہے جو قضاء مبرم سے ثابت ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، نہ اسے پہلے کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پیچھے کر سکتے ہیں۔ مقتول اپنی اجل مبرم پر مرتا ہے اگر چہ لوح محفوظ میں یہ معلق ہو کہ اگر اسے فلاں نے قتل کیا تو وہ مر جائے گا۔ ورنہ نہیں مرے گا لیکن اس کے بارے میں قضاء مبرم یہ ہے کہ اسے فلاں ہر صورت قتل کرے گا اور اس کے قتل کرنے سے وہ فلاں وقت ضرور قتل ہوگا۔ اس وقت کے بعد اس کے باقی رہنے کی شرط نہیں پائی گئی۔

اس وقت اس حدیث کی تاویل کی ضرورت نہیں جو ابی خزامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسے وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے، کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ جو ہم دم وغیرہ کراتے ہیں، دواء کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل دیتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے ہے(2)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کیا کہ وہ دوائی استعمال کرے گا تو دواء کے ساتھ اسے شفاء حاصل ہوگی۔

اگر تم اہل علم اور اپنی مصلحتوں میں نظر کرنے والے ہو۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کیونکہ وہ شہوات میں منہمک ہیں اس لئے انہیں موت کے بارے میں شک ہو گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام پر وحی کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب آپ کی عمر چالیس سال تھی اور طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ کو جب مبعوث کیا گیا تو اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ ایک قول کیا گیا کہ آپ کی عمر پچاس سال تھی۔ آپ کی کل عمر ایک ہزار چار سو پچاس سال تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت حق دیتے رہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کو مارتی یہاں تک کہ آپ گر پڑتے۔ وہ آپ کو مردہ سمجھ کر نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال جاتے۔ آپ دوسرے دن گھر سے باہر آتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمر لیثی سے روایت کیا ہے کہ آپ کو خبر پہنچی ہے کہ آپ کی قوم کے افراد آپ کو پکڑ لیتے، گلا گھونٹتے یہاں تک کہ آپ پر غشی طاری ہو جاتی

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 36 (وزارت تعلیم)
2۔ ایضاً، صفحہ 28

۔جب آپ کوافاقہ ہوتا تو کہتے اے میرے رب میری قوم کوبخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ پھر نافرمانیاں کرنے لگتے ۔ان کی طرف سے آپ پر معصیت شدید ہو جاتی تو آپ اگلی نسل کا انتظار کرتے ۔ بعد والی نسل پہلی نسل سے بھی بدتر ہوتی یہاں تک کہ وہ بعد میں آنے والے لوگوں کو کہہ جاتے یہ ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ بھی اسی طرح مجنون رہا ہے تو بعد والے لوگ بھی اس کی کوئی بات نہیں مانتے تھے۔تو اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

"نوح نے عرض کی اے میرے رب میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔[1] لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا ہے[2]"

[1] لیلاً ونھارا سے مراد ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ میں انہیں دعوت دیتا رہا۔

[2] کوفیوں نے دعاءی کو یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ ایمان اور اطاعت سے بھاگتے ہیں۔زیادتی کے فعل کو دعاء کی طرف منسوب کیا ہے۔یہ اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت سبب کی طرف کی جاتی ہے۔

وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾

"اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔[1] پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔[2] پھر انہیں کھلے بندوں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔[3]"

[1] جب بھی میں نے انہیں ایمان کی طرف دعوت دی تاکہ ایمان کے سبب تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنے کان بند کر لئے۔اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا تاکہ مجھے نہ دیکھیں کفر اور معاصی پر اصرار کیا اور بہت زیادہ تکبر کیا۔

[2] جھارا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ یہ دعاء کی ایک قسم ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے اور مجاھر کے معنی میں ہے یا یہ حال ہے۔

[3] کوفیوں اور ابن عامر نے انی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ثم کا لفظ دعوت کی صورتوں میں جو تفاوت (فرق) ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا کیونکہ جھار اسرار سے سخت ہے۔دونوں صورتوں کو جمع کرنا ایک صورت سے سخت ہے۔یا ثم تراخی زمانی کے لئے ہے، یعنی یہ صورتیں یکے بعد دیگرے کچھ وقت گزرنے کے بعد واقع ہوئیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾

"پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے[1] وہ برسائے گا

آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش ۲؎"

۱؎ یہ دعوتھم کا بیان ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے طویل زمانہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کی اولادیں، ان کے مال اور چوپائے ہلاک ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا(1) کفر سے توبہ کر کے، معاصی پر شرمندگی کا اظہار کر کے اور آئندہ زمانہ میں ایسے اعمال چھوڑ کر اپنے رب سے بخشش طلب کرو، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے: انه كان غفارًا یہ استغفروا کی علت ہے۔

۲؎ السماء سے مراد بارش ہے۔ حال کو محل کا نام دیا ہے۔ مدرارا یہ السماء سے حال ہے، یعنی اس کی خیر بہت زیادہ ہوگی۔ اس وزن میں مذکر اور مؤنث برابر ہوتے ہیں۔ یرسل اور اس کے معطوف استغفروا امر کے جواب میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ استغفار بارش اور دوسری دنیاوی نعمتوں کے حصول اور مصیبتوں کو دور کرنے کا سبب ہے، یا تو عموماً ایسا ہوتا ہے یا خصوصی موقع پر جہاں مصیبت کا نزول نافرمانیوں کی نحوست کی وجہ سے ہو۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے: مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔

جب یہ مصیبت درجات کے بلندی کے لئے نازل ہو تو پھر یہ معاصی کی نحوست کی وجہ سے نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ استغفار سے دور ہوتی ہے جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے ساتھ ہوا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو آتی ہیں، پھر اس سے جو نیچے درجے پر فائز ہوں، پھر اس سے جو نیچے درجے پر فائز ہوں۔ ہر ایک آدمی کو اس کے دین کے مرتبہ کے مطابق آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو اس کے دین کے مطابق اسے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ آزمائش صرف وعدہ کرنے سے دور نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے اور گناہ کے بغیر زمین پر چلے پھرے(2)۔ اسے امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں حضور ﷺ کی ایک زوجہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش نبی پر آتی ہے یا اللہ کے منتخب ولی پر۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انہیں آزمائش کی وجہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی تمہیں عطیہ کی وجہ سے خوشی نہیں ہوتی۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ قحط عام مصیبت ہے۔ اس کا تصور اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک عام لوگوں کی طرف سے گناہوں کی نحوست نہ ہو۔ استغفار عموماً بارش کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے بارش کی طلب میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ مطرف نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے ساتھ بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے اور استغفار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ آپ سے عرض کیا گیا ہم نے سنا تھا کہ آپ بارش کے لئے دعا کریں گے تو آپ نے فرمایا میں نے بارش ان چشموں سے طلب کی ہے جن کے ذریعے بارش ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ غفار ہے، وہ تم پر موسلا دھار بارش برساتا ہے۔(3)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)　　2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 411، حدیث:4023 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

''اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنادے گا تمہارے لئے باغات اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔ ۱؎ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت وجلال کی ۲؎ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ۳؎''

۱؎ عطا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ تمہارے مال اور اولاد میں اضافہ کرے گا۔ جنات کا معنی باغ ہیں، یعنی جس طرح پہلے اس کے تم پر احسانات تھے جب تم نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب نہ کی تھی اسی طرح بعد میں ایسا کرے گا۔

۲؎ ما استفہامیہ مبتدا ہے اور لکم اس کی خبر ہے۔ لا ترجون والا جملہ یہ مخاطب کی ضمیر سے حال ہے۔ عامل معنی فعل ہے۔ للّٰہ یہ وقارا سے حال ہے۔ نکرہ ہونے کی وجہ سے حال کو مقدم کیا گیا اور ذوالحال کو مؤخر کیا گیا۔ وقار کا معنی عظمت ہے جو توقیر مصدر سے اسم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت نہیں دیکھتے۔ اعتقاد کو رجاء سے تعبیر کیا ہے جو ظن کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ مقصود مبالغہ کا اظہار ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔ اس صورت میں رجاء کا معنی خوف ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا تم اللہ تعالیٰ کا حق نہیں پہچانتے اور اس کی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم عبادت میں یہ امید نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ کی جو تعظیم بجالاتے ہو وہ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا (1) یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ امید کیوں نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں عزت عطا فرمائے۔ للّٰہ یہ موقر کا بیان ہے۔

۳؎ تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا۔ پہلے عناصر، پھر مرکبات جو انسان کی غذا ہیں، پھر اخلاط، پھر نطفہ، پھر علق، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں اور گوشت بنایا، پھر روح پھونکنے کے ساتھ تمہیں ایک اور زندگی عطا فرمائی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ پھر تمہیں موت عطا کرتا ہے۔ تم میں سے جو اطاعت گزار ہوتا ہے اسے عزت عطا فرماتا ہے اور گناہگار کو سزا دیتا ہے۔ یہ جملہ ترجون کے فاعل سے حال ہے یا لفظ اللہ سے حال ہے۔ انفسی دلائل کے بعد آفاقی دلائل ذکر فرمائے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ ۱؎ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو (درخشاں) چراغ ۲؎''

۱؎ الم یہ تعجب کے اظہار سے مجاز ہے۔ کیف کلمہ استفہام ہے جو اللہ کی عظمت کو ذہن میں لانے کے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ بعد میں آنے والے جملے کے فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اسے آغاز میں اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ صدر کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ طباقا یعنی آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا نیچے اور اوپر والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے جس پر یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 128 (التجاریہ)

1 فیھن سے مراد ہے ان میں سے بعض میں چاند بنایا وہ آسمان دنیا ہے جس طرح مابعد جملہ میں ایک گھر مراد ہے۔ نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دور بنی نجار۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں سورج اور چاند کی روشنی ان سب میں ہے اور ان کی شعاعیں زمین کی طرف منعکس ہوتی ہیں(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔

سورج کو سراج سے تشبیہ دی کیونکہ سورج ہر اس چیز سے تاریکی کو دور کردیتا ہے جو اس کے مقابل آتی ہے۔ جس طرح چراغ اپنے اردگرد کے ماحول سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے۔ یہاں سورج کو چراغ سے تشبیہ دی جبکہ چراغ روشنی میں سورج سے کم ہے۔ اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ چراغ کا معاملہ سامعین کے ذہنوں میں ظاہر ہے اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس کے ساتھ اسے تشبیہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا میں یہ بتانا مقصود ہے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے کیونکہ نور دیئے سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے 1 پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا 2 اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا ہے 3 تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو 4''

1 اللہ تعالیٰ کا اسم پاک مذکور ہے ضمیر پر اکتفا نہیں مقصود اللہ نام لے کر شاہ کام ہونا ہے جو کائنات کا محبوب ہے اور یہ اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا۔ انشاء کو مجازا انبات سے تعبیر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبات کا لفظ حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ نبات مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے مگر فعل کے مصدر کے وزن پر نہیں جس طرح تبتل الیہ تبتیلا میں تبتیل مفعول مطلق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نبات مصدر نہیں بلکہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ رکھا گیا ہے یا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ فَنَبَتُّمْ نَبَاتًا کیونکہ انبات اور نبات آپس میں لازم وملزوم ہیں اس لئے ایک کا فعل اور دوسرے کا مصدر ذکر کر دیا۔

2 موت کے بعد تمہیں دوبارہ زمین میں لوٹا دے گا پھر تمہیں حشر کے موقع پر دوبارہ زمین سے نکالے گا۔ یہاں مفعول مطلق کے ساتھ فعل کی تاکید ذکر کی ہے جس طرح پہلے فعل کی مفعول مطلق کے ساتھ تاکید ذکر کی تھی۔ مقصود موت کے بعد دوبارہ اٹھانے کو ثابت کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ انسانوں کو پیدا کیا۔

3 بساطا یعنی جس میں تم ادھر ادھر جاتے ہو۔

4 فجاج فج کی جمع ہے۔ من حرف جار اس لئے ذکر کیا کیونکہ فعل اپنے ضمن میں اتخاذ کا معنی لئے ہوئے ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

''نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 129 (التجاریہ)

اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے[1] اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے[2]''

[1] حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری ان معاملات میں نافرمانی کی جن کا میں نے انہیں حکم دیا تھا۔ یہ جملہ سابقہ جملہ قال رب انی دعوت..... کی تاکید کے طور پر ہے۔ یہ بھی کہا دونوں جملوں کا معنی ایک ہی ہے کیونکہ دعا سے فرار، کانوں کو بند کرنا اور آنکھوں پر پردہ ڈال لینا یہی تو عین نافرمانی ہے یا اس کے اسباب میں سے ہے۔ اسی وجہ سے جملہ سے پہلے حرف عطف ذکر نہیں کیا اور کہا نافرمانی کرنے کے قول کو مکرر ذکر کیا ہے جبکہ سابقہ آیت میں بھی اس کا ذکر تھا۔ دوبارہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کلام اس لئے چلائی گئی تا کہ تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کا بیان ہو جبکہ یہ کلام اس لئے چلائی گئی تا کہ ان کے خلاف بددعا کی تمہید بن جائے۔

قوم کے کمزور لوگوں نے اپنے سرکش سرداروں کی اتباع کی جو اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہی چیز آخرت میں ان کے خسارہ کا سبب بن گئی۔ نافع، عاصم اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ نے وَلَدہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے وُلدہ پڑھا ہے کیونکہ یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح حزن میں دونوں لغتیں ہیں یا یہ جمع ہے جیسے اسد کی جمع اُسد آتی ہے۔

[2] اس جملے کا عطف من لم یزدہ پر ہے۔ ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے اور جمع کی ضمیر معنی کی وجہ سے آئی ہے یا اس کا عطف اتبعوا پر ہے۔ کُبَّار یہ کُبَار سے بلیغ ہے اور کُبَار کبیر سے بلیغ ہے۔ یعنی انہوں نے بڑا مکر کیا یہ ان کا دین میں حیلہ سازی کرنا تھا سرداروں کی طرف سے مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کو اذیتیں دینے پر برانگیختہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے تھے جبکہ کمزور لوگوں کا مکر یہ تھا کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کو مختلف اذیتیں دیتے تھے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ ﴿٢٣﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿٢٤﴾

''اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو[1] اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے[2]''

[1] اس جملے کا عطف مکروا پر ہے۔ بعض نے بعض سے کہا اپنے بتوں کی عبادت کو نہ چھوڑنا اور ود کو نہ چھوڑنا۔ نافع نے وُدًا پڑھا ہے جبکہ باقی نے واؤ پر زبر پڑھی ہے۔ پہلے عمومی ذکر کیا بعد میں ان بتوں کی تخصیص کر دی مقصود ان کا اہتمام کرنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن کعب نے کہا یہ صالح لوگوں کے نام ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہو گزرے ہیں۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے تو ان کی جو لوگ اقتداء کرتے تھے اور عبادت میں ان کے طریقے اپناتے تھے۔ ان کے پاس ابلیس آیا، انہیں کہا اگر تم ان کی تصویریں بنالو تو یہ تمہارے لئے زیادہ نشاط کا باعث ہوگا اور تمہیں عبادت میں شوق دلائے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر ان کے بعد ایک قوم آئی۔ انہیں ابلیس نے کہا تم سے پہلے لوگ ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے تو بعد کے لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنا شروع کر دی۔ اس طرح بتوں کی عبادت شروع ہو گئی پھر ان تصویروں کے یہ نام پڑ گئے (1)۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ بت جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی بعد میں عربوں میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 129 (التجاریہ)

بھی انہیں کی پوجا کی جانے لگی۔ ود یہ بنی کلب کا بت تھا جو دومة الجندل کے مقام پر نصب تھا۔ سواع بنی ہذیل کا بت تھا، یغوث بنی مراد کا بت تھا۔ پھر یہی بت بنی غطیف نے اپنا لیا جو جرف کے مقام پر نصب تھا۔ یعوق، بنی ہمدان کا بت تھا۔ نسر، بنی حمیر کا بت تھا جو آل ذی کلاع تھے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوموں کے دلوں میں القاء کیا کہ جن جگہوں میں وہ عبادت کیا کرتے تھے انہیں ان کے بت نصب کر دو اور ان بتوں کے نام ان افراد کے نام پر رکھ دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر ان کی عبادت نہ کی۔ جب یہ لوگ بھی مر گئے تو بعد میں ان کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان بتوں کو طوفان نے دفن کر دیا تھا اور مٹی نے انہیں چھپا دیا تھا۔ یہ اسی طرح دفن رہے یہاں تک کہ شیطان نے مشرکین مکہ کے لئے انہیں باہر نکالا۔ (1)

ل۔ قد اضلوا میں ضمیر یا تو بتوں کے لئے ہے یا قوم نوح کے رؤساء کے لئے ہے۔ جب فعل کی نسبت بتوں کی طرف ہوگی تو یہ اسناد مجازی ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ کیونکہ شیطان نے ان بتوں کے ذریعے انہیں گمراہ کیا تھا۔ یہ جملہ یا تو قالوا کے فاعل سے حال ہے یا لا تذرن کے مفعول سے حال ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے۔

ظلمین سے مراد کافر ہیں ضلالا سے مراد ہلاکت اور ضیاع ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ میں ضلال سے مراد ہلاکت اور ضیاع ہے۔ یا ضلال سے مراد خفیہ تدبیر ہے جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا یا دنیاوی فوائد مراد ہیں، یعنی اس کی طرف انہیں ہدایت نہ دے۔ اس جملہ کا عطف قال رب انهم عصونی کے مقولہ پر ہے، یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے یہ قول کیا۔ یہاں مفرد کا عطف مفرد پر ہے انشاء کا عطف خبر پر نہیں ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝۲۵

"اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا۔ پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔"

ل۔ جمہور قراء اور ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے خطیئتهم کی جگہ خطایاهم پڑھا۔ مما میں ما زائدہ ہے اور تاکید اور تفخیم کے لئے ہے۔ من سببیہ ہے اور اغرقوا کے متعلق ہے۔ معنی ہوگا ان کے گناہوں کے باعث انہیں طوفان میں غرق کر دیا گیا اور عالم برزخ میں آگ میں داخل کیا گیا عالم برزخ جسے عالم قبر کہتے ہیں کیونکہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس تعبیر کی بناء پر آیت عذاب قبر کے ثابت ہونے پر دلیل ہے کیونکہ فا تعقیب کے لئے ہے اور ادخلوا کا صیغہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جبکہ معتزلہ اور دوسرے بدعتیوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ فا، یہاں اس لئے داخل کی گئی کیونکہ انہیں غرق کرنے اور جہنم میں داخل کرنے کے درمیان کوئی اور عذاب ان کے لئے تیار نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے فاء داخل کیا گیا ہے کہ مسبب پیچھے آنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح جب سبب پایا جائے تو مسبب متحقق ہو جاتا ہے اور ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ جس چیز کا وقوع یقینی ہو وہ واقع کی طرح ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں اصل یہ ہے کہ کلام کا حقیقی معنی لیا جائے جبکہ یہ تمام تاویلات مجاز پر محمول ہیں جبکہ مجازی معنی دلیل کے بغیر جائز نہیں معتزلہ کا قول کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ بے شمار ایسی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 129 (التجاریہ)

احادیث ہیں جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اس پر اسلاف کا اجماع بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایک بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اسے دفنانے والے واپس آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ اسے بٹھاتے ہیں۔ وہ اسے کہتے ہیں تم اس ہستی پاک یعنی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے تھے۔ مومن یہ کہتا ہے آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسے کہا جائے گا جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں جنت میں تیرا ٹھکانہ بنا دیا ہے۔ وہ ان دونوں کو دیکھے گا۔ جہاں تک منافق اور کافر کا تعلق ہے اسے کہا جائے گا تم اس ہستی پاک کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا میں کچھ نہیں جانتا، میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو اسے کہا جائے گا تو خود جانتا بھی نہ تھا اور تو نے پڑھا بھی نہ تھا۔ اس لئے لوہے کے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا۔ وہ سخت چیخے گا جن وانس کے علاوہ جو بھی ہوں گے سب اس کی چیخ و پکار کو سنیں گے(1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ چاہی ہو، متفق علیہ(2)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے جب آپ کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو روتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے عرض کیا گیا آپ جنت کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نہیں روتے جبکہ قبر پر روتے ہیں۔ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی قبر میں نجات پا گیا تو بعد والا مرحلہ اس کے لئے آسان ہے، اگر اسے یہاں نجات نہ ملی تو بعد کا مرحلہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے قبر سے زیادہ ڈراؤنی کوئی چیز نہیں دیکھی اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(3)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں کافر پر ننانوے سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں جو اسے قیامت قائم ہونے تک کاٹتے اور ڈستے رہیں گے۔ اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین میں سانس لے لے تو زمین پر سبزہ نہ اگے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ننانوے کی بجائے ستر سانپوں کا ذکر کیا ہے۔ نار کی تعظیم کے لئے اسے نکرہ ذکر کیا۔ یا اس نار سے مراد جہنم کی آگ کے علاوہ اور آگ ہے۔ اغرقوا والا جملہ اپنے معطوف کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کی نافرمانی کی شکایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیا۔

یعنی وہ کوئی بھی دوسرے کو اپنا مددگار نہیں پائے گا کیونکہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو وہ واحد کا واحد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ احد نکرہ ہے، نفی کے تحت داخل ہے جو عموم کا معنی دیتا ہے۔ اس جملہ میں اشارہ کے ساتھ یہ بات کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو معبود بنا لیا ہے جو ان کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝۲۶ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۲۷

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 178 (وزارت تعلیم)
2۔ ایضاً، جلد 1 صفحہ 183
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 544، حدیث: 4267 (العلمیہ)
4۔ سنن الدارمی، جلد 2، صفحہ 238، حدیث: 2818 (المحاسن)

"اور نوح نے عرض کی اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کردیں گے تیرے بندوں کو اور نہیں جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکرگزار ہوگی ۲۔"

۱۔ اس جملے کا عطف قال نوح رب انهم عصونی پر ہے۔ الارض سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے اور اس پر الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ دیارا سے مراد کوئی گھر ہے جس میں وہ لوگ رہتے ہوں۔ یہ نکرہ ہے نفی کے تحت داخل ہے اس لئے عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں دیوار تھا پہلے واؤ کو یاء سے بدلا، پھر یاء کو یاء میں ادغام کردیا۔ جس طرح سید میں ہوتا۔ یہ فعال کا وزن نہیں۔ اگر فعال کا وزن ہوتا تو پھر یہ دوار ہوتا۔

۲۔ یہ جملہ ان کے بارے میں بددعا کی علت ہے۔ وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کریں گے، فاجر اور کافر جنیں گے۔ محمد بن کعب، مقاتل اور ربیع رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بددعا اپنی قوم کے خلاف کی جب ہر مومن ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کی رحموں سے نکالا جا چکا تھا۔ ان کے مردوں کی پشتیں عذاب سے چالیس سال پہلے یا نوے سال پہلے بانجھ ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آگاہ کیا تھا کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گی اور نہ ہی کسی مومن کو جنیں گی۔ عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جب قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کردیا۔ جھٹلانے کا فعل بچوں سے ثابت نہیں ہوتا(1)۔ اس سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ عذاب تمام زمین پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف آپ کی قوم پر آیا تھا تا کہ بغیر جھٹلانے کے عذاب نازل ہونا لازم نہ ہو۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

"میرے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے ۱۔"

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کا نام لمک بن متوشلخ تھا۔ آپ کی والدہ نام سمحا بنت انوش تھا۔ یہ دونوں مومن تھے۔ حفص اور ہشام نے بیتی کی یاء کو مفتوح جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ اس سے مراد میرا گھر ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیتی سے مراد میری مسجد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد میری کشتی ہے جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس دعا کے ساتھ ابلیس آپ کی کشتی سے نکل گیا جبکہ وہ پہلے داخل ہو گیا تھا۔ مومنین اور مومنات سے مراد قیامت تک مومن ہیں۔ ظالمین سے مراد کافر ہیں۔ تبار سے مراد ہلاکت ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں حضرت نوح کی دعا قبول فرمائی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 130 (التجاریہ)

سورۂ جن

ایاتہا ۲۸ سُورَۃُ الجِنّ مَکِّیَّۃٌ ۷۲ رکوعاتہا ۲

سورۂ معارج مکیہ ہے اس میں دو رکوع اور اٹھائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ

"آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے [1] پس انہوں نے (جاکر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، [2]"

[1] نفر کا اطلاق تین سے لے کر دس تک کے افراد پر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ نصیبین کے جنوں میں سے نو جن تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ان کی تعداد سات تھی۔ جن ذی روح اجسام ہیں جس طرح حیوان ہوتا ہے۔ یہ ذوی العقول میں سے ہیں جس طرح انسان ذوی العقول ہیں یہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں جن کہتے ہیں۔ یہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں جس طرح انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ یہ مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی۔ ان میں توالد (پیدائش) کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ شیاطین بھی جنوں کی ایک قسم ہے۔ ملائکہ کا معاملہ ان سے مختلف ہے کیونکہ وہ مذکر اور مونث نہیں ہوتے۔ جنوں، شیاطین اور ملائکہ کا وجود شرع سے ثابت ہے جبکہ فلاسفہ نے جنوں کا انکار کیا ہے۔ عقول عشرہ جنہیں فلاسفہ نے ایجاد کیا ہے وہ ملائکہ میں سے نہیں کیونکہ عقول عشرہ کو فلاسفہ مجردات کہتے ہیں جبکہ ملائکہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ ایسے اجسام ہیں جو ذی روح ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کلام کا سیاق تقاضا کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنوں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ آپ کی قرأت کے اوقات میں سے کسی وقت میں اتفاقاً حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کی تلاوت کو سنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو آپ پر وحی کی صورت میں بیان کر دیا۔ شیخین، ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں پر تلاوت نہیں کی تھی اور نہ ہی آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کی منڈی کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت شیاطین پر آسمان کی خبریں لینے پر رکاوٹ قائم کر دی گئی تھی اور انہیں شہاب مارے گئے۔ جنوں نے کہا یہ کسی خاص سبب کی وجہ سے ہے۔ اس لئے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ، دیکھو کیا واقعہ ہوا۔ وہ نکل پڑے۔ جنوں کا وہ وفد جو تہامہ کی طرف گیا تھا وہ حضور ﷺ کی طرف جا نکلا جبکہ آپ نخلہ کے مقام پر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن حکیم کو سنا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا یہی چیز تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے۔ تو وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے۔ تو کہا اے قوم ہم نے عجیب شان والا قرآن سنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی پر قل اوحی والی آیت نازل فرمائی۔ (1)

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 167 (التجاریہ)

اکثر مفسرین نے یہ کہا جب ابوطالب کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ اکیلے طائف تشریف لے گئے تا کہ ثقیف سے مدد اور حمایت حاصل کریں۔ محمد بن اسحاق نے یزید بن زیاد رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے محمد قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو بنی ثقیف کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے۔ ان دنوں وہی لوگ بنی ثقیف کے سردار اور معززین شمار ہوتے تھے۔ وہ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل مسعود اور حبیب جو عمیر کے بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کے عقد میں قریش کے خاندان بنی جمح کی ایک عورت بھی تھی۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور جس مقصد کے لئے آپ تشریف لائے کہ وہ اسلام کی مدد کریں اور آپ کی قوم کے مخالفین کے خلاف آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں۔ ان میں سے ایک نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ بیت اللہ شریف کا غلاف لباس بنائے گا۔ دوسرے نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملا تھا جسے وہ اپنا رسول بناتا۔ تیسرے نے کہا اللہ کی قسم میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا، اگر تم اللہ کے رسول ہو جس طرح تم کہتے ہو تو تم اس امر سے عظیم ہو کہ میں تجھ سے کلام کروں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہو تو مجھے آپ سے کلام کرنا اچھا نہیں لگتا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ثقیف کی طرف سے کسی بھلائی سے مطلقاً مایوس ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا جو کچھ تم نے کیا وہ کیا، اسے مخفی رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ناپسند کیا کہ یہ خبر آپ کی قوم تک پہنچے کیونکہ یہ ان کی بے باکی میں اضافہ کر دے گی۔ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ انہوں نے قوم کے بے وقوفوں اور اپنے غلاموں کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ آپ کو گالیاں دیں اور آپ پر آوازے کسیں یہاں تک کہ بہت سارے لوگ جمع ہو گئے اور آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جو عتبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا جو ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود تھے۔ بنو ثقیف کے سفہاء اور دوسرے لوگ واپس چلے گئے۔ آپ نے انگور کے درخت کے سایہ کا قصد کیا۔ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے جبکہ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے اور بنو ثقیف کے بے وقوفوں سے جو آپ کو تکلیف پہنچی تھی۔ وہ بھی سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حضور ﷺ بنی جمح کی اس عورت سے بھی ملے تھے اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے رویہ کی بھی شکایت کی تھی۔ جب حضور ﷺ مطمئن ہو گئے تو عرض کی اے اللہ میں اپنی قوت کی کمزوری، تدبیر کی کمی اور لوگوں پر اپنے ضعیف ہونے کی تیری بارگاہ اقدس میں شکایت کرتا ہوں۔ تو ارحم الراحمین ہے، تو کمزوروں کا رب ہے، تو میرا بھی رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا کسی اجنبی کے سپرد کر رہا ہے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا دشمن کے سپرد کر رہا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ تیری عافیت میرے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جس کے باعث تاریکیاں چھٹ گئیں اور دنیا و آخرت کے امور درست ہو گئے اس سے کہ تیری ناراضگی مجھ پر آئے یا تیرا غضب مجھ پر نازل ہو۔ تجھے ناراض ہونے کا حق ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ۔

جب ربیعہ کے بیٹوں نے یہ منظر دیکھا تو رحمت کے جذبات آپ کے لئے متحرک ہوئے۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کا نام عداس تھا۔ اس سے کہا انگور کا ایک گچھا لو، اس برتن میں رکھو، پھر اسے اس آدمی کے پاس لے جاؤ، اسے کہو کہ وہ اسے کھا لے۔ عداس نے اسی طرح کیا پھر اسے لایا اور آپ کے سامنے رکھ دیا جب وہ رکھ چکا تو حضور ﷺ نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا بسم اللہ، پھر اسے کھایا۔ عداس آپ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم یہ کلام یہاں کے لوگ نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کس علاقہ کے رہنے والے ہو اے عداس اور تمہارا دین کیا ہے؟ تو عداس نے جواب دیا میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس شہر کا رہنے والا ہے جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا شہر تھا تو عداس نے پوچھا آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کس نے بتایا؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ میرا بھائی تھا، نبی تھا، میں بھی نبی ہوں۔ عداس آپ پر جھک گیا، آپ کے سر، ہاتھ اور قدم چومے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا تیرے غلام کو بھی اس نے خراب کر دیا۔ جب عداس اپنے مالکوں کے پاس گیا تو دونوں نے اس سے کہا تو ہلاک ہو، تو کس لئے اس آدمی کو، اس کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہا تھا؟ تو عداس نے کہا اے میرے آقا روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں، اس نے مجھے ایسی باتوں کے بارے میں بتایا ہے جنہیں نبی کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ مالکوں نے اسے کہا اے عداس تو ہلاک ہو، وہ تجھے تیرے دین سے پھیر نہ دے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہت بہتر ہے۔ جب آپ ﷺ طائف کی بھلائی سے مایوس ہو گئے تو آپ مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ واپسی پر نخلہ کے مقام پر قیام کیا۔ رات کو نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے قرآن حکیم سنا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ اپنی قوم کی طرف چلے تاکہ انہیں خبردار کریں جبکہ یہ ایمان لا چکے تھے اور جو سنا تھا اس کو تسلیم کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ سے حضور ﷺ کو باخبر کیا۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصفوۃ میں اپنی سند سے سہل بن عبداللہ سے نقل کیا ہے میں زراع کے علاقہ میں تھا کہ میں نے ایک ایسا شہر دیکھا جو پہاڑ کو کھود کر بنایا گیا تھا۔ اس کے درمیان پتھر کا بنا ہوا محل تھا جس میں جن رہتے تھے۔ میں اس میں داخل ہوا تو وہاں ایک عظیم الجثہ شیخ کعبہ کی طرف منہ کئے نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر اون کا ایک جبہ تھا جس میں بڑی صفائی تھی۔ میں اس کے عظیم الجثہ ہونے سے اتنا متعجب نہیں ہوا جتنا متعجب اس کے جبہ کی صفائی سے ہوا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا اے سہل بدن کپڑوں کو بوسیدہ نہیں کرتے گناہوں کی بدبو اور حرام خوری اسے بوسیدہ کرتی ہے۔ یہ جبہ سات سو سال سے میں نے زیب تن کیا ہوا ہے۔ اسی میں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ سے ملا تھا۔ میں ان دونوں پر ایمان لایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں ان میں سے ہوں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک جماعت نے کہا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ جنوں کو ڈرائیں اور اللہ کی طرف دعوت دیں، انہیں قرآن پڑھ کر سنائیں۔ نینوی کے جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ آج رات میں جنوں کو قرآن سناؤں، تم میں سے کون میرے ساتھ جائے گا تو صحابہ نے اپنے سر جھکا لئے۔ پھر آپ نے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ساتھ ہو لئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ بالائی مکہ میں پہنچے تو حضور ﷺ ایک گھاٹی میں داخل ہو گئے جسے شعب حجون کہتے ہیں آپ نے میرے لئے ایک خط کھینچا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھ جاؤں۔ آپ نے فرمایا جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آؤں اس سے نہ نکلنا۔ پھر آپ چلے گئے یہاں تک کہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنے لگے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ گدھوں جیسے جانور اتر رہے ہیں۔ میں نے سخت شور و غل بھی سنا مجھے حضور ﷺ کے بارے میں خوف ہوا۔ پھر سیاہ پرچھائیاں سی چھا گئیں جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو گئیں یہاں تک کہ میں آپ کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ پھر جس طرح بادل بکھرتے ہیں وہ پرچھائیاں ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگیں۔ حضور ﷺ فجر کی نماز کے وقت فارغ ہوئے تو آپ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے پوچھا کیا تو سو گیا تھا؟ میں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میں نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد طلب کروں یہاں تک کہ میں آپ کی آواز سنتا کہ آپ اپنے عصا کو کھٹکھٹاتے اور فرماتے بیٹھ جاؤ۔ فرمایا اگر

آپ اس دائرے سے باہر آتے تو مجھے خوف تھا کہ ان میں سے کوئی تجھے اچک لیتا۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ میں نے عرض کی ہاں میں نے ایسے سیاہ رنگ کے لوگ دیکھے تھے جن پر سفید کپڑے تھے۔ آپ نے فرمایا وہی نصیبین کے جن تھے۔ انہوں نے مجھ سے زادراہ کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے ان کے لئے موٹی ہڈی، لید اور مینگنیاں معین کر دی ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ اسے آلودہ کر دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہڈی اور گوبر وغیرہ سے استنجاء کرنے سے منع کر دیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ انہیں کیا فائدہ دے گا۔ فرمایا وہ کوئی ہڈی نہیں پائیں گے مگر اس پر گوشت ملے گا۔ وہ گوبر نہیں پائیں گے مگر اس سے وہ دانے پائیں گے جن سے گوبر بنتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے بہت زیادہ شوروغل سنا تھا۔ فرمایا جنوں میں ایک مقتول کے بارے میں جھگڑا تھا۔ انہوں نے میرے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا۔ میں نے ان میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا پھر رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے۔ پھر میرے پاس تشریف لائے فرمایا کیا تیرے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس برتن میں نبیذ ہے۔ آپ نے وہی طلب کی۔ میں نے آپ کے ہاتھوں پر اسے انڈیلا۔ آپ نے وضو کیا، فرمایا یہ عمدہ کھجور ہے اور پاک کرنے والا پانی ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے عامر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہا میں نے علقمہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کو حضور ﷺ کے ساتھ تھے؟ تو علقمہ نے کہا میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ کیا لیلۃ الجن کو تم میں سے کوئی حضور ﷺ کے ساتھ تھا تو کہا ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ہمارے درمیان سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔ ہم نے آپ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہم نے کہا آپ کو کوئی چیز اڑا کر لے گئی ہے یا آپ کے ساتھ کوئی دھوکہ ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا وہ رات مسلمانوں کے لئے بدترین رات تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جنوں کا داعی میرے پاس آیا۔ میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ پھر حضور ﷺ ہمیں ساتھ لے کر گئے اور ہمیں جنوں اور آگ کے آثار دکھائے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جنوں نے حضور ﷺ سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ یہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے ہر وہ ہڈی خوراک ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ وہ ہڈی تمہارے ہاتھ لگے تو اس میں تمہارے لئے گوشت ہو گا اور یہ مینگنیاں تمہارے جانوروں کے لئے چارہ ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان دونوں چیزوں کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جاٹ قوم کے لوگوں کو دیکھا تو کہا کہ لیلۃ الجن کو میں نے جن جنوں کو دیکھا تھا یہ ان کے مشابہ ہیں۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جنوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآن اس وقت سنا تھا جب آپ ﷺ عکاظ کی منڈی میں جا رہے تھے اور طائف سے واپس آ رہے تھے۔ یہ پہلا واقعہ تھا۔ اسی کا ذکر قل اوحی الی میں ہوا ہے۔ جہاں تک لیلۃ الجن جس کا ذکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا وہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ احقاف کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نخلہ کے مقام پر جب جنوں نے حضور ﷺ سے قرآن کو سنا تو ان میں سے ایک جماعت نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے اور انہیں خبردار کیا تو ان کی دعوت کی وجہ سے ستر جن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور بطحاء میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا انہیں کچھ چیزوں کا حکم دیا اور کچھ چیزوں سے انہیں منع کیا۔ خفاجی نے ذکر کیا ہے کہ یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جنوں کے وفد چھ دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نیز اس امر پر بھی دلالت موجود ہے کہ حضور ﷺ جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ سے پہلے کوئی بھی نبی جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا (1) واللہ اعلم۔

۲ جب وہ جماعت اپنی قوم کی طرف لوٹی تو کہا ہم نے ایسا کلام سنا ہے جو انوکھا ہے اور مخلوق کی کلام سے مختلف ہے۔ عجبا مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے مصدر کے ساتھ قرآن کی صفت ذکر کی گئی ہے۔

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝

"راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا"

۱ـ الرشد کا معنی حق اور صواب ہے۔ یہاں اس سے مراد توحید اور احسان ہے عقل اور دلیل بھی اس کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ جملہ قرآن کی دوسری صفت ہے۔ بہ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک سے کیونکر منع کیا ہے۔ اس لئے ہم مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝

"اور بے شک ۱ اعلیٰ وارفع ہے ہمارے رب کی شان ۲ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا ہے"

۱ـ ہ ضمیر گزشتہ آیت میں لفظ رب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یا یہ ضمیر شان ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابوعمرو اور شعبہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِنَّهٗ پڑھا ہے۔ اس کا عطف قالوا کے مقولہ پر ہے، یعنی انا سمعنا پر اس کا عطف ہے اور انا منا المسلمون تک گیارہ مواقع پر یہ اسی طرح ہے۔ یہ امر تو ظاہر ہے تاہم آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ میں متکلم کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وانهم ظنوا کی ظننتم میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے تین مواقع پر اَنّ کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ انه استمع نفر من الجن، انه تعالى جد ربنا اور وانهم ظنوا کیونکہ یہ ان باتوں میں سے ہیں جو حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئیں۔ باقی جو نو مواقع ہیں وہاں اِنّ پڑھا ہے کیونکہ اِن کا تعلق قول کے ساتھ ہے۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تمام مواقع پر اَنّ پڑھا ہے۔ مفسرین نے ان قراتوں کی توجیہ میں کہا کہ ان کا عطف انه استمع پر ہے جبکہ یہ صرف تین مواقع میں درست ہے جس کا ذکر ابوجعفر رضی اللہ عنہ نے کیا باقی میں درست نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان کا عطف امنا به کے جار مجرور کے محل پر ہے، یعنی ہم نے تصدیق کی کہ ہمارے رب کی عظمت عظیم ہے۔ یہ بھی بعض مواقع پر درست ہے جس طرح ظاہر ہے۔ اگر یہ متواتر قراتیں نہ ہوتیں تو ہمیں ان کی توجیہ کے تکلفات کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن یہ متواتر ہیں اس لئے یہ تکلف ضروری ہے۔

۲ـ تعلى جد ربنا یہ جملہ اَنّ کی خبر ہے۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے۔ مقصود اس کی ربوبیت کی وضاحت ہے کیونکہ اس کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے کہ اس کی عظمت اور شان جن کی وہ پرورش کر رہا ہے ان سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ یہاں جد سے مراد اس کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 42-140 (التجاریہ)

جلال اور عظمت ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اسی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی آدمی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو اس کی قدر ہم میں بڑھ جاتی۔ سدی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا جد کا معنی امر ہے۔ حسن رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی غناء ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی قدرت ہے۔ ضحاک رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی فعل ہے۔ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر نعمتیں ہیں۔ اخفش رحمتہ اللہ علیہ نے کہا جد کا معنی ملک ہے۔(1)

سے یہ خبر کے بعد خبر ہے گویا یہ اس کی تاکید اور اس کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کسی کو بیوی بنانے اور بیٹا بنانے سے بلند و بالا ہے جس طرح ان لوگوں کی شان ہے جن کی پرورش کی جارہی ہے۔ گویا انہوں نے قرآن حکیم کا ایک ایسا حصہ سنا جس نے انہیں ان کی ایسی خطاء پر آگاہ کیا جس کا عقیدہ میں وہ ارتکاب کرتے تھے جیسے عبادات میں شرک، بیوی اور بچے کو اس کی طرف منسوب کرنا۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًاۙ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًاۙ

"اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے ل اور ہم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ۲"

ل سفیہ سے مراد جاہل ہے۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد سرکش جن ہے۔ شططا ترکیب کلام میں قولا مصدر محذوف کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ اس کا معنی دوری ہے یعنی ایسی بات کی جو اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت ہی بعید ہے۔ یا اس کا معنی حکم میں ناانصافی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا ہے۔ قاموس میں ہے شط علیه فی حکم یعنی اس پر ظلم کیا مقدار اور حد سے تجاوز کیا اور حق سے دور ہوا۔ یعنی سفیہ اللہ تعالیٰ پر ناحق بات کرتا۔ ناحق فیصلہ کرتا یہاں اس سے مراد بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے۔

۲ سفیہ کی جو وہ پیروی کرتے رہے اس پر معذرت کر رہے ہیں کیونکہ جن یہ گمان کرتے تھے کہ ان کا سردار اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولے گا۔ کذبا یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ جھوٹ بھی قول کی قسم ہے۔ یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہ تقول کا مقولہ ہے۔ یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور کذبا اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ابوجعفر رحمتہ اللہ علیہ نے اسے باب تفعل سے تقوّل پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول مطلق ہوگا کیونکہ تقول کا معنی جھوٹ ہوتا ہے۔ ظننا کے بعد ان مصدریہ ہے یا مخففہ ہے۔ دونوں آیتوں کا معنی یہ ہوگا کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمارے سردار کی بات حق سے دور ہے اور وہ حکم میں ظلم کرنے والا ہے اور ہم جو یہ گمان کرتے تھے کہ جن جھوٹ نہیں بولتا وہ باطل تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جن آسمان میں ایسی جگہوں پر بیٹھتے جہاں سے وہ فرشتوں کی آوازیں سن لیتے وہ فرشتوں کی تسبیح اور دوسرے کلام کو سننے کے باوجود ان کے اپنے سردار کی اتباع اور ان کے اس گمان کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے کہ جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ اکثر فرشتوں کا کلام سنتے رہے اور ایمان نہ لائے جبکہ انہوں نے ایک دفعہ حضور ﷺ سے قرآن حکیم سنا تو ایمان لے آئے، اس کی کیا توجیہ ہوگی۔ میں اس کا جواب یہ دوں گا ایمان وہبی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اس عطیہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 132 (التجاریہ)

خداوندی کا حصول واسطہ سے ہی ممکن ہے جو واسطہ اپنی عظیم الشان استعداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت معنویہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ سے فیض کو حاصل کرے اور مخلوقات کے ساتھ صوری مناسبت کی وجہ سے مخلوقات پر اس کا فیضان کرے یہ واسطہ انبیاء ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معنوی مناسبت ہے کیونکہ انبیاء کے تعین کا مبداء اور مربی اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں۔ نیز انبیاء کو نزول کے مراتب میں کمال کی وجہ سے مخلوقات کے ساتھ صوری مناسبت ہوتی ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو فرشتوں جیسی مناسبت حاصل ہے مگر انہیں مخلوقات کے ساتھ مناسبت نہیں کیونکہ وہ بہت بلند ہیں اور انہیں نزول کے مراتب حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے جن ان سے متاثر نہ ہوتے فرشتوں سے اگرچہ انہوں نے ہدایت کے کلمات سنے پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ انہیں سرکش جنوں اور شیاطین کے ساتھ کامل مناسبت تھی۔ اس لئے ان سے متاثر ہوتے۔ اسی طرح لوگ ان انبیاء سے متاثر نہ ہوتے جو نزول کے مراتب میں کمال پر فائز نہ تھے جبکہ حضور ﷺ سے لوگ متاثر ہوتے کیونکہ آپ بنیادی اور تبعی کمالات کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ نیز آپ عروج و نزول کے درجات کو جامع تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا بلکہ جن و انس سب کی طرف مبعوث کیا۔ اسی وجہ سے آپ کی ہدایت کے نور سے تمام جہانوں نے نور حاصل کیا اور آپ کی ہدایت کی ضو سے جمہور مکلفین نے ضیاء پائی۔ صرف وہی محروم رہا جس کے دل اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس میں ہدایت قبول کرنے کی استعداد ہی پیدا نہ فرمائی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے بعد کون ہدایت عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے حق میں چاہتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی معنی ہے کہ لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اس لئے قبول نہ کی کیونکہ آپ ﷺ مرتبہ عروج کے کمال پر فائز تھے اور آپ کی امت آپ سے مناسبت نہ رکھتی تھی جبکہ حضور ﷺ کی دعوت کو لوگوں نے قبول کیا کیونکہ آپ عروج اور نزول دونوں کے مرتبہ کمال پر فائز تھے۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾

"اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو۔"

رَهَقًا ضمیر مستتر شان ہے۔ ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی شیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کردم بن سائب انصاری سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کے ایک کام کے لئے مدینہ کی طرف نکلا۔ یہ وہ وقت تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ ہمیں ایک چرواہے کے پاس رات گزارنا پڑی۔ جب نصف رات ہوئی تو ایک بھیڑیا آیا۔ اس نے ایک مینڈھا پکڑ لیا۔ چرواہا اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے کہا اے وادی کے مالک یہ تیری پناہ میں تھا۔ کسی ندا کرنے والے نے ندا کی جسے ہم نہیں دیکھ رہے تھے اے سرحان (بھیڑیئے) اسے چھوڑ دو۔ مینڈھا دوڑتا ہوا آیا یہاں تک کہ ریوڑ میں داخل ہو گیا اور اسے خراش تک نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے رسول پر اس بارے میں اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو رجاء عطاردی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی جب کہ میں گھر والوں کی بکریاں چراتا اور ان کے دوسرے کام سرانجام دیتا۔ اسی زمانہ میں ہم گھر سے بھاگ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ہم بے آباد جگہ پہنچے۔ جب ہمیں ایسی جگہ رات ہو جاتی تو ہمارا شیخ کہتا ہم اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ مانگتے ہیں۔ تو اس نے اسی طرح کہا تو ہمیں (غیب سے) کہا گیا اس آدمی کی پناہ کا راستہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے جس نے اس کا اقرار کیا اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 132 (التجاریہ)

کی جان اور مال محفوظ ہو گیا (یہ سن کر) ہم اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ ابو رجاء نے کہا میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ جزائطی نے اپنی کتاب ہواتف الجن میں اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے نقل کیا کہ بنو تمیم کا ایک آدمی جسے رافع بن عمیر کہتے۔ وہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتا کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔ میں اپنی سواری سے نیچے اترا۔ اونٹنی کو بٹھایا اور خود سو گیا۔ میں نے سونے سے پہلے تعوذ پڑھا۔ میں نے کہا میں اس وادی کے بڑے جن کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا جس کے ہاتھ میں برچھا تھا جو میری اونٹنی کی گردن میں مارنا چاہتا تھا۔ میں گھبرا کر جاگ گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے کہا یہ برا خواب ہے۔ پھر سو گیا تو میں نے پھر اسی طرح ایک آدمی دیکھا۔ میں جاگ گیا میں نے اپنی اونٹنی کے اردگرد چکر لگایا مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی کانپ رہی ہے۔ میں پھر سو گیا۔ پھر وہی خواب دیکھتا ہوں۔ میں جاگ جاتا ہوں اور اپنی اونٹنی کو کانپتا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں مڑتا ہوں تو ایک نوجوان دیکھتا ہوں جس کی شکل و صورت ایسی ہی تھی جیسا آدمی میں نے خواب میں دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں برچھا تھا اور ایک بوڑھا شخص اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا جو اسے برچھا مارنے سے روک رہا تھا۔ اسی اثناء میں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے تین جنگلی بیل اس طرف آ نکلے۔ بوڑھے نے نوجوان سے کہا اٹھو اور ان میں سے جو چاہو پکڑ لو۔ وہ اس آدمی کی اونٹنی کا فدیہ ہو گا۔ وہ نوجوان اٹھا اور بڑا بیل پکڑ لیا اور چلا گیا۔ پھر بوڑھا میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے فلاں جب تم کسی وادی میں اترو اور تمہیں اس سے خوف لاحق ہو تو یہ کہو اَعُوْذُ بِرَبِّ مُحَمَّدٍ مِّنْ هَوْلِ هٰذَا الْوَادِیْ میں اس وادی کے خوف سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو حضور ﷺ کا رب ہے، کسی جن کی پناہ طلب نہ کرو کیونکہ اب اس کا معاملہ باطل ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا محمد کون ہے؟ تو اس بوڑھے نے جواب دیا وہ نبی عربی ہے نہ شرقی ہے نہ غربی، اسے پیر کے روز مبعوث کیا گیا۔ میں نے پوچھا اس کی رہائش کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا یثرب جو کھجوروں والا شہر ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں اپنی سواری پر سوار ہو گیا۔ میں تیز رفتاری سے چلا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا۔ آپ نے میرے بتانے سے پہلے ہی سارا واقعہ ذکر کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم یہی خیال کرتے تھے یہ آیت کریمہ اسی کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔ انسانوں نے جنوں کے سرداروں سے پناہ چاہنے کے ساتھ انہیں زیادہ گناہ گار بنا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رهقا کا معنی گناہ ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی سرکشی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی گمراہی ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی برائی ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی عظمت ہے۔ اسی وجہ سے جن کہا کرتے تھے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے سردار بن گئے (3)۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جنوں نے انسانوں کی گمراہی میں اضافہ کر دیا اس طرح کہ انسانوں کو اتنا گمراہ کیا کہ لوگ جنوں کی پناہ چاہنے لگے۔ رهق کا معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا ہے یہاں اس سے ممنوع اعمال اور گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس جملہ میں ان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ ان کا عقیدہ غلط ہے۔

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

''اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا۔''

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 431 (العلمیہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 432 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 133 (التجاریہ)

1۔ھم ضمیر سے مراد انسان ہیں، یعنی انسانوں نے اسی طرح گمان کیا جس طرح اے جنو! تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا ان لن یبعث یہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ پہلے وہ ظن فاسد رکھتے تھے مگر قرآن کے نازل ہونے کے بعد وہ غیب پر ایمان لے آئے تو اے جنو! تم بھی قیامت پر اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح وہ ایمان لائے ہیں۔ یہ جنوں نے ایک دوسرے سے کلام کی۔ یہ تاویل اس صورت میں ہوگی جب ہم انھم کے ہمزہ کو مکسور پڑھیں گے مگر جب اس کے ہمزہ پر فتحہ پڑھیں تو یہ جملہ اور ماقبل جملہ جملہ معترضہ ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام ہوگا اور ان کا عطف انہ استمع پر ہوگا۔ اس تقدیر کی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جنوں نے اسی طرح گمان کیا جس طرح اے کفار تم نے گمان کیا کہ قیامت برپا نہ ہوگی۔ جب قرآن نازل ہوا اور جنوں نے سنا تو وہ قیامت پر ایمان لے آئے تو اے کفار تم پر لازم ہے کہ جس طرح وہ ایمان لائے تم بھی ایمان لاؤ۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۟ۙ

"اور (سنو) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا پایا"[1]

1۔ ہم نے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان تک پہنچنا چاہا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سماء سے مراد بادل ہیں کیونکہ سماء کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو تیرے اوپر ہو۔ اس تاویل پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے بادل میں اترتے ہیں اور آسمان میں جس امر کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں تو شیاطین ان باتوں کو چوری چھپے سن لیتے ہیں۔ پھر ان باتوں کو کاہنوں تک پہنچاتے ہیں جو ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض روایات میں ایسے الفاظ واقع ہوئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں السماء سے مراد آسمان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پر ہلاتے ہیں تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جس طرح چٹان پر زنجیر لگنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا تو دوسرے فرشتے کہتے ہیں اس نے جو کہا حق کہا ہے جبکہ وہ بلند اور بڑا ہے۔ چوری چھپے سننے والے اسے سن لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض بعض کو یہ کلام پہنچاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اس لئے تھا تاکہ وہ اللہ کا حکم سن لیں۔ چوری چھپے سننے والا پھر اسے نیچے والے پر القاء کرتا ہے یہاں تک کہ آخر میں جادوگر یا کاہن پر القاء کرتا ہے، کبھی القاء کرنے سے پہلے اوپر والے کو شہابیہ آ پہنچتا ہے اور کبھی شہابیہ پہنچنے سے پہلے وہ القاء کر دیتا ہے تو وہ ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جب ہمارا رب کوئی حکم دیتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح کرتے ہیں پھر عرش کے ساتھ والے آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک آ پہنچتی ہے۔ پھر عرش اٹھانے والے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا حکم دیا ہے تو دوسرے فرشتے انہیں بتاتے ہیں۔ پھر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ یہ بات آسمان دنیا تک آ پہنچتی ہے تو جن ان باتوں کو اچک لیتے ہیں۔ تو وہ اپنے چیلوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جو بات وہ اس خبر کے مطابق کریں وہ سچی ہوتی ہے لیکن وہ اس میں اضافہ اور مبالغہ کرتے ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ ہم کہتے ہیں ان دونوں حدیثوں اور جو احادیث ان کے ہم معنی ہیں ان میں ایسی کوئی دلیل

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 456 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 682 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 233 (قدیمی)

نہیں کہ جن آسمان دنیا سے خبر لیتے ہیں۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ خبر آسمان دنیا تک پہنچی ہو۔ پھر آسمان دنیا والے بادل تک اترتے ہوں اور آسمان میں جو فیصلہ ہوا ہو اس کا ذکر کرتے ہوں تو چوری چھپے سننے والے جن اس خبر کو سن لیتے ہوں اور جنوں میں سے بعض بعض سے اوپر ہوتے ہوں اور بادل تک ان کی قطار ہوتی ہو اس طرح آسمان کے ستاروں کے شہاب انہیں آ لیتے ہوں۔

فوجدناھا میں ھا ضمیر سے مراد السماء (آسمان) ہے۔ حرسا اسم جمع ہے جس طرح خدم اسم جمع ہے۔ حرسا کا معنی نگہبان ہے۔ شدید کا معنی قوی ہے، یعنی طاقتور فرشتے انہیں سننے سے روکتے ہیں۔ شهب شہاب کی جمع ہے۔ یہ آگ کا شعلہ ہے جو ستاروں سے الگ ہوتا ہے۔

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

"اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں[1] اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے[2]۔"

[1] ھا ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے مراد بادل ہیں یہ مقاعد سے حال ہے کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے۔ اس لئے حال مقدم ہے۔ مقاعد سے مراد ایسی جگہیں ہیں جو نگہبانوں اور شہابیوں سے خالی ہیں جو تاڑنے اور سننے کے مناسب ہیں۔ یہ نقعد کی ظرف ہے۔ للسمع یہ نقعد کے متعلق ہے یا یہ مقاعد کی صفت ہے۔ جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد سننے کی کوشش کرے گا وہ اپنے لئے تاڑنے والا شہابیہ پائے گا اور رجم کے ذریعے اسے منع کر دے گا۔ رصدا یا تو مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہو کر شہاب کی صفت ہے یا یہ راصد سے اسم جمع ہے اور شہاب سے پہلے ذوی کا لفظ محذوف ہے۔ یہ جنوں کے لئے حضور ﷺ کا معجزہ ہے جس کی وجہ سے جن ایمان لائے۔

[2] آسمان کی نگہبانی کی وجہ ہم پہلے نہیں جانتے تھے مگر اب جب ہم نے قرآن کو سنا تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس رکاوٹ کی وجہ اس نبی کی بعثت ہے یہاں تک کہ یہی امر معجزہ بن گیا۔ اب کاہن اس قسم کی خبر لانے سے عاجز ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے عالمین کی ہدایت کا ارادہ کیا۔ ان تینوں آیات میں قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر دلیل ہے۔ شر اور خیر اگرچہ دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں لیکن خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صراحۃً اور شر کے ارادہ کی نسبت کنایہ کی صورت میں ہے، یعنی مجہول کا صیغہ ذکر فرمایا۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾

"اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں[1]۔"

[1] صالحون سے مراد وہ جن ہیں جو تورات، دوسری آسمانی کتابوں اور سابقہ انبیاء پر ایمان لائے۔ دون ذلک سے پہلے قوم موصوف محذوف ہے۔ طرائق سے پہلے ذوی کا لفظ محذوف ہے، یعنی ہم مختلف مذہب رکھتے ہیں یا احوال کے مختلف ہونے میں ہماری حالت بھی ایسی ہے جیسی مختلف راستوں کی ہوتی ہے۔ قددا کا معنی متفرق ہے۔ یہ جملہ کنا طرائق قددا سابقہ جملے انا منا

الصالحون کے مضمون کی تاکید ہے۔ قددا یہ قدہ کی جمع ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے۔ حسن بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جن بھی تمہاری مثل ہیں یعنی قدریہ، مرجیہ، رافضی (1) وغیرہ۔ ان کی آپس میں گفتگو انا منا الصالحون یہ مابعد آیات کی تمہید ہے، یعنی ہمارا ایمان لانا اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنا کوئی نیا امر نہیں بلکہ اس سے قبل بھی جن مختلف حالتوں میں تھے، کچھ صالح تھے اور کچھ اس کے علاوہ تھے، اگرچہ ہم نے غلط بات میں اپنے سردار کی اتباع کی۔ لیکن جب ہم نے قرآن کو سنا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہدایت کو سنا، اس پر ایمان لائے جس طرح ہمارے بعض پیشرو ایمان لائے تھے۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًاۙ۝ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًاۙ۝

"اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں [1] اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا [2]۔"

[1] قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دینے اور اس کی ہدایت سے ہم نے جان لیا اور ہمیں یقین ہو گیا۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا ہم اس سے پہلے گمان کرتے تھے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا تورات میں جو کچھ ہے اس کے جاننے کی وجہ سے ہم یقین رکھتے تھے کہ ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں کسی برائی کا ارادہ کرے تو ہم اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی زمین سے آسمان کی طرف بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی جب ہم ھربا کو حال بنائیں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ھربا مفعول مطلق ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی نھرب ھربا یا یہ مفعول لہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی نعجزہ للھرب۔ یا ظرف ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی نعجزہ فی الھرب یا نسبت فاعل سے تمیز ہو نعجزہ ھربا۔

[2] ھدیٰ سے مراد قرآن ہے کیونکہ قرآن ہدایت کا سبب ہے۔ ہم قرآن سن کر ایمان لائے۔ اس لئے اے جنوں کی ہماری قوم تم بھی ایمان لاؤ۔

فمن یومن بربہ یہ شرط ہے۔ اس پر فاء سببیہ ہے اور اس کی جزاء بعد میں ہے۔ فلا یخاف جملہ فعلیہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ جو ھو ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فھو لا یخاف۔ بخس کا معنی جزاء میں کمی اور رھق کا معنی ذلت کا چھا جانا ہے یا اس کا معنی ہے انہیں اطاعت میں کوتاہی اور ظلم کرنے کی جزاء کا خوف نہیں ہوگا کیونکہ قرآن پر ایمان لانے کا حق یہ ہے کہ انسان ان چیزوں (طاعت میں کمی اور ظلم) سے اجتناب کرے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓىٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۝ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًاۙ۝

"اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی [1] اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں [2]"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 133 (التجاریہ)

1. مسلمون سے مراد نیک اور قاسطون سے مراد حق سے انحراف کرنے والے ہیں۔ جب کوئی آدمی عدل کرے تو اس وقت کہتے ہیں اقسط الرجل اور جب کوئی ظلم کرے تو اس وقت کہتے ہیں قسط الرجل۔ یہاں اس جملہ کا ذکر کیا جبکہ اس سے قبل اس کے مضمون کو وانا منا الصالحون ومنا دون ذلک میں ذکر کیا تاکہ یہ دونوں فریقوں کی حالت کی تفصیل کی تمہید ہو۔ یہاں سے اس کی حالت کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جبکہ سابقہ کلام میں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جن جنوں نے قرآن حکیم سنا ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور بعض مسلمان نہ ہوئے تو یہ ان مسلمان جنوں کا اس وقت کا مقولہ ہو جب وہ واپس لوٹ آئے؟ جو مسلمان ہو گئے انہوں نے اس راستے کا قصد کیا جو فلاح تک لے جانے والا تھا۔

2. جس طرح دنیا کی آگ کو ایندھن سے جلایا جاتا ہے۔ اسی طرح تمہارے ساتھ جہنم کی آگ کو جلایا جائے گا۔ ان سات جملوں "انا لمسنا السماء سے لے کر انا منا المسلمون" کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنوں کا کلام ہے۔ اس لئے إنّ پڑھنے میں کوئی قدغن نہیں۔ اگر أنّ پڑھیں تو یہ تکلف کرنا ضروری ہوگا کہ ان کا عطف آمنا به کے جار مجرور پر ہے۔ ان جملوں کا عطف انه استمع نفر من الجن پر کرنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امر ظاہر ہے مخفی نہیں۔

به پر عطف کرنے کی صورت میں معنی یہ ہوگا ہم قرآن پر ایمان لائے اور آفاق میں موجود اس کے معجزات کا ہمیں یقین ہو گیا جن کا اظہار لمسنا السماء سے وانا کنا نقعد منها مقاعد سے اور انا لا ندری ما اراد الله بالشهب سے ہوتا ہے یہاں تک کہ ہم نے قرآن اور اس کے معجزات کے بارے میں سنا اور نفسوں میں جو اس کی تاثیر ہے ان کے بارے میں ہمیں یقین حاصل ہوا اور ہمیں یہ علم ہوا کہ ہم میں سے صالح بھی ہیں اور کچھ دوسرے بھی اور ہمیں یہ بھی یقین ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ہم نے ہدایت کو سنا اس پر ایمان لائے اور ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم میں سے جو مسلمان تھے انہوں نے ہدایت کو پالیا ہے جو ظالم اور حق سے انحراف کرنے والے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

مسئلہ:۔ ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جنوں میں سے جو کافر ہیں انہیں جہنم میں عذاب دیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔ ان جنوں میں سے جو مومن ہیں ان کے ثواب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا یہ خیال ہے ان کا ثواب یہی ہے کہ انہیں جہنم سے نجات مل گئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نقطہ نظر ہے سفیان نے لیث سے یہی نقل کیا ہے کہا جنوں کا ثواب یہی ہے کہ انہیں جہنم سے پناہ دے دی جائے گی۔ پھر انہیں کہا جائے گا چوپاؤں کی طرح مٹی ہو جاؤ۔ ابی الزیاد سے مروی ہے کہا جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا مومن جنوں کو کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے اس موقع پر کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں توقف کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ نے جس امر کو مبہم رکھا ہے اسے مبہم رکھو، اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے جو کافر ہیں ان کے عذاب کا تو ذکر کیا ہے، ان میں سے جو مطیع ہیں ان کے ثواب کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ انہیں جہنم سے پناہ دی جائے گی۔ دوسرے علماء نے یہ کہا اچھے اعمال کی صورت میں ان کے لئے ثواب ہوگا جس طرح گناہ کی صورت میں ان کے لئے عذاب ہوگا۔ یہی حکم انسانوں کے لئے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ

علیہ کا یہی مسلک ہے۔ جریر نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جن جنت میں داخل ہوں گے، کھائیں گے اور پئیں گے۔ اسے ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ نقاش نے اپنی تفسیر میں حدیث ذکر کی ہے وہ (جن) جنت میں داخل ہوں گے۔ ان سے پوچھا گیا کیا وہ نعمتیں پائیں گے تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ ان کے دل میں تسبیح اور ذکر الہام کرے گا تو جن ان سے وہ لذت حاصل کریں گے جو انسان جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کریں گے۔ میں کہتا ہوں شائد انہوں نے مومن جنوں کو ملائکہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ طاءۃ بن منذر نے کہا میں نے حمزہ بن حبیب سے پوچھا کیا جنوں کے لئے ثواب ہے؟ کہا ہاں اور یہ آیت تلاوت کی لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ۔ ساتھ ہی کہا انسانوں میں ایسی عورتیں انسانوں کے لئے اور جنوں میں سے ایسی عورتیں جنوں کے لئے ہوں گی۔ ابوالشیخ نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تمام مخلوق تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک مخلوق سب کی سب جنت میں ہوگی۔ وہ فرشتے ہیں۔ ایک مخلوق مکمل جہنم میں ہوگی۔ دو قسم کی مخلوق جنت اور جہنم میں ہوگی۔ ان کے لئے عذاب اور ثواب ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا جنوں کے لئے ثواب اور عقاب ہے؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا۔

عمرو بن عزیز نے کہا مومن جن جنت کے ارد گرد میدانوں میں ہوں گے وہ جنت میں نہیں ہوں گے جو علماء جنوں کے حق میں ثواب کے قائل ہیں وہ عمومی آیات سے استدلال کرتے ہیں جیسے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ اسی طرح کی دوسری آیات ہیں جو سورۂ رحمٰن میں وارد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ دلالت عرف کی وجہ سے ان عمومی آیات کو انسانوں پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اہل عرف اس سے انسان ہی سمجھتے ہیں جہاں تک سورۂ رحمٰن میں فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ سے جو خطاب کیا گیا ہے اس میں جنوں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی عمومی نعمتیں جھٹلانے پر شرمندہ کیا گیا۔ خصوصاً اس نعمت کے جھٹلانے پر شرمندہ نہیں کیا گیا جس کا ذکر اس آیت سے پہلے ہوا۔ یہ خصوصی نعمت کیسے مراد ہو سکتی ہے جبکہ بعض آیات میں نعمت کا تصور ہی ممکن نہیں جیسے يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ[1] وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ والاقدام فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔ بعض آیات میں ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جو صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہیں جنوں کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ جنت کی نعمتیں انسانوں کے ساتھ خاص ہوں اور جن وانس کو خطاب اس لئے ہو کہ جن وانس نے جو عمومی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اس پر انہیں شرمندہ کیا جائے۔

میرے نزدیک صحیح بات وہ ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں جس نے جنوں کے لئے ثواب کو ثابت کیا ہے تو اس کا قول دلیل اور شہادت پر مبنی ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابن عباس، حضرت عمر عبد العزیز رضی اللہ عنہما اور ان جیسے ثقہ صحابہ اور تابعین کے اقوال مرفوع حکمی ہوں گے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 507 (العلمیہ)

سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ مومن جنوں کے لئے ثواب ہے اور ان کے لئے عتاب بھی ہے۔ ہم نے ان کے ثواب اور ٹھکانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا وہ اعراف پر ہوں گے، وہ جنت میں نہیں ہوں گے، ہم نے پوچھا اعراف کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا وہ جنت سے باہر جگہ ہے جہاں نہریں چلتی ہیں، اس میں درخت اور پھل اگتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

''اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے [1] تا کہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اسے سخت عذاب میں [2]''

[1] اَنْ کے بارے میں تمام قراء کا اتفاق ہے کہ ہمزہ پر زبر ہے اور یہ مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ جملہ شرطیہ اس کی خبر ہے اور جملہ کا عطف انه استمع نفر من الجن پر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میری طرف وحی کی گئی کہ اگر جن و انس اللہ کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت کا مظاہرہ کرتے پسندیدہ راستہ دین اسلام ہے۔ یہی وہ فطرتی راہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا۔ غدقا سے مراد کثیر ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ سات سال تک بارش نہ ہوئی تھی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ماء غدق سے مراد وسیع رزق ہے اس کا استعمال بطور مجاز ہے کیونکہ پانی رزق کا سبب ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں رزق سے مراد بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ۔ اس آیت کا معنی یہ ہوگا ہم انہیں کثیر مال عطا کریں گے یا خوشحال زندگی عطا کریں گے۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی میں ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ۔

[2] اس کا تعلق اسقیناهم کے ساتھ ہے، یعنی ہم انہیں آزمائیں کہ وہ کیسے شکر کرتے ہیں۔ یہ تاویل سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، ضحاک، قتادہ، مقاتل اور حسن رحمہم اللہ تعالیٰ نے کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اگر وہ کفر کے طریقہ پر قائم رہتے تو ہم انہیں کثیر مال عطا کرتے تا کہ ہم انہیں بطور سزا اور استدراج آزمائش میں ڈال دیتے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یہ ربیع بن انس، زید بن اسلم، کلبی اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے (2)۔ یہ قول درست نہیں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ کفر رزق کی فراخی اور اچھی زندگی کا ذریعہ ہو جبکہ اس کا مابعد آیات اس کا انکار کرتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ، وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ۔ لو کا کلمہ اس لئے وضع کیا گیا کہ جواب متحقق نہیں ہوتا کیونکہ شرط متحقق نہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ حال ماضی کا واقعہ ہے جو عموم پر دلالت نہیں کرتا ورنہ ایسی دلیلوں میں تعارض واقع ہوگا جو نسخ کا احتمال نہیں رکھتیں۔ نیز اہل مکہ کے واقعات پہلی تاویل کی صحت پر دلالت کر رہی ہیں دوسرے معنی کی صحت پر دال نہیں کیونکہ ابو جہل اور مکہ مکرمہ کے دوسرے کافر جو ایمان نہیں لائے تھے انہیں سات سال تک قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)
2۔ ایضاً

انہوں نے اونٹ کے لید نے کھائے۔ پھر انتہائی بری حالت میں انہیں بدر میں قتل کر دیا گیا جو حضور ﷺ پر ایمان لائے اور اس مثالی طریقہ پر استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قیصر و کسریٰ کے ملک عطا کئے۔ نیز پہلی تاویل کی صحت پر یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے ومن یعرض عن ذکر ربه کیونکہ اس آیت کریمہ میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی ذکر سے اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر عذاب لازم کر دے گا۔ اعراض نہ ہو تو یہ اس کے برعکس حکم کا تقاضا کرتا ہے، یعنی بہترین زندگی سے نوازتا ہے شریعت پر استقامت سے مراد بھی یہی ہے۔ قرآن میں یہی اسلوب ہے کہ دو چیزوں کو مقابلہ میں ذکر کیا جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوفہ کے قراء اور یعقوب نے یسلکه کو غائب کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب میں داخل کرے گا جبکہ دوسرے قراء نے اسے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ عذاب کی صفت صعد ذکر کی ہے کیونکہ یہ سخت عذاب جہنمیوں پر غالب آ جائے گا۔ اس عذاب سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے یا عذاب قبر مراد ہے یا آخرت کا عذاب مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی یہی مراد ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہے کیونکہ مقابلہ پایا جا رہا ہے۔ اسی طرح ضنک معیشت سے مراد بھی دنیا کا عذاب ہے کیونکہ ونحشرہ کا اس پر عطف ہے۔ اسی طرح حیوۃ طیبۃ سے مراد بھی دنیا کی زندگی ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اگر تقویٰ نہ ہو تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ زندگی میں تنگی سے یہی مراد ہے جو قوم حق سے اعراض کرنے والی ہو اگر چہ وہ خوشحال ہو اور اس کے پاس مال کی کثرت ہو تب بھی اس کی زندگی تنگ ہی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ خلافی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوء ظن کی وجہ سے ان پر زندگی سخت ہو جاتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا قناعت ان سے سلب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ سیر نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ امر ظاہر ہے کیونکہ دنیا داروں سے جب قناعت سلب ہو جاتی ہے تو وہ ہمیشہ مشقت اور مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ مال کماتے ہیں، اس کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں، مال ضائع ہونے سے خوفزدہ رہتے ہیں، ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بغض کرتے ہیں، ان کے دشمن اور حاسد بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے انہیں اپنی جان کے بارے میں بھی امن نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت ہی مشکل عذاب ہے اور تنگ زندگی ہے کاش انہیں یہ معلوم ہوتا جو صوفیاء کے لئے پاکیزہ زندگی اور دل کا اطمینان ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے۔ نیز انہیں جو شرح صدر، تھوڑے مال سے ضرورت کا پورا ہو جانا، مخلوقات سے بے نیاز ہونا تمام مخلوقات پر شفقت کرنا تکلیف اور تنگی کی حالت میں بھی شکر کرنا اور خوش رہنا محض اس امید پر کہ یہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ اور اچھا بدلا ملے گا جب خوشحالی اور مال کی فراوانی ہوتی ہے تو کیفیت ہی الگ ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ ایک دوسرے سے حسد کریں۔ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے دنیا اور آخرت عطا فرماتا ہے۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

”اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی ۱؎ اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا (خاص) بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جاتے ہیں ۲؎ ۔“

۱؎ اس کا عطف ان لو استقاموا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مساجد سے مراد وہ جگہیں ہیں جو نماز کے لئے بنائی گئی ہوں۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا جب یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ وہ جب مسجد میں داخل ہو جائیں تو اپنی دعاؤں کو اللہ کے لئے خالص کریں یہاں مساجد سے مراد تمام مساجد ہیں(1)۔ مساجد کے پاک رکھنے کا حکم دیا فرمایا میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اپنی مساجد کو بچوں، مجنون، معبودان باطلہ، خرید و فروخت، جھگڑوں، آواز بلند کرنے، حدود قائم کرنے، تلواریں سونتنے سے دور رکھو، اس کے دروازوں پر لوٹے رکھو، اور جمعہ کے موقع پر اس میں دھونی دو(2)۔ اسے ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہ نے واصلہ سے مرفوع روایت کیا ہے اور مسجد میں شعر پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے پہلے مسجد میں حلقے بنانے سے منع کیا ہے(3) اسے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے فرمایا مسجد میں ریشہ پھینکنا خطا ہے اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں یہاں تک جو آدمی مسجد سے تنکا باہر پھینکتا ہے وہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے کسی کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو وہ کہے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اسے امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہے تو کہو اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع پیدا نہ فرمائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مساجد سے مراد تمام جگہیں ہیں کیونکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے(5)۔ معنی ہوگا کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ ابن ابی حاتم نے ابو صالح رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنوں نے عرض کی کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم آپ کی مسجد میں آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آیت کو نازل فرمایا۔ ابن جریر نے جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہا جنوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا ہم مسجد میں کیسے حاضر ہوں جبکہ ہم آپ سے بہت دور رہتے ہیں یا کہا ہم نماز میں کیسے حاضر ہوں جبکہ ہم آپ سے بہت دور رہتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی(6)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے گئے ہیں، ان کے ساتھ کسی اور کی تعظیم بجا نہ لاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی، ہاتھ، گھٹنے، دونوں قدموں کی طرف، وہ نہ کپڑوں کو سمیٹے اور نہ ہی بالوں کو۔(7)

۲؎ ہ ضمیر ضمیر شان ہے۔ نافع اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ان جملوں کو جملہ مستانفہ کے طور پر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ان کے ہمزہ پر فتحہ پڑھا ہے۔ اس کا عطف اس کلام پر ہے جو وحی کی گئی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 408، حدیث:750 (العلمیہ)
3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 43 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 207 (التجاریہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 134 (التجاریہ)
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً

عبداللہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یہاں لفظ عبد ذکر کیا رسول اور نبی ذکر نہیں کیا۔ مقصود تواضع کا اظہار ہے کیونکہ یہ کلام اس طرح واقع ہے جس طرح حضور ﷺ اپنے بارے میں کلام کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ شعور دلانا مقصود ہے کہ آپ کے قیام کا تقاضا کرنے والی چیز یہی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عبودیت کمال کا انتہائی مرتبہ ہے۔ یدعوہ یہ عبداللہ سے حال ہے۔ معنی ہوگا وہ اس کی عبادت کرتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے۔ ہشام نے لبدا کو لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ لبدہ کی جمع ہے۔ لبد کا اصل معنی ایک دوسرے پر جمع ہونا ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے جب اللہ کا بندہ توحید کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا کیا تو قریب تھا کہ جن اور انسان آپ کی دعوت کو باطل کرنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ وہ ارادہ یہ رکھتے تھے کہ وہ اپنے بندے سے اللہ کا نور بجھا دیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جو اس نور سے دشمنی کرے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مدد فرمائے گا(1)۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے جب اللہ کا بندہ نخلہ کے مقام کھڑا ہوا کہ دعوت دے اور قرآن کی قرأت کرے تو جن قرآن سننے کے شوق میں ہجوم در ہجوم جمع ہونے لگے کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ۞ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۞ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۞

"آپ فرمایئے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو[1]۔ آپ فرمایئے (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا[2]۔ آپ فرمایئے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ[3]۔"

1۔ عاصم، حمزہ اور ابو جعفر رحمہم اللہ تعالیٰ نے امر کا صیغہ قل پڑھا ہے اور یہ مابعد کے موافق ہے جبکہ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اللہ کے بندے نے کہا میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری دعوت کو رد کرنے کے لئے اتفاق کر رہے ہو۔ یا معنی یہ ہے جب جن آپ کی کلام کے مشتاق ہوئے تو آپ نے کہا میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، تم بھی اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا آپ نے بہت بڑا کام کر دیا ہے، اس سے رجوع کر لو، ہم آپ کو پناہ دے دیں گے تو یہ اور مابعد آیت نازل ہوئی۔(2)

2۔ میں تمہارے نفع اور نقصان کا مالک نہیں یا تمہاری گمراہی اور ہدایت کا مالک نہیں۔ ایک اسم کو اپنے ذاتی اسم اور دوسرے کو اس کے سبب یا مسبب کے نام سے ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔

3۔ ملتحدا کا معنی پناہ گاہ ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھے سزا دینے کا ارادہ کرے تو میں اس پناہ گاہ میں پناہ لے لوں۔ یہ دونوں مستانفہ جملے گویا مقدر سوال کا جواب ہیں کہ وہ کفار جنہوں نے میری دعوت کو رد کرنے کے لئے اتفاق کر لیا ہے۔ جب وہ یہ کہیں اگر آپ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر عذاب لے آئیں یا کفار یہ کہیں اپنے دین سے رجوع کر لیں پھر ہم آپ کو پناہ دیں گے تو میں کیا کہوں۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ پہلا جملہ اس مقدر سوال کا جواب ہو کہ جن میری زیارت اور ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں کیونکہ ان کا بھیڑ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ یا دوسرا جملہ پہلے جملے کے مضمون کی تاکید ہے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 135 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

کہ حضور ﷺ اس کے مالک نہیں۔ ابن جریر نے حضرمی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جنوں کے سردار نے اپنے متبعین سے کہا کہ محمد ﷺ ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم جن انہیں پناہ دیں تو میں انہیں پناہ دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

إِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿٢٣﴾

"البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچادوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے ۔ؒ"

رسٰلٰتہ کا عطف بلاغا پر ہے۔ استثناء یا تو لا املک سے ہے کیونکہ تبلیغ، راہنمائی کرنا اور نفع دینا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو استطاعت کی نفی کی تاکید بیان کرتا ہے۔ اس لئے اجنبی چیز سے فاصلہ لازم نہیں آتا۔ معنی یہ ہوگا میں تمہارے لئے تکلیف دور کرنے اور ہدایت دینے کا مالک نہیں مگر میں تبلیغ کرنے اور پیغام حق پہنچانے کا مالک ہوں۔ یا یہ احدا اور ملتحدا سے تنازع فعلین کے طریقہ پر مستثنیٰ ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی بھی کسی پناہ گاہ میں مجھے پناہ نہیں دے گا مگر تبلیغ اور پیغام حق پہنچانا مجھے پناہ گاہ دے گا کیونکہ تبلیغ اور پیغام حق پہنچانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ پر فرض ہے۔ یہی مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے گا اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ مجھے عذاب دے گا۔ حسن اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے میں تمہارے حق میں خیر و شر اور ہدایت کا مالک نہیں لیکن میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغام حق پہنچانے والا ہوں(2) (یعنی الا لکن کے معنی میں ہے)۔ ایک قول یہ کیا گیا الا یہ ان لا سے مرکب ہے، ان شرطیہ ہے اور لا نافیہ ہے اور شرط کی جزا محذوف ہے اور سابقہ جزا پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر میں تمہیں وہ پیغام نہ پہنچاؤں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مجھے کوئی پناہ نہیں دے گا۔ جو توحید کے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اور وہ ایمان نہیں لائے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فعل مضارع یعص اور لہ کی ضمیر واحد ہے۔ یہ من کے لفظ کے اعتبار سے ہے اور خالدین کی ضمیر جمع ہے۔ یہ من کے معنی کے اعتبار سے ہے ومن یعص اللّٰہ کے جملہ کا عطف مقدر جملے پر ہے، یعنی میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے کا مالک ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہی ہدایت یافتہ ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے عذاب جہنم ہے۔ حتی اذا راوا یا تو یکونون علیہ لبدا کی غایت ہے اگر اس سے مراد کفار کا اجتماع ہو اور مقصد حضور ﷺ کے امر کو باطل کرنا ہو۔ ورنہ یہ کلام محذوف کی غایت ہوگا جس پر حال دلالت کرتا ہے کہ کفار حضور ﷺ کو کمزور جانتے اور آپ کی نافرمانی کرتے گویا یہ کہا گیا وہ ہمیشہ آپ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور آپ کو کمزور جانتے رہیں گے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿٢٥﴾

"یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے ۔ؒ آپ فرمایئے (میں اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 438 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 135 (التجاریہ)

ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لئے میرے رب نے لمبی مدت ۲؎ ''

۱؎ مایو عدون سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے جس طرح بدر کا واقعہ یا موت کی گھڑی ہے کیونکہ جو آدمی مر جاتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے جو جہنم پر مشتمل ہے جبکہ قیامت موت سے بہت بڑی مصیبت اور سخت تکلیف دہ ہے۔ جب وہ ساعت قائم ہو جائے گی تو انہیں علم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور ان کی تعداد کم ہے ان کے یا حضور ﷺ کے یہ جملہ استفہامیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فسیعلمون کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے بعض کفار نے کہا یہ وعدہ کب برپا ہوگا تو مابعد آیت نازل ہوئی۔

۲؎ اے محمد ﷺ میں نہیں جانتا کہ جس عذاب یا ساعت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے لمبی مدت معین کی ہے۔ قریب خبر مقدم ہے اور مابعد مبتداء موخر ہے یا قریب دوسری قسم کا مبتداء ہے اور مابعد اس کا فاعل ہے۔ ماتو عدون سے مراد عذاب اور قیامت ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے ربی کی یاء کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ امد سے مراد غایت اور اجل ہے کیونکہ اس کی مدت بہت طویل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ جملہ استفہامیہ ادری کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

'' (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو ۱؎ بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لئے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ ۲؎ ''

۱؎ علم الغیب یہ ربی کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ھو ضمیر ہے۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لا ادری کی علت ہے۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو ابھی متحقق نہ ہو جیسے قیامت کی خبریں یا پائے جانے کے بعد معدوم ہو جائے جس طرح کائنات کے آغاز کی خبریں اور ماضی کے واقعات جن کی روایت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ رہے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی توقیفی صفات جن پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی جو بندوں سے غائب ہیں اور جن پر کوئی دلیل اور برہان دلالت کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اس کا واجب ہونا، اس کا واحد ہونا اور اس کی صفات کمال سے متصف ہونا جبکہ وہ نقص اور زوال سے پاک ہے یہ غیب میں سے نہیں بلکہ یہ شہادت میں سے ہے کیونکہ عالم اس پر گواہی دیتا ہے۔ اسی طرح عالم کے حادث ہونے کا مسئلہ یہ بھی غیب میں سے نہیں بلکہ یہ عالم شہادت میں سے ہے کیونکہ اس کے قابل تغیر ہونے کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس کا قابل تغیر ہونا اس کے حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ یہ غیب کی دو قسمیں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ غیب کی ایک قسم وہ ہے جو بعض کے اعتبار سے غیب ہے جس طرح جنوں کے احوال اور بعض اشیاء جو دور ہیں ان کے احوال۔ یہ انسانوں کے اعتبار سے تو غیب ہیں جنوں کے اعتبار سے غیب نہیں۔ اسی وجہ سے انسانوں نے یہ گمان کیا کہ جن غیب جانتے ہیں حالانکہ وہ بھی وہی کچھ جانتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد اطہر زمین بوس ہوا تو جنوں کو معلوم ہوا اگر وہ غیب جانتے تو وہ ذلت آمیز مصیبت میں نہ رہتے۔ اسی طرح آسمان کے حالات زمین والوں کے لئے غیب ہیں آسمان والوں کے لئے غیب نہیں مشرق والوں کے احوال مغرب والوں کے لئے غیب ہیں۔ علم غیب کی اس قسم کا علم کبھی وحی اور الہام کے ذریعے

حاصل ہوتا ہے، کبھی حجاب اٹھانے کے ساتھ اور کبھی درمیانی حجابات شفاف کرنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں حجر میں موجود ہوں اور قریش مجھ سے سفر معراج کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جو مجھے یاد نہ تھیں۔ مجھے سخت پریشانی ہوئی، اس جیسی پریشانی مجھے کبھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے درمیان سے پردے اٹھا دیئے اور میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرتے میں انہیں بتا دیتا(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا جس پر ایک آدمی کو امیر بنایا جس کا نام ساریہ تھا۔ ایک روز آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ بلند آواز سے پکارنے لگے یا سارية الجبل اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ(2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت نجاشی کا وصال ہوا تو ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔ جب حجابات اٹھا دیئے جائیں تو وہ علم غیب سے نہیں رہتا بلکہ وہ علم شہادت میں سے ہو جاتا ہے اگرچہ وہ معجزہ اور کرامت میں سے ہو(3)۔

من ارتضى میں ضمیر عائد محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں پر علم غیب کبھی کبھی ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے لئے معجزہ ہو جائے وہ اطاعت شعاروں کو بشارت دیتا ہے اور نافرمانوں کو ڈراتا ہے۔

رسول کا لفظ بشر اور فرشتوں کو عام ہے۔ نیز رسول کا لفظ انبیاء کو بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو لوگوں کی طرف احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ رسول کے لفظ کو ایسی ذات کے ساتھ خاص کرنا جسے نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو یا اصطلاح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ عموم مجاز کے طریقہ پر رسول کا لفظ اولیاء کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں(4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کثیر بن قیس کی حدیث، ابن بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے خلیفہ ہیں یا میرے اور انبیاء کے وارث ہیں۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، علماء رسولوں کے امین ہیں جب تک بادشاہوں سے میل جول نہ رکھیں اور دنیا میں نہ گھس جائیں۔

اہل سنت و جماعت نے کہا اولیاء کی کرامات ان کے نبی کا معجزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں پیغام عطا کرنے والا جبکہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تو اہل سنت نے علماء اور اولیاء میں سے حضور ﷺ کے متبعین کو آپ کی زبان قرار دیا تاکہ حضور درست ہو بلسان قومہ میں اضافت کا استغراق اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ رسول کا لفظ اولیاء کو شامل ہو۔ اگر انہیں بطور کرامت علم غیب حاصل ہو تو نقص لازم نہیں آتا۔ اگر رسول کا لفظ انہیں شامل نہ ہو تو ہم یہ کہیں گے کہ یہاں علم سے مراد علم قطعی ہے اور اولیاء کو الہام اور دوسرے طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ جو علم صوفیاء کو حاصل ہوتے ہیں انہیں کتاب و سنت پر پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ علوم کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو انہیں قبول کیا جائے کیونکہ جو چیز قطعی دلیل کے مطابق ہو وہ خود قطعی ہوتی ہے، اگر اس کے مخالف ہو تو اسے رد کر دیا جائے۔ علماء نے کہا ہر حقیقت جسے شرع رد کر دے وہ زندقہ ہے۔ اگر شریعت اس بارے میں خاموش ہو تو خطا کے احتمال

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 96 (قدیمی)

2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 318، حدیث: 5954 (الفکر)

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 322 (دار الکتب العربیہ بیروت)

4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 93 (وزارت تعلیم)

کے ساتھ اسے قبول کیا جائے گا۔ اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو صاحب کشاف نے کہا جو حقیقت میں اس کے اعتزال پر مبنی ہے کہ اس آیت میں کرامات کا ابطال ہے کیونکہ جن کی طرف کرامات کو منسوب کیا جاتا ہے اگرچہ وہ مقبولان بارگاہ اولیاء ہیں مگر رسول نہیں۔ اہل ہواء کی تکذیب کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ۝ وَ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ۝ فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں اور حواری انبیاء نہیں تھے۔

تنبیہ:۔ جو میں نے یہ ذکر کیا ہے کہ اولیاء کو حاصل ہونے والا علم ظنی ہے۔ اس سے مراد علم حصولی ہے۔ یہ علم حصولی الہام کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس میں فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور کبھی واسطہ نہیں ہوتا۔ کبھی یہ علم حصولی حجاب اٹھانے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح ہم نے حدیث عمر (یا ساریة الجبل) میں ذکر کیا ہے۔ جو یہ کہا گیا ہے کہ بعض اولیاء پر بعض اوقات لوح محفوظ منکشف ہوتی ہے اور وہ قضاء مبرم اور قضاء معلق کو دیکھ لیتے ہیں کبھی یہ نیند یا مراقبہ کی حالت میں عالم امثال کا مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، متفق علیہ۔(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نبوت میں سے صرف مبشرات ہی رہ گئی ہیں۔ لوگوں نے عرض کی بشرات کیا ہیں۔ فرمایا سچی خوابیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

علم کی ان اقسام میں بعض اوقات غیر انبیاء کے لئے خطا ہو جاتی ہے کیونکہ جنہیں الہام کیا جا رہا ہے ان سے غلطی ہو سکتی ہے اور شیطان بھی الہام میں خلط ملط کر سکتا ہے کیونکہ بنی آدم کے دل میں دو خانے ہیں ایک میں فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان ہوتا ہے۔ کبھی کبھی فرشتے کا لمہ شیطان کے لمہ کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ بنتی ہے کہ وہم درمیان میں حائل ہو جاتا ہے اور شیطان کشف اور عالم امثال کے مشاہدہ میں خلط ملط کر دیتا ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سچی خوابیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہیں اور جھوٹی خوابیں شیطان کی جانب سے ہوتی ہیں، متفق علیہ(3)۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خوابیں تین قسم کی ہیں نفس کا تخیل شیطان کی طرف سے ڈراوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت متفق علیہ(4)۔ خوابوں کی تاویل میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اولیاء کے علوم میں خطا کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کیونکہ اولیاء انبیاء کے مشابہ ہیں۔ انبیاء معصوم ہیں اور اولیاء عموماً محفوظ ہیں۔ اولیاء کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علم حضوری ہوتا ہے بلکہ اس کا درجہ حضوری سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ وہ علم ہوتا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ساتھ ہوتا ہے جسے علم لدنی کہتے ہیں۔ یہ خطا کا احتمال نہیں رکھتا۔ یہ علم قطعی اور وجدانی ہے۔ اس کا مرتبہ قطعی سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ انسان کا اپنی ذات کے بارے میں علم حضوری اور وجدانی ہے کیونکہ علم حضوری میں معلوم کی ذات عالم کے پاس ہوتی ہے۔ اس میں صورت کے حاصل ہونے کا معاملہ نہیں ہوتا۔ صوفی کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں علم اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صوفی کے نفس سے بھی بڑھ کر صوفی کی ذات کے قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَحْنُ

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 519، حدیث: 4606 (الفکر)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1035 (وزارت تعلیم)
3۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 519، حدیث: 4612 (الفکر)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1039 (وزارت تعلیم)

اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں یعنی اے عوام اسے دیکھنا تمہارے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ جسے دکھائے وہ اسے دیکھ سکتا ہے اولیاء کو یہ علم انبیاء کے واسطہ سے ملتا ہے اگرچہ درمیان میں کتنے ہی واسطے کیوں نہ ہوں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ میں خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حضوری ہو اور اس علم سے بڑھ کر ہو جو انسان کو اپنے نفس کے بارے میں ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن علم زندگی کے تابع ہے زندگی کے بغیر علم کا تصور نہیں کیا جا سکتا سورۂ ملک میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ زندگی کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو معرفت کو لازم ہے۔ یہ زندگی تجلیات ذاتی اور تجلیات صفاتی سے عبارت ہے۔ اسی زندگی کو حاصل کرنے کے لئے علم کسبی اور تصوف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے اگر یہ دوسرا علم (علم حضوری) قطعی ہے تو اس میں خطا کیوں واقع ہوتی ہے۔ صوفیاء کے اقوال کیوں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان سے غلطی بھی واقع ہوتی ہے جس پر ان کے اقوال کا تعارض دلالت کرتا ہے۔ یہ تعارض اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دو متنافی چیزوں میں سے ایک غلط ہے ان میں سے بعض تو حید وجودی کا قول کرتے ہیں اور بعض توحید شہودی کا قول کرتے ہیں۔ اسی طرح کے دوسرے اختلاف ہیں۔ میں کہتا ہوں اختلاف علم حضوری کے جاننے میں ہوتا ہے علم حضوری میں اختلاف نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یہ اختلاف اس کے بیان کرنے اور تصویر کشی میں ہوتا ہے کیونکہ لغت میں ان معانی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے۔

فارسی کا ایک شعر ہے:

گفتگوئے کفر و دین آخر بیک جا می کشد	خواب یک خواب است باشد مختلف تعبیرہا
دین و کفر کی گفتگو نے آخر کار ایک ہی جامہ اپنا لیا	خواب ایک ہی ہے جس کی تعبیریں مختلف ہیں

شعر میں کفر سے مراد طریقت کا ذکر ہے جسے توحید وجودی کہتے ہیں دین سے مراد شریعت ہے۔ اس مقام پر کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان ایسی نسبت ہے جو کوئی سی دو فرض کی گئی چیزوں کے درمیان نہیں کیونکہ خالق تو صرف وہی ہے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی اور نسبت اسی نسبت کے مشابہ ہو خالق کی مخلوق کے ساتھ جو نسبت ہے وہ نقاش کی نقش اور نجار (بڑھئی) کی پیالہ کے ساتھ نہیں کیونکہ پیالے کا مادہ لکڑی اور نقش کا مادہ رنگ ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بڑھئی کے عمل کے بعد جو خاص صورت سامنے آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بڑھئی کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، خواہ معتزلہ ذلیل و رسوا ہوں بڑھئی تو بعض معاملات میں کاسب ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

دو چیزیں جو خارج یا ذہن میں موجود ہوتی ہیں ان میں نسبت عینیت کی ہوتی ہے یا غیریت کی ہوتی ظلیت کی ہوتی ہے یا کوئی اور جس کا عقل میں ادراک کیا جاتا ہے۔ ان کا اس نسبت سے کوئی تعلق نہیں جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ وہ نسبت ان نسبتوں سے ماوراء ہے۔ اس کے لئے کوئی ایسا لفظ بھی وضع نہیں کیا گیا جو اس پر دلالت کرے بعض اوقات اس نسبت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا عین نہیں تو یہ قول وہم دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا غیر ہے یا مخلوق اس کا ظل ہے۔ کبھی یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کا غیر ہے اور وہاں ظلیت کی نسبت بھی نہیں تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عین ہے۔ پھر کبھی بطور مجاز یوں کہا جاتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ تمام اشیاء کا عین ہے کیونکہ عینیت اور غیریت کا سلب (نفی) آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کا غیر ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ مخلوقات اس کا ظل ہیں۔ یہ اختلاف اور تعارض علم حضوری کے مراتب کی تعبیر میں ہے کیونکہ عبادات کا جامہ ان کے تعبیر کرنے میں تنگ ہے۔ اس مقام پر بہترین تعبیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ ان تصورات سے مقصود علم لدنی ہے۔ وہ علوم نہیں جو ظنون میں حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ظن حق کا فائدہ نہیں دیتا، واللہ اعلم۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اولیاء کے علوم مستثنیٰ میں داخل ہیں یا مستثنیٰ منہ سے خارج ہیں کیونکہ یہ ظنی ہیں تو تمہارا کاہنوں اور نجومیوں کے علم نیز طبیب جو امراض کا علم رکھتے ہیں یا جن چیزوں میں مریضوں کے لئے شفا ہوتی ہے اور نباتات کے خواص وغیرہ کا علم رکھتے ہیں ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کیونکہ خبریں اور تجربات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی بعض خبریں سچی ہوتی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ناطور سے ایلیا کے حاکم کی حدیث نقل کی ہے جبکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ہرقل بیت المقدس آیا۔ ایک روز اس کی طبیعت میں سخت اضمحلال تھا۔ ایک سردار نے عرض کیا آج ہم آپ کی طبیعت عجیب دیکھتے ہیں۔ ہرقل علم نجوم کا ماہر تھا۔ جب ساتھیوں نے اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا آج کی رات جب میں ستاروں کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے دیکھا ختنہ کرنے والی قوم کا بادشاہ ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر ہرقل نے اپنی رائے اپنے نجومی ساتھی کو لکھ بھیجی۔ اس کا یہ ساتھی بھی علم نجوم میں گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کی رائے بھی ہرقل کی رائے کے موافق تھی کہ نبی کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ نبی برحق ہے اس نے اس کا اظہار خط میں کیا تھا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو بتایا تھا کہ حضرت موسیٰ ظاہر ہوں گے اور اس کی بادشاہت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک بچے کے ذریعے ہوگا۔ اسی وجہ سے فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرا دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا(1)۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کاہنوں کا جو علم واقع کے مطابق ہوتا ہے وہ وہ ہوتا ہے جو وہ فرشتوں سے سنتے ہیں۔ ملائکہ اللہ کے رسول ہیں لیکن کاہن اور شیاطین اپنی طرف سے ان میں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے شرع نے ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد جنوں کو چوری چھپے سننے سے یا تو مطلقاً منع کر دیا گیا یا عموماً منع کر دیا گیا۔ اسی طرح کہانت کا سلسلہ باطل ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا اور عرض کی گئی کبھی کبھی وہ سچی باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ وہ بات ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے پھر اپنے دوست کو مرغی کے ٹھونگنے کی طرح القا کر دیتا ہے پھر وہ لوگ اپنی طرف سے سینکڑوں باتیں اس میں ملا لیتے ہیں، متفق علیہ۔(2)

جہاں تک علم طب اور علم نجوم کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد تجربہ پر ہے۔ تجربہ علم شہادت سے تعلق رکھتا ہے علم غیب سے تعلق نہیں رکھتا مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ دونوں علم یعنی ادویہ اور طبائع کے خواص کا علم، اسی طرح ستاروں کے خواص یعنی سعادت اور نحوست وغیرہ کا علم یہ انبیاء کے علوم سے اخذ شدہ ہیں۔ اب یہ دونوں علوم کتابوں میں باقی ہیں اور روایت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب لوگوں نے ان کی معرفت کے لئے تجربہ پر اکتفاء کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے بارے میں فرمایا فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۙ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ یعنی آپ نے ستاروں میں ایک نظر کی فرمایا میں بیمار ہو جاؤں گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ سبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں ہر روز بیت المقدس کے محراب میں ایک درخت لگ جاتا۔ آپ اس سے پوچھتے تیرا نام کیا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 5 (وزارت تعلیم)
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 857

ہے تو وہ کہتا میرا فلاں نام ہے۔ آپ پوچھتے کس مقصد کے لئے تجھے پیدا کیا گیا؟ وہ بتاتا مجھے فلاں فلاں مقصد کے لئے پیدا کیا گیا۔ آپ اسے کٹنے کا حکم دیتے تو وہ کٹ جاتا۔ اگر وہ بوئے جانے کے قابل ہوتا تو اسے بویا جاتا۔ اگر وہ دوا ہوتا تو اس کے بارے میں لکھ لیا جاتا۔ یہاں تک کہ محراب میں خروبہ اگی، آپ نے پوچھا تو کیا ہے؟ اس نے جواب دیا خروبہ ہوں۔ آپ نے پوچھا تجھے کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تو اس نے جواب دیا آپ کی مسجد کو برباد کرنے کے لئے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے المنقذ من الضلال میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ علم طب اور علم نجوم یہ علم قطعی عطا کرنے والے نہیں کیونکہ ادویہ اور ستاروں میں جو تاثیرات ہیں وہ عادی امر ہیں۔ ان ادویہ کے استعمال اور ان ستاروں کے ظاہر ہونے کے بعد قدرت الہیہ جاری ہوتی ہے جو ان آثار کو پیدا فرماتی ہے۔ کئی دفعہ ان چیزوں کے استعمال اور ستاروں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے جو آدمی ستاروں سے کسی چیز پر استدلال کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس ستارے کے طلوع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا جس طرح اس کا قانون ہے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ جس طرح کوئی آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوائی پینے کے بعد شفا دیتا ہے اور زہر پینے کے بعد موت دیتا ہے۔ مگر جو آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اس چیز کا وجود اس ستارے کی وجہ سے ہے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ جس طرح جو آدمی یہ اعتقاد رکھے کہ دوائی شفا دینے میں مؤثر حقیقی ہے۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر ہمیں حضور ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات کے وقت آسمان پر علامات ظاہر ہوئی تھیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا میرے بندوں میں سے ایک قوم نے صبح اس حالت میں کی کہ وہ مجھ پر ایمان رکھنے والی تھی اور کچھ کفر کرنے والی تھی۔ جن لوگوں نے یہ کہا اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہیں۔ مگر جنہوں نے یہ کہا ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھ سے کفر کرنے والے ہیں اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے ہیں، متفق علیہ۔(1)۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے متوخر الذکر عقیدہ کفر ہے جبکہ پہلا عقیدہ کفر نہیں مگر علوم نجوم میں مشغول ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ بے فائدہ کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علم نجوم حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔ اس نے علم میں اضافہ کیا لیکن حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں کیا(2)۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے علم نقاط اور علم خطوط کا بھی یہی حال ہے۔ اس علم کو علم املاء کہتے ہیں۔ یہ بھی انبیاء سے اخذ کیا گیا ہے یہ ظن کا فائدہ دیتا ہے علم قطعی کا فائدہ نہیں دیتا۔ فال پکڑنا کوئی شے نہیں۔

معاویہ بن حکم سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم دور جاہلیت میں کچھ کام کیا کرتے تھے۔ ہم کاہنوں کے پاس آتے تو آپ نے فرمایا کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو۔ میں نے عرض کی ہم فال پکڑتے تھے۔ فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو تم اپنے نفوس میں پاتے ہو۔ یہ فال تمہیں کسی کام سے نہ روکے۔ میں نے عرض کی ہم خط لگایا کرتے تھے۔ فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی خط لگایا کرتا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 59 (قدیمی)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 248، حدیث: 3726 (العلمیہ)

تھا۔ جس کا خط نبی کے خط کے موافق ہو گیا تو وہ اسی طرح ہو جاتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ اسی طرح جادو کا علم آسمان سے نازل ہوا لیکن جادو کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بعض اوقات علم غیب بھوکے رہنے والوں اور ریاضت کرنے والے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے جو بطور استدراج ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں اس علم کا منشا کشف اور عالم امثال کا مطالعہ ہے۔ کشف اور عالم امثال کے مطالعہ کی دو صورتیں ہیں:۔

(1) صوفی شریعت کی اتباع اور سنت کے نور کے ذریعے یہ حاصل کرتا ہے جب اس کے لئے ظاہری اور باطنی حواس جلا پا جاتے ہیں اسی کو فراست مومن کہتے ہیں۔

(2) بھوک، ریاضت اور نفس کی مخالفت کرنے سے بھی یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات اس کے ذریعے بعض غیوب سے یا مثالی صورتوں سے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو وہ ان چیزوں کو عیاں دیکھتا ہے تو یہ علم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

ساتھ ہی ساتھ جب وہ علم جو اولیاء کو کشف اور مثال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے، خطا کا احتمال رکھتا ہے تو کفار کو جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا کیونکہ کفار شیطانوں کے شاگرد ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو جھوٹی باتیں دھوکہ دینے کے لئے القاء کرتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہے تو ایسا نہ کر سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے۔ جو چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں ظہور غیب سے علم قطعی ہے۔ جہاں تک پہنچنے کا شیطان کو کوئی راہ نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

فانه میں فاء سببیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں میں سے نگہبان معین کرتا ہے۔ رصد یہ راصد کی جمع ہے۔ یہ نگہبان اس چیز کی حفاظت کرتے ہیں کہ شیطان اس میں سے کوئی چیز اچک نہ لیں یا جو چیز وحی میں نہ ہو اس کو خلط ملط نہ کر دیں۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے کہا جب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث کرتا ہے۔ ابلیس اس رسول کے پاس فرشتے کی صورت میں آتا اور اسے خبر دیتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے آگے پیچھے فرشتے معین کر دیئے جو اس کی حفاظت کرتے اور شیطانوں کو دور بھگاتے۔ جب شیطان فرشتے کی صورت میں اس رسول کے پاس آتا تو فرشتے اس رسول کو بتاتے کہ یہ شیطان ہے اس سے بچ کر رہ۔ جب فرشتہ حاضر ہوتا تو فرشتے کہتے یہ تیرے رب کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اسی کی مثل یہ آیت ہے لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

"تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔"

لِيَعْلَمَ کا فاعل اسم جلالت ہے۔ معنی ہوگا تاکہ اس کا علم اس کے ساتھ متعلق ہو۔ یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا بھی ہے لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ جار مجرور یسلک کے متعلق ہے اور یہ شیاطین سے محفوظ رکھنے کی علت ہے۔

ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ ابلغوا میں ضمیر سے مراد رسول ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ رسولوں سے ان کے رب کے پیغام کو پہنچانے کا عمل پایا جائے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور اختلاط نہ پایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا یعلم کی ضمیر رسول کی

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 232 (قدیمی)

طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی ہوگا رسول قطعی طور پر جان لے اور اس میں کوئی شک نہ رہے کہ اس نے اور دوسرے رسولوں نے ان کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے اور شیطان نے اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے لیعلم کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا کہ لوگ جان جائیں کہ رسولوں نے پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ رسولوں کے پاس جو علم ہے اللہ تعالیٰ اسے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اس نے پہاڑوں کے وزن، سمندروں کی گہرائی، بارش کے قطرات اور درختوں کے پتے رات نے جن پر تاریک ہوئی اور جن پر سورج چمکا سب کی تعداد کو شمار کئے ہوئے ہے۔ عددا یا تو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی عدّد عددا یا تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اَحْصٰی عَدَدَ کُلِّ شَیْءٍ یعنی اس نے ہر چیز کی تعداد کو شمار کر رکھا ہے، واللہ اعلم۔

سورۂ مزمل

ایاتہا ۲۰ سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ ۷۳ رکوعاتہا ۲

سورۂ مزمل کی ہے، اس میں 2 رکوع اور 20 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴿۴﴾

''اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا سا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو۔''

یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ یہ تَزَمَّلَ بِثِیَابِہٖ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لے۔ تاء کو زاء سے بدلا اور زاء کو زاء میں ادغام کر دیا۔ اسی کی مثل مدثر ہے۔ یہ تَدَثَّرَ بِثَوْبِہٖ سے مشتق ہے۔

رسالت کی تبلیغ سے پہلے وحی کے آغاز میں آپ کو اس طرح خطاب کیا گیا۔ بعد میں یاایہا النبی اور یاایہا الرسول کے الفاظ سے خطاب ہونے لگا۔ وحی کے آغاز میں وحی کی ہیبت کی وجہ سے آپ خوف زدہ ہوئے اور اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹ لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آواز سنی میں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے رعب کی وجہ سے ڈر گیا۔ قریب تھا کہ میں زمین پر گر پڑتا۔ میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یا ایہا المدثر سے لے کر فاھجر تک آیات کو نازل فرمایا۔ پھر لگاتار وحی آنے لگی، متفق علیہ۔(1)

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ یہ کلمات آپ نے دو دفعہ کہے۔ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ آپ سے خوف جاتا رہا(2)۔ ہم ان شاء اللہ اس حدیث کو سورۂ اقرا باسم ربک میں ذکر کریں گے۔ بزار اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ کہنے لگے اس آدمی کو ایسا نام دو جس کے باعث لوگ ان سے دور ہو جائیں۔ بعض نے کہا اسے کاہن کا نام دے دو۔ دوسروں نے کہا وہ کاہن تو نہیں۔ بعض نے کہا اسے مجنون کہہ دو۔ دوسروں نے کہا وہ مجنون بھی نہیں۔ بعض نے کہا اسے جادوگر کہہ دو۔ دوسرے کہنے لگے وہ جادوگر بھی تو نہیں۔ یہ بات حضور ﷺ

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 274، حدیث: 5843 (الفکر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 739 (وزارت تعلیم)

تک پہنچی تو آپ نے اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لیا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے یا ایھا المزمل اور یا ایھا المدثر سے خطاب کیا۔ (1)

۲؎ نماز کو قیام سے تعبیر کیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کل کو جزء کا نام دے دیا گیا۔ یہ آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ قیام نماز کا رکن ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ اللیل یہ ظرف زمان ہے۔ حرف جر حذف ہے اور استیعاب پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح صمت شهرا میں پورا مہینہ مراد ہے جبکہ صمت فی الشهر سے مراد مکمل مہینہ نہیں۔ الا قلیلا سے رات کے بعض حصے کا قیام باقی رہا جبکہ مستثنیٰ مبہم ہو تو مستثنیٰ منہ میں بھی ابہام آ جاتا ہے جس وجہ سے محکوم بہ مجمل ہو جاتا ہے جسے بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ وضاحت فرمائی۔

۳؎ یہ اللیل سے بدل کل ہے جس سے قلیل کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے کیونکہ جب کسی چیز سے استثناء کی گئی ہو تو باقی ماندہ ہی منطوق کے حکم میں ہوتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم نصف اللیل۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ قلیل سے بدل ہے اور اس کا بیان ہے۔ مستثنیٰ کے بیان سے باقی ماندہ بھی واضح ہو گیا اور ابہام زائل ہو گیا اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی قم اللیل الا نصفه۔ دونوں تقدیروں کا معنی ایک ہی ہے۔ نصف کو جو قلیل کہا گیا یہ نصف کو کل کی طرف منسوب کرنے کے اعتبار سے ہے۔ نصف رات تک سونا عموماً نیند سے کم ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور اس لئے بھی کہ تہجد کے لئے جب اس نے نصف رات قیام کیا تو باقی نصف رہ گیا جس میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری بشری ضروریات ہوتی ہیں جیسے کھانا پینا اور بیت الخلاء جانا۔ اس لئے نصف سے کم ہی وقت سونے کے لئے رہ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا نصفه یہ اللیل سے بدل ہے اور استثناء نصفه سے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم نصف اللیل الا قلیلا۔ اس صورت میں استثناء نصف سے ہوگی جو ذکر میں مستثنیٰ کے بعد ہے۔ اس صورت میں نصفه، اللیل سے بدل بعض ہوگا۔ قصر میں بدل بعض کا حکم وہی ہوتا ہے جو استثناء کا ہوتا ہے۔ کلام کا مقتضی یہ ہوگا کہ بدل کے ذریعے قصر پر استثناء کے ذریعے قصر کو مقدم کیا جائے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کلام بیان کے بعد مجمل ہو۔

انقص کا عطف قم اللیل پر ہے۔ منه میں ہ ضمیر سے مراد نصف باقی ہے جو استثناء کے بعد باقی بچتا ہے۔ قلیلا یہ یا تو زمانا کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے یا انقصانا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قیام چوتھائی حصہ سے زیادہ ہو یا نصف سے زیادہ ہو جتنا آپ چاہیں۔ اس آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ رات کا قیام چوتھائی حصہ سے زیادہ ہو اگرچہ ایک ساعت ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں قیام کا حکم وجوب کے لئے ہے جس طرح اصل میں امر کا مقتضی ہے۔ بغوی کے کلام کا مفہوم بھی یہی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسروں کے قول سے بھی یہی معنی سمجھا آتا ہے کہ اس آیت کے ذریعے حضور ﷺ اور آپ کی امت پر رات کا قیام واجب ہے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اسی حساب سے قیام فرماتے لیکن آدمی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ رات کا تیسرا حصہ، نصف و ثلث کب ہوں گے۔ وہ صبح تک عبادت کرتے رہتے۔ خوف یہ ہوتا کہ جتنا حصہ قیام کرنا ضروری ہے وہ رہ نہ جائے۔ یہ ان پر بہت مشکل ہو گیا اور ان کے قدموں میں سوجن آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا ان پر تخفیف فرمائی اور اس حکم کے ساتھ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کے ساتھ حکم منسوخ فرمایا (2)۔ اب اس طرح قیام کرنا سنت ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 440 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریہ)

حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوا، عرض کی آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کی میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا نبی کریم ﷺ کے اخلاق قرآن تھے۔ میں نے عرض کی رسول اللہ ﷺ کا قیام تو مومنوں کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔ فرمایا کیا تو سورۂ مزمل نہیں پڑھتا؟ میں نے عرض کی میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں رات کے قیام کو فرض قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ایک سال تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدموں میں سوجن آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اختتام کو ایک سال تک آسمانوں میں روکے رکھا۔ پھر اس سورت کے اختتام میں تخفیف کو نازل فرمایا۔ پھر یہ فرض نفل ہو گیا (1)۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح نقل کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ سے روایت کیا ہے۔ مقاتل اور ابن کیسان رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم مکہ مکرمہ میں تھا جب تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے نماز تہجد کا وجوب حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی امر پر دلالت کرتا ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ کیونکہ مِنَ کا کلمہ بعضیہ ہے اور اس امر میں صریح ہے کہ بعض صحابہ دوسرے صحابہ سے کم قیام کرتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر تہجد کا وجوب حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص تھا تو تخفیف کی یہ علت کیسے بن سکتی ہے: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ یہ آیت تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس رخصت میں امت کی حالت اور کمزوری کا اعتبار کیا گیا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے اس معاملہ میں تخفیف اس لئے کی کیونکہ آپ کی امت میں کمزوری ہے اور ان میں کئی رکاوٹیں پائی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ جب کسی عمل پر مواظبت اختیار کرتے ہیں تو امت کے لئے وہ مسنون ہو جاتا ہے اگرچہ وہ واجب تو نہیں ہوتا لیکن امت سے اس کے بجالانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے بلکہ جو اس عمل کو ترک کرتا ہے اس پر ملامت بھی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ جو یہ بات کی گئی کہ مسنون اس امر کو کہتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے بطور نفل مواظبت اختیار کی ہو بطور نفل کی قید صوم وصال اور اس جیسے امور سے بچنے کے لئے لگائی گئی تو یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ جن امور پر حضور ﷺ نے مواظبت اختیار کی ہے۔ ان میں اصل ان کی پیروی کرنا ہے۔ اس امر کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جا سکتا جب تک وہ امر امت کے حق میں حرام یا ممنوع نہ ہو۔ جس طرح صوم وصال، چار سے زیادہ عورتوں سے ایک وقت میں شادی کرنا۔ اسی طرح کے دوسرے خاص کام جو حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے اس قید کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ کا عطف قم اللیل پر ہے۔ جو یہ بات کی گئی کہ ترتیل کا حکم مندوب (مستحب) ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے اور رتل کا عطف قم پر ہے تو یہ عطف اس بات کا بھی تقاضا کرے گا کہ قیام کا حکم بھی ندب (استحباب) کے لئے ہو گا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حافظ قرآن کو کہا جائے گا پڑھتا جا اور منازل چڑھتا جا۔ اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیرا ٹھکانہ وہاں ہو گا جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (2)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم)

ترتیل کا معنی یہ ہے کہ منہ سے کلمات سہولت اور درستگی کے ساتھ ادا کرنا صراح اور قاموس میں اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ مروی ہے کہ قرآن کو واضح کر کے الفاظ کو جدا جدا کر کے پڑھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی مروی ہے۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی الگ الگ الفاظ ادا کرنا ہے (1)۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، نبی کریم ﷺ کی قرأت کیسے تھی؟ فرمایا آپ کی قرأت میں طوالت تھی۔ پھر آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کی۔ آپ نے لفظ اللہ لفظ رحمٰن اور لفظ رحیم کو کھینچ کر روایت کیا۔ اسے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں ان تینوں کلمات کو کھینچ کر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ اللہ میں لام کے بعد الف اور رحمٰن میں میم کے بعد الف کو ایک حرکت کے برابر کھینچ کر پڑھتے تھے۔ رحیم میں وقف کی صورت میں مدکو دو، چار یا چھ حرکتوں کے برابر لمبا کرنا جائز ہے۔ وصل کی صورت میں ایک حرکت کے برابر لمبا کرنا جائز ہے۔ اسی پر تمام قاریوں کا اجماع ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی قرأت کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے آپ کی قرأت کی صفت بیان کرتے ہوئے ہر ہر لفظ کو الگ الگ کر کے پڑھا (3)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ان دونوں سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ جملوں کو الگ الگ کر کے پڑھتے آپ الحمد للہ رب العالمین پر وقف کرتے۔ پھر آپ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر وقف کرتے۔ اسے امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔ میں کہتا ہوں ترتیل کا معنی قرآن کو اچھی لے کے ساتھ پڑھنا بھی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس نبی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اچھی آواز میں قرآن پڑھتا ہے، متفق علیہ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت مروی ہے اللہ تعالیٰ کسی کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس نبی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو بلند آواز کے ساتھ اچھی لے میں قرآن پڑھتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اچھی لے میں قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (6)۔ یہاں یتغنی سے مراد اچھی آواز سے قرآن پڑھنا ہے جس طرح دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اسے گانے کے انداز میں پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ حرام اور ممنوع ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عربوں کے لہجہ اور ان کی آواز میں قرآن پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے انداز میں قرآن نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو گانے اور نوحے کے انداز میں قرآن پڑھیں گے۔ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل بھی آزمائش میں ڈالے گئے اور ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہیں جنہیں ان قاریوں کا اس طرح پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے شعب میں روایت کیا ہے۔ (7)

فائدہ: ۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور الفاظ میں نصیحت حاصل کرنے کے لئے تدبر کیا جائے، وعید والی آیت پر اللہ سے ڈرا جائے، وعدہ والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے امید رکھی جائے۔ اسی طرح کی دوسری روایات ہیں۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے قرآن کو ردی کھجوروں کی طرح نہ بکھیرو اور نہ شعر کی طرح اسے گا۔ؤ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 137 (التجاریہ)　2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 754 (وزارت تعلیم)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 116 (وزارت تعلیم)　4۔ ایضاً　5۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 751 (وزارت تعلیم)
6۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 600 (الفکر)　7۔ شعب الایمان، 2649 (العلمیہ)

اس کے عجائبات پر ٹھہرو، اس کے ساتھ اپنے دلوں کو حرکت دو، سورت کا ختم کرنا تمہارا مقصود نہ ہو(1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ آپ کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو ٹھہر جاتے اور جنت کا سوال کرتے اور اور کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں آگ کا ذکر ہوتا تو آپ ٹھہر جاتے اور جہنم سے پناہ چاہتے۔

حضرت عبیدالملیکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ صحابی تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے قرآن کے حاملین قرآن کو تکیہ نہ بنا لو، دن رات اس کو اس طرح تلاوت کرو جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ اسے پھیلاؤ، اچھی آواز میں اس کی تلاوت کرو، جو کچھ اس میں ہے اس میں غور وفکر کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، اسے جلدی جلدی نہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں روایت کیا ہے۔ حضرت سعد بن عبداللہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ ہم تلاوت کر رہے تھے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ فرمایا الحمد للہ کتاب ایک ہے۔ تم میں نیک لوگ ہیں، سرخ ہیں، سیاہ ہیں اور سفید ہیں۔ ان قوموں کے آنے سے پہلے قرآن پڑھو جو قرآن کی تلاوت کریں گے۔ وہ حروف کو اس طرح درست کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ جلدی اجر کی خواہش کریں گے اور آخرت کے اجر کی خواہش نہیں رکھیں گے۔(2)

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝

"بے شک ہم جلد ہی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام 1۔ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے 2۔"

1۔ قول ثقیل سے مراد رات میں قیام کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ حکم ثقیل ہے اور نفس پر بڑا شاق گزرتا ہے۔ یہ جملہ اس تاویل کی بناء پر سابقہ جملہ کے لئے تذئیل اور تاکید ہے۔ سنلقی میں سین تاکید کے لئے ہے زمانہ مستقبل کے لئے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے قرآن مراد ہے۔ محمد بن کعب نے کہا قرآن منافقین پر ثقیل ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ارشاد بھی اس ارشاد کی طرح ہے كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ۔ حسن بن فضل نے کہا قرآن میزان میں ثقیل ہے(3)۔ میں کہتا ہوں اس قول کی مثل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ متفق علیہ (4)۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قرآن اس لئے ثقیل ہے کیونکہ اس میں امر، نہی اور حدود ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا وعدہ اور وعید میں ثقیل ہے(5)۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثقیل اس لئے ہے کیونکہ اس میں مشکل احکامات ہیں، اس میں وعدہ اور وعید ہے، قیامت کا ذکر مکلفین پر ثقیل ہے، خصوصاً حضور ﷺ کے لئے ثقیل ہے کیونکہ حضور ﷺ پر یہ بھی لازم ہے کہ آپ اس کے احکامات کو اپنے اوپر لازم کریں اور اپنی امت پر بھی اسے لازم کریں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن عامر اور ابن ابی جحیفہ سے روایت کیا ہے، یعنی اس میں جو احکامات ہیں انہوں نے مجھے بوڑھا کر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 138 (التجاریہ) 2۔ ایضاً۔ 3۔ ایضاً
4۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 24، حدیث: 2298 (الفکر) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 138 (التجاریہ)

دیا ہے جیسے فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ یا اس میں قیامت اور سابقہ امتوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ اسی مفہوم پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مجھے سورۂ ھود، واقعہ، مرسلت، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔(1) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن احمد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے کیونکہ ان میں قیامت اور دوسری امتوں کے واقعات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ غور و فکر کرنے والے کے لئے ثقیل ہے کیونکہ غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے دل کو پاک کرے اور نظر و فکر کو دوسری چیزوں سے الگ تھلگ کرے کیونکہ ان کے الفاظ باوقار اور معانی بڑے مضبوط ہیں۔ یہ تعبیر پہلی اور بعد والی آیتوں کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں تدبر کیا جائے اور اس کو سمجھا جائے اور نماز تہجد دل کو زبان کے زیادہ موافق کرنے والی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ صوفی کے باطن پر زیادہ ثقیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل پر تجلی فرماتا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ قرآن ثقیل (بھاری) ہے ہلکا اور لچر نہیں کیونکہ یہ ہمارے رب کا کلام ہے(2)۔ ہمارے شیخ اجل یقین کے راستہ کی طرف راہنمائی کرنے والے رب العالمین کے محبوب سیف الملت والدین نے فرمایا کہ قرآن کی حقیقت کا انکشاف سالک کے باطن پر ثقیل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ میں کہتا ہوں اس معرفت کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ قرآن کو لینا بڑا بھاری ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو یہ آپ کے لئے بڑے کرب کا باعث ہوتی اور آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ اپنا سر جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی سر جھکا لیتے جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ اپنا سر اٹھا لیتے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبھی گھنٹی کی آواز کی صورت میں مجھ پر وحی آتی ہے۔ یہ صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ وحی ختم ہوتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے، وہ مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں نے سخت سردی میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی، وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا۔ متفق علیہ۔(3) اس قول کا بھی احتمال ہے کہ یہ اس بناء پر ثقیل ہے کیونکہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ دعوت و تبلیغ اور ارشاد و تکمیل کے لئے مخلوق کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اسی طرح فرمان ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ جبکہ پہلے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور اسی کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ ﷺ غار حراء میں اکیلے ہوتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت کرتے رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ گھر جانا اور زاد راہ لینا یہ ثقیل تھا کیونکہ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور زاد راہ لے کر

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 162 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 138 (التجاریہ) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (و۔ت)

پھر غار حراء میں تشریف لے جاتے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔ کسی کی راہنمائی کرنا اور دوسرے کو کمال عطا کرنا اگرچہ اپنے آپ کو کامل بنانے اور خلوت گزینی سے افضل ہے۔ لیکن بعض اوقات صوفی کے نزدیک اس کے برعکس ہوتا ہے جس وجہ سے وہ اسے اپنے اوپر بوجھ خیال کرتا ہے۔ صوفی یہ گمان کرتا ہے کہ مخلوق کی ہدایت اور انہیں مرتبہ کمال پر فائز کرنا یہ توجہ الی اللہ اور خلوت گزینی سے کم درجہ کی چیز ہے۔ اسی وجہ سے یہ قول بھی کیا جاتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے، یعنی نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہے کیونکہ ایسا قول کرنے والے کا یہ گمان ہے کہ ولایت کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے اور نبوت کا معنی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ نبوت ولایت سے مطلقاً افضل ہے کیونکہ نبوت کا مطلب ذات باری تعالیٰ میں سیر کرنا ہے اور ولایت کا مطلب صفات میں سیر کرنا ہے۔ دونوں کے درمیان بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کو عروج اور مخلوق کی طرف توجہ کرنے کو نزول کہتے ہیں۔ دونوں سیروں کے درمیان صوفی کو عروج و نزول دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ مقام ولایت میں مرتبہ نزول پر فائز ہونے والا شخص اگرچہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن وہ مرتبہ عروج میں اپنی انتہا کو نہیں پاتا اس لئے وہ بلندیوں کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مقصود کمال کی انتہاء کو پانا ہوتا ہے۔ مقام نبوت پر فائز ہستی مرتبہ نزول پر اسی وقت فائز ہوتی ہے۔ جب وہ مقام عروج کی انتہاء کو پا چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ مخلوق کو مرتبہ کمال پر فائز کرنے کے لئے مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے، اگرچہ یہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مقام نبوت پر فائز ہونے والی ہستی افضل و اکمل ہوتی ہے۔ یہ جہاد کا سلسلہ باقی رہے گا جب تک یہ زندگی باقی ہے۔ اس زندگی سے فارغ ہونے کے بعد وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے اجر اور جنہوں نے اس کی کاوشوں سے ہدایت پائی ان کے اجر کی وجہ سے وہ مکمل طور پر بلند درجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انا سنلقی والا جملہ یا تو سابقہ جملہ کی تکمیل و تاکید ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے اور رات کو قیام کرنے کی حکمت کو بیان کرتا ہے کیونکہ رات کو قیام کرنے کی وجہ سے نفس کو مشقت پر مشق ہوتی ہے اور نفس کی مخالفت کرنے پر تجربہ ہوتا ہے یا نماز حضور ﷺ کے لئے قرار کا باعث ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (1)۔ اسے امام احمد، نسائی اور بیہقی رحہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا اے بلال نماز کی اقامت کہہ کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خزاعی صحابی سے روایت کیا ہے۔ اس طرح حضور ﷺ کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے جو بوجھ برداشت کرنا پڑتا تھا، وہ تہجد کی وجہ سے دور ہو جاتا یا رات کو حضور ﷺ کا قیام امت کے نفوس میں گہرا اثر چھوڑتا تاکہ جونہی امت کے افراد حضور ﷺ کا ارشاد سنیں تو فوراً اسے قبول کریں۔ جس طرح جب جنوں نے آپ کی زبان سے قرآن حکیم کو سنا تو فوراً اسے قبول کر لیا یا آپ ﷺ کے رات کے قیام کا آپ کے مقام شفاعت پر کھڑا ہونے میں بڑا دخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

ع ناشئة اللیل کا معنی قیام اللیل ہے۔ ناشئہ مصدر ہے جو اسم فاعل کے وزن پر آیا ہے۔ جس طرح عافیہ عفو کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ناشئہ سے مراد سونے کے بعد رات کو قیام کرنا ہے۔ یہ تہجد کے معنی میں ہے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ رات کے آخری پہر میں قیام کرنا ہے۔ سعید

1۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 287 (التراث الاسلامی)

بن جبیر اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا رات کے جس حصہ میں اس نے قیام کیا تو اس پر نشا کا اطلاق ہوگا۔ حبشیوں کی زبان میں نشأ فلان کا معنی قام فلان ہے۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا یہ رات کے پہلے پہر قیام کرنا ہے۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے تو فرماتے یہی ناشئة اللیل ہے(1)۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ دونوں قول اس مقام کے مناسب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کو رات کے آخری حصہ میں قیام کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا عشاء کے بعد جو بھی نماز ہوتی ہے وہ ناشئہ ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد وہ نفس ہے جو اپنے بستر سے عبادت کے لئے اٹھتا ہے۔ یہ نشا من مکانہ سے مشتق ہے جب وہ رات کی تمام ساعتوں میں اٹھا۔ رات کی ہر ساعت ناشئہ ہے کیونکہ اس ساعت کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی سے نشأت السحابة کہتے ہیں۔ ہر چیز جو رات کو پیدا ہوا اور ظاہر ہوا سے ناشی کہتے ہیں۔ اس کی جمع ناشئہ ہے۔ ابن ابی ملیکہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے معنی کے بارے میں پوچھا تو دونوں نے فرمایا تمام رات ناشئہ ہے(3)۔ اس صورت میں ناشئة اللیل میں اضافت بیانیہ ہوگی۔ ابن عامر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے وطاء پڑھا ہے جس کا معنی موافقت ہے، یعنی رات کا قیام دل کو زبان کے زیادہ موافق کرنے والا ہے کیونکہ دن کی بنسبت حاجت کے وقت یہ موافقت زیادہ ہوتی ہے جبکہ جمہور قراء نے اسے وَطْأً پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا دن کی نماز کے مقابلہ میں رات کی نماز زیادہ مشکل ہے کیونکہ رات نیند اور راحت کے لئے بنائی گئی۔ ہے اسی معنی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے اے اللہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے۔ جب ایک انسان مشکل ترین عبادت کا عادی ہو جائے تو اس پر تمام اعمال کی مشقت آسان ہو جاتی ہے۔ عبادت نفس پر جتنی مشکل ہوگی اگر اس میں سنت کی رعایت کی جائے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ پھر ان میں وہ زیادہ وزنی ہوگی اور نفوس میں ان کا اتنا ہی زیادہ اثر ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رات کے پہلے حصے میں ان کا نماز پڑھنا اس کے زیادہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قیام ان پر فرض کیا ہے اس کو ملحوظ رکھیں کیونکہ انسان جب سو جاتا ہے تو وہ یہ نہیں جانتا کہ کب بیدار ہوگا۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ رات کا قیام بھلائی میں زیادہ ثابت قدم کرنے والا اور قرأت کو زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔ فراء رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے رات کا قیام نماز شب کی تیاری کو پختہ کرنے والا اور دن کی نماز کی بنسبت نمازی کے لئے زیادہ آسانی کا باعث ہے کیونکہ دن کو لوگوں کے کام کاج کے لئے بنایا گیا ہے جبکہ رات خلوت اور عبادت کے لئے بنائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ زیادہ چستی کا باعث ہے کیونکہ جو عمل نفس پر زیادہ ثقیل کا باعث ہو وہ سوفی کے لئے اتنی ہی لذت کا باعث ہوتا ہے۔ ابن زید رحمتہ اللہ علیہ نے کہا دن کی بنسبت رات کا قیام زیادہ فارغ البالی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ رات کے وقت نہ کوئی کام رکاوٹ بنتا ہے اور نہ ہی کوئی اور مانع ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بھلائی کے زیادہ مناسب اور شیطان سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔ نیز رات کا قیام ماحول اور آوازوں کے پرسکون ہونے کی وجہ سے قرأت کو زیادہ ثبت کرنے والا اور الفاظ کو درستگی عطا کرنے والا ہے۔(4)

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

"یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں[1] اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو[2]"

[1] سبح کا معنی جانے میں جلدی کرنا ہے۔ اسی سے پانی میں تیرنے کے لئے سباحہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ دن کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 139 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وقت آپ کو اہم کام سرانجام دینے ہوتے ہیں، مخلوق کی دعوت و تبلیغ کرنا ہوتی ہے، احکام کی تعلیم دینا ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ مختلف امور کے بارے میں مصروفیت ہوتی ہے۔ اس لئے تہجد کو لازم پکڑو کیونکہ رات اس کے لئے زیادہ فارغ ہوتی ہے۔ یہ آیت سابقہ آیت کے لئے علت کی طرح ہے۔

رات کی نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر رات ہمارا رب دنیا کے آسمان پر جلوہ فرماتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں، متفق علیہ (1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے پھر وہ اپنے ہاتھ بڑھاتا ہے اور فرماتا ہے وہ کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے اور نہ ہی ظلم کرنے والی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رات میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نمازوں میں سے سب سے اللہ کو محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سے سب سے زیادہ اللہ کو محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ آپ نصف رات سوتے رات کا تیسرا حصہ عبادت کرتے اور چھٹا حصہ سو جاتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، متفق علیہ (3)۔ ابی امامہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر رات کا قیام لازمی ہے کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے یہ تمہیں تمہارے رب کے قریب کرنے والا ہے گناہوں کو مٹانے والا اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (4)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ مسکراتا ہے: (1) جب ایک آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے، (2) قوم جب وہ نماز میں صف بندی کرتی ہے، (3) قوم جب دشمن سے جنگ کرنے میں صف بندی کرتی ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ عمرو بن عیینہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اگر تم یہ طاقت رکھو کہ تو ان لوگوں میں سے ہو جائے جو اس وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان لوگوں میں سے ہو جا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے بہترین لوگ حاملین قرآن اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں روایت کیا ہے۔

یہ اذکر اسم ربک کا عطف قم اللیل پر ہے۔ اس سے مراد رات دن اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جس میں کوئی انقطاع اور سستی نہ ہو۔ ایسا عمل زبان سے تو ممکن نہیں، زبان اور اعضاء سے تسبیح، تحمید، قرأت اور اس جیسے جو ذکر ہوتے ہیں ان میں نیت کا فتور آ ہی جاتا ہے۔ اس آیت میں ذکر سے مراد دل کا ذکر ہے۔ ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ ذکر کا معنی غفلت کو دور کرنا ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں مقابلہ تقاضا کرتا ہے ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ بِمَنْزِلَةِ الصَّابِرِ فِي الْغَارِّيْنَ۔ جو نماز، تسبیح اور قرأت غافل

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 153 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 258 (قدیمی) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 152 (وزارت تعلیم)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 194 (وزارت تعلیم) 5۔ ایضاً

دل سے کی جائے اس کا کوئی شمار نہیں ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ہم نے کہا ہے کہ اس سے مراد دائمی ذکر ہے کیونکہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے، رات کی عبادت اور قرآن حکیم کی قرأت مطلق ذکر کو اپنے ضمن میں لئے ہوتی ہے۔ کلام کو اس معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے بجائے اس کے کہ اسے تاکید پر محمول کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہو۔

مسئلہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھنا سنت ہے جبکہ وہ قرأت کا آغاز اس سورت سے کررہا ہو ماقبل کو ساتھ نہ ملا رہا ہو دو سورتوں کی قرأت کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ابن کثیر، قالون اور عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا سورۃ الانفال اور براءت کے علاوہ پورے قرآن میں دو سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھتے انفال اور براءت کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ نہ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ باقی قراء دو سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ نہیں پڑھتے۔ حمزہ کے اصحاب جب ایک سورت کا اختتام کرتے تو دوسری سورت کا کچھ حصہ پڑھتے۔ ورش، ابی عمرو اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ سورت کے اختتام پر سکتہ کرتے وقف نہ کرتے سورتوں کے درمیان سے قرأت کرنے کی صورت میں قاری کو اختیار ہوتا کہ چاہے تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لے چاہے اس کو چھوڑ دے۔ یہ تمام قراء کا مسلک ہے۔ یہ نماز کے باہر قرأت کا طریقہ ہے مگر جب وہ نماز میں قرأت کررہا ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کا جزء ہے اس لئے سورۂ فاتحہ کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ شریف پڑھنا واجب ہے۔ دوسری سورت کے ساتھ اسے پڑھنا سنت ہے۔ اس لئے وہ بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ تینوں ائمہ نے فرمایا یہ کسی سورت کا بھی حصہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے جو دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کے لئے نازل ہوئی اس وجہ سے وہ بِسْمِ اللّٰهِ شریف کی بلند آواز سے قرأت نہیں کرے گا جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ سورۂ فاتحہ کے آغاز میں اور نہ ہی کسی اور سورت کے آغاز میں اس کی قرأت کرے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کے آغاز میں آہستہ قرأت کرنا سنت ہے جب کوئی اور سورت سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملائے گا تو بِسْمِ اللّٰهِ کی قرأت نہیں کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ ہر سورت کے ساتھ اسے مخفی انداز میں قرأت کرنا مستحب ہے۔ ہم نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں دلیل ذکر کردی ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا حصہ نہیں اور نہ ہی کسی اور سورت کا یہ حصہ ہے۔ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین اسے نماز میں بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے احباب نے بِسْمِ اللّٰهِ شریف کو بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں نو احادیث بیان کی ہیں جنہیں دارقطنی اور خطیب رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، جنہیں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نبی کریم ﷺ سے بِسْمِ اللّٰهِ کو بلند آواز سے پڑھنے کی جتنی روایات بھی مروی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، جو صحابہ سے مروی ہیں ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بِسْمِ اللّٰهِ شریف کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ مسیلمہ کذاب اپنے آپ کو رحمن یمامہ کہلواتا۔ اہل مکہ نے کہا محمد (ﷺ) یمامہ کے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تو آپ نے اسے آہستہ پڑھنا شروع کردیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اسے بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ بلند آواز سے نہ پڑھنے کی روایات حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان،

حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اسی طرح کبار تابعین سے بھی ایسی روایات مروی ہیں جن میں حضرت حسن بصری، امام شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم، قتادہ، عمر بن عبدالعزیز، اعمش اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ علماء نے حضرت معاویہ، عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

تبتیل یہ تبتل کا مفعول مطلق ہے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے اس کو تبتل کی جگہ ذکر کیا ہے۔ نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے عموماً تبتل کسبی امر ہے جسے حاصل کرنے کے لئے تعمق اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ تبتیل تبتل سے مقدم ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں کہا کوشش کرو۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تبتل کا معنی دنیا اور مافیہا کو چھوڑنا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کی التماس کرنا ہے(1)۔ گویا یہ فرمایا اپنے دل کو غیر اللہ سے الگ کرو اور صرف اللہ کے ہو رہو۔ تبتل کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں سے ملاقات ترک کر دی جائے، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے اور اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ دین میں کوئی رہبانیت نہیں کیونکہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے، تیرے گھر والوں کا تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے حسی اور علمی تعلق کو ختم کر دیا جائے۔ صوفیاء نے کہا ہم جس راستے کو طے کرنا چاہتے ہیں اس کو طے کرنے کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل مخلوقات سے قطع تعلق کرنا، دوسری منزل حق تک پہنچنا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری کو لازم ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دونوں منزلوں کو واؤ عاطفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو جمع کے لئے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان واذکر اسم ربک کو تبتل سے پہلے ذکر کیا جس کا معنی حق تک پہنچنا ہے۔ تبتل (مخلوق سے قطع تعلق) کا مقصود بھی حق تک پہنچنا تھا (اس لئے مقصود پہلے ذکر کیا)۔ ہم نے یہ کہا کہ اس ذکر سے مراد حق تک پہنچنا ہے کیونکہ وہ ذکر جس میں سستی اور تساہل واقع نہیں ہوتا وہ علم حضوری ہے جس کا علم حصولی میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ علم حضوری سے مراد یہ ہے کہ نفس معلوم عالم کے پاس حاضر رہے اسی کو دوام حضور، وصول، اتصال، اتحاد اور ان جیسے مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ متقدمین اسی کو اخلاص سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا خالص اللہ کے لئے عمل کرو(2)۔ یہاں واذکر اسم ربک فرمایا ہے اذکر ربک نہیں فرمایا کیونکہ تبتل کو جو چیز لازم ہوتی ہے۔ اسی کو فناء کہتے ہیں۔ یہ اسماء و صفات کا علم ہے۔ یہ وہ علم نہیں جو ذات سے متعلق ہو کیونکہ وہ تو وراء الوراء ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ذکر سے مراد زبانی ذکر ہو جو دل کے موافق ہو اور دوام ذکر سے مراد دوام عرفی ہو جس کا معنی بشری طاقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا ہے۔ یہی چیز انسان کو تبتل کی طرف لے جاتی ہے اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں منتخب کیا جائے جس طرح انبیاء اور اولیاء میں سے افراد کو چنا جاتا ہے یا شیخ کی طرف سے جذب ہو۔ اسی وجہ سے تبتل پر ذکر کو مقدم کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔

یہ چیز بھی ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان واذکر اسم ربک میں اسم ذات کے تکرار کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں جب لفظ رب کو مجرور پڑھا جائے تو یہ اس تصور کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 104 (التجاریہ)
2۔ ایضاً

ممکنات کو محیط ہے۔ نفی اور اثبات کا ذکر اور اسم ذات کا تکرار ہی کمالات ولایت کے حاملین کے طریقہ کی بنیاد ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغائرت ثابت ہوتی ہے۔ میری مراد قم اللیل، رتل القرآن واذکر اسم ربک ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان چاروں امور یعنی نماز، قرآن کی تلاوت، اسم ذات کا ذکر اور نفی و اثبات ہی قرب کے مراتب اور درجات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے دونوں ان کا ذریعہ ہیں جو کمال کی انتہاء پر فائز ہوتے ہیں اور آخری دو اہل ابتداء کے لئے ذریعہ ہیں۔ پہلے دونوں ذریعوں کو مقدم ذکر کیا جبکہ دوسرے دونوں کو مؤخر ذکر کیا کیونکہ پہلے میں مخاطب حضور ﷺ کی ذات ہے جو اہل انتہاء کی اکمل ترین ذات ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾

"مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز"۔[1]

[1] نافع، ابن کثیر، ابو عمرو اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے لفظ رب کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ هو رب المشرق و المغرب یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر لا اله الا هو ہے جبکہ باقی قراء نے لفظ رب کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ ربک سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں صرف قسم مضمر ہے اور اس کا جواب لا اله الا هو ہے۔ فاتخذ میں فاء سببیہ ہے کیونکہ وہ تمام مخلوقات کا رب ہے۔ اس کا اکیلے الله ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام امور کو اسی کے سپرد کیا جائے۔ اس آیت میں ایک وہم کو دور کیا گیا ہے۔ وہم یہ ہے کہ مخلوق سے انقطاع ممکن ہے جو اس کی زندگی کے معاملات میں خلل کا باعث ہو کیونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ انسان ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اس وہم کو اس طرح باطل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مشرق و مغرب میں موجود انسان، شجر، افعال، منافع اور دل سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے، وہی معبود برحق ہے کسی کے لئے نفع و نقصان کا تصور اس کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس اسے کارساز بنائیے وہ دوسروں کے مقابلہ میں تمہارے لئے کافی ہو جائے گا اور وہ کتنا بہترین کارساز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح وہ پرندوں کو رزق عطا فرماتا ہے۔ وہ صبح بھوکے روانہ ہوتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روح القدس نے میری روح میں القاء کیا ہے کہ کوئی نفس بھی اس وقت تک نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا مکمل رزق حاصل کر لیتا ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی طلب میں حسن پیدا کرو۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابوذر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں دنیا میں زہد یہ نہیں کہ انسان حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور مال ضائع کرتا رہے بلکہ دنیا میں زہد یہ ہے کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں ہے وہ تیرے نزدیک اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو اور جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو اس کے بدلہ کی اتنی امید ہو کہ تم اس مصیبت کے باقی رہنے کی تمنا کرنے لگو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ ہمارے شیخ اجل ہمارے امام اور ہمارے قبلہ یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا سورت کے آغاز سے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 57 (وزارت تعلیم)

اس آیت تک سلوک کے مقامات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کو خلوت اختیار کی جائے، قرآن پڑھنے میں مشغول رہا جائے، رحمن کا ذکر کیا جائے، ماسوا کی نفی کی جائے، اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے پھر سلوک کے اعلیٰ مقامات کی طرف اشارہ کیا وہ دشمنوں کے ظلم پر صبر کرنا ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝

"اور صبر کیجئے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جایئے بڑی خوبصورتی سے [1] آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں [2] ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے [3] اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب ہے [4]"

[1] کفار جو خرافات کہتے ہیں ان پر صبر کیجئے کیونکہ وہ حضور ﷺ کے بارے میں کبھی یہ کہتے کہ آپ کاہن ہیں، کبھی کہتے آپ شاعر ہیں، کبھی کہتے آپ مجنوں ہیں۔ آپ ان سے پہلو تہی کیجئے، ان کا مقابلہ نہ کریں، ان کے معاملے کو میرے سپرد کر دیں۔ اس آیت کا حکم آیت قتال سے منسوخ ہے۔

[2] والمكذبين میں واؤ مع کے معنی میں ہے، اسے عاطفہ بنانا جائز نہیں۔ معنی یہ ہوگا ان کے معاملے کو میرے سپرد کر دیں۔ میں تیری طرف سے انہیں بدلہ دینے میں کافی ہوں ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں۔ اولی النعمة سے مراد قریش کے سردار ہیں۔ قليلا یا توزمانا کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے یا امهالا کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے، یعنی انہیں موت تک مہلت دو یا جہاد کا حکم آنے تک انہیں مہلت دو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے گا، مومنوں کے سینوں کو شفاف کر دے گا اور ان کے دلوں کے غصہ کو ختم کر دے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت بدر کے مقتولوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے تھوڑا عرصہ بعد انہیں بدر کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ (1)

[3] یہ جملہ سابقہ جملہ میں فعل امر کی علت بیان کر رہا ہے۔ نکل بھاری بیڑی کو کہتے ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انکال سے مراد آگ کی بیڑیاں ہیں۔

[4] وہ گلے میں اٹک جائے گا، نہ نیچے اترے گا نہ باہر نکلے گا۔ ابن جریر اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے جہنم کی صفت میں حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طعاما ذا غصة کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زقوم کا درخت ہے (2)۔ عبد اللہ بن احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضریع جہنم میں ایک چیز ہے جو کانٹے کے مشابہ ہوگی۔ مصبر سے کڑوی، مردار سے بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی۔ جب جہنمی اسے کھائے گا تو وہ پیٹ میں داخل نہیں ہوگی اور نہ ہی منہ کی طرف نکلے گی۔ وہ درمیان میں اٹکی رہے گی، نہ وہ جسم کو موٹا کرے گی اور نہ ہی بھوک سے نجات دے گی۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جہنمیوں پر جہنم کے سانپ اور بچھو گریں گے۔ اگر ان میں ایک سانپ مشرق میں پھنکارے تو اہل مغرب کو جلا دے۔ اگر ان میں سے ایک بچھو اہل دنیا کو ڈنک مارے تو سب کو جلا دے۔ یہ جہنمیوں پر گریں گے تو جہنمیوں کے گوشت اور جلدوں میں داخل ہو جائیں گے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 140 (وزارت تعلیم)　2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 446 (العلمیہ)

رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے آسان عذاب ابوطالب کا ہوگا، انہیں دو جوتے پہنائیں جائیں گے جن سے ان کا دماغ جوش مارنے لگے گا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جہنمیوں میں سے سب سے آسان عذاب اس کا ہوگا جسے دو جوتے پہنائے جائیں گے جس کے تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ یوں جوش مارے گا جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ اس کا عذاب سب سے سخت ہے حالانکہ اس کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا(1)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾

"(یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے [1] (اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر [2] جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا [3] پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا [4]"

[1] یہ ان لدینا انکالا میں فعل کا معنی پایا جا رہا ہے۔ یوم اس کی ظرف ہے ظاہر یہ ہے کہ زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ نفخہ اولیٰ سے پہلے ہوگا جبکہ کفار کو بیڑیوں اور جحیم کے ساتھ عذاب دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد ہوگا تو اس ظرفیت کی وجہ یہ ہوگی کہ قیامت کا دن ایک طویل زمانہ ہے جو نفخہ اولیٰ سے شروع ہو کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے تک پھیلا ہوا ہے۔

كانت الجبال کا عطف ترجف پر ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کثیبا مھیلا کا معنی یہ نقل کیا ہے بہنے والی ریت۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ ریت ہے کہ جب تو اس میں سے کوئی حصہ لے تو باقی ماندہ اس جگہ آ پڑے۔

[2] الیکم میں کم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں۔ اس کلام میں التفات ہے کیونکہ سابقہ کلام میں خطاب حضور ﷺ کو تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان واصبر علی ما یقولون میں کفار کا ذکر غائب کے صیغوں میں تھا۔ یہاں خطاب کفار کو ہے اور حضور ﷺ کا ذکر غائب کے صیغوں میں ہے۔ اس کلام انا ارسلنک میں سابقہ کلام انا سنلقی علیک قولا ثقیلا کی تاکید ہے کیونکہ دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے۔ یہ رسول تم پر گواہی دے گا کہ کون ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یا وہ کون ہے جس نے دعوت کا انکار کیا۔ کما ارسلنا محذوف مصدر کی صفت ہے۔ رسولا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

[3] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی سے پکڑ لیا۔ اسی سے طعام و بیل ہے۔ یعنی بھاری کھانا جو ہضم نہ ہوتا ہو۔ اسی سے وابل کا لفظ ہے جس کا معنی عظیم بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سمندر میں غرق کیا۔ پھر اسے جہنم میں داخل کر دیا۔ اگر تم نے رسول کی نافرمانی کی تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 115 (قدیمی)

وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۞ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۞

"(ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا[1] (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا[2] یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ[3]"

[1] اے اہل مکہ اگر تم نے رسول کی نافرمانی کی تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے۔ یہاں عذاب کا لفظ یوم سے پہلے محذوف ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام رکھا گیا اور مضاف کا اعراب دیا گیا۔ ظرف تتقون کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا اس دن تم عذاب سے کیسے بچو گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کفر تم کا مفعول ہو، یعنی اگر تم روز جزاء کا انکار کرو تو تم عذاب سے کیسے بچو گے جو دن ہولنا کی کی شدت اور اپنی طوالت کی وجہ سے بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہ کلام بطور فرض یا بطور تمثیل ہے۔ اصل یہ ہے کہ غم قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں اور جلد بڑھاپا لاتے ہیں۔ شِيبًا یہ اَشْيَب کی جمع ہے جس طرح بِيض اَبْيَض کی جمع ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم تو حضرت آدم علیہ السلام جواب دیتے ہیں لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ میں حاضر ہوں، ہر بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۔ حکم ہوگا جہنم کا حصہ نکالو۔ حضرت آدم عرض کریں گے جہنم کا حصہ کیا ہے۔ فرمایا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت جوان بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ اکیلا کون ہوگا؟ فرمایا تمہیں بشارت ہو وہ ایک تمہیں میں سے ہوگا۔ ہزار یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے۔ پھر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں امید کرتا ہوں تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے تو ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا فرمایا تم لوگوں میں اس طرح ہو جس طرح سفید رنگ والے بیل کی جلد میں سیاہ بال یا سیاہ رنگ والی جلد میں سفید بال، متفق علیہ (1)۔ یہ جملہ یوم کی صفت ہے۔ ضمیر عائد فاعل کی ضمیر ہے اور فعل کی یوم کی طرف نسبت بطور مجاز ہے جس طرح اس جملہ میں فعل کو زمانہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ صام نهاره یا ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی يَوْمًا يَجْعَلُ اللّٰهُ فِيْهِ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔

[2] آسمان اپنی عظمت اور مضبوطی کے باوجود پھٹ جائے گا۔ خبر کو مذکر ذکر کرنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ السماء سقف کے معنی میں ہے، دوسری یہ کہ منفطر سے پہلے شی، موصوف محذوف ہے۔ بہ میں ہ ضمیر سے مراد وہ دن ہے، یعنی اس دن کی شدت کی وجہ سے آسمان بھی پھٹ جائے گا تو دوسری چیزوں کی کیا حیثیت ہے۔ یہ جملہ یوما کی دوسری صفت ہے۔ كان وعده مفعولا یہ یوما کی تیسری صفت ہے۔ وعد مصدر ہے جو مفعول بہ کی طرف مضاف ہے جو یوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یا ضمیر عائد محذوف ہے اور مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی كَانَ وَعْدُ اللّٰهِ بِالْعَذَابِ فِيْهِ مَفْعُوْلًا۔ یہاں دو جملوں کو واؤ عاطفہ کے بغیر ذکر کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ان آیات میں بغیر واؤ عاطفہ کے ذکر کیا اَلرَّحْمٰنُ ۞ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۞ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 117 (قدیمی)

سے یہ آیات جنہیں ہم تم پر القاء کرتے ہیں یہ بندوں کو مبدأ اور معاد کو یاد دلاتی ہیں اور اس راستہ کی وضاحت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے، یعنی اس کی سخاوت اس کے انعام، اس کی رضا اور اس کی ہدایت تک پہنچانے والا ہے۔ پس جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور اپنے رب تک پہنچنا چاہے وہ اس راستہ کو اپنا لے۔ اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ صرف یہی تذکرہ ہی واسطہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی اور حجاب نہیں۔ صرف ہماری غفلت اور اس کی عظمت کبریائی کا حجاب ہے۔ انہیں حجابات کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔ عظمت و کبریائی کے پردے نور کے پردے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کبریائی میری رداء ہے، عظمت میرا ازار ہے، یعنی عظمت و کبریائی میرا لباس ہے اور بندوں کی غفلت کے حجاب ظلمانی حجاب ہیں۔ اگر یہ پردے ہٹا دیئے جائیں تو اس کی ذات کے انوار حد نگاہ تک مخلوق کو جلا دیں۔ ان حجابات کو یاد دلانے اور نصیحت کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے کیونکہ یاد غفلت کو زائل کر دیتی ہے اور معیت کی وجہ سے محبت کو واجب کرتی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ محبت محب کو محبوب تک پہنچاتی ہے یہاں تک کہ عظمت و کبریائی کے حجابات بھی اس سے مانع نہیں ہوتے ذات باری تعالیٰ کے انوار کا جلانا یہ فناء و بقاء سے کنایہ ہے، اگرچہ وہ مرتبہ علم میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر تحیر طاری ہو گیا یہ دھکی سے کنایہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (یونہی قیام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے اپنے لئے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے[1]"

یہ ادنی کا معنی اقرب ہے۔ ہشام رحمتہ اللہ علیہ نے ثلثی کو لام کے سکون کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ اور کوفیوں نے نصفہ وثلثہ کو ادنی پر عطف کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے، یعنی رات کے دوثلث سے کم قیام کرتے ہیں اور نصف رات قیام کرتے ہیں اور ایک ثلث قیام کرتے ہیں، جبکہ باقی قراء نے انہیں مجرور پڑھا ہے۔ اس وقت اس کا ثلثی پر عطف ہوگا۔ یہ قرأت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہوتا۔ ہم نے چوتھائی رات سے زیادہ کا قول کیا ہے کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان او انقص منه قليلا یہ تقاضا کرتا ہے کہ قیام چوتھائی رات سے زیادہ ہو۔

طائفة کا عطف تقوم فعل کے فاعل پر ہے، یعنی صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کی سنت کی اقتداء کرتے ہوئے قیام کرتی ہے۔ امام بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا، یعنی مومن آپ کے ساتھ قیام کرتے ہیں (1)۔ یہ تاویل بہت بعید ہے کیونکہ جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے وہ مومن تھے۔ کافر نہیں تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

من الذین میں من بعضیہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قیام کرنے والے بعض صحابہ تھے تمام صحابہ نہ تھے۔

واللہ یقدر کا عطف ان ربک یعلم پر ہے۔ اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی وھو یقدر اللیل والنہار یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مقداروں کو جانتا ہے جس طرح وہ اصل میں ہیں جبکہ تم ان کی اصلیت کو نہیں جانتے۔ امام بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا لفظ اللہ اسم جلالت کو مبتدا کی حیثیت سے مقدم کرنا اور یقدر کو اس کی خبر بنا کر یہ اختصاص کا شعور دلاتا ہے۔ یہ عبدالقاہر اور زمخشری کا مذہب ہے کسائی کا مذہب نہیں۔

علم ان میں ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اوقات کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اس کی ساعتوں کو ضبط کر سکتے ہو۔ اسی وجہ سے پانچوں نمازوں کا وجوب امر ظاہر کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جس طرح صبح کا طلوع ہونا، سورج کا طلوع ہونا، سورج کا ڈھلنا، سورج کا غروب ہونا، سایہ کی مقدار اور شفق کا غروب ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے نرمی کی طرف رجوع کیا ہے۔ آپ نے اس مقدار کو ساقط کر دیا تا کہ تیری امت پر اس کی پیروی مشکل نہ ہو۔

فاقرءوا میں فاء سببیہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے رات کے وقت جتنا نماز پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو۔ یہاں نماز کو قرأت سے تعبیر کیا جس طرح سابقہ آیات میں اسے قیام سے تعبیر کیا گیا یہاں کل کو جزء کا نام دیا۔ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ قرأت نماز کا رکن ہے جس طرح سابقہ آیت قیام کے رکن ہونے کا تقاضا کرتی تھی۔ اس پر علماء کا اجماع بھی ہے۔ آیت کے اس حصہ نے اس مقدار کے قیام کے حکم کو منسوخ کر دیا جبکہ مطلق رات کے قیام کا حکم باقی رہا۔ پھر اس حکم کو بھی پانچ نمازوں کے حکم کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ فریضہ کے بعد اس کے نفلی ہونے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مقاتل اور ابن کیسان رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی دلالت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابتداء میں رات کو قیام کرنے کا حکم حضور ﷺ اور آپ کی امت پر واجب تھا آپ کی امت کے حق میں اس کے منسوخ ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کے حق میں منسوخ ہونے کا تعلق ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے، خواہ یہ ابتداء میں حضور ﷺ پر خاص طور پر واجب تھا یا یہ حضور ﷺ اور آپ کی

1۔

امت پر عموماً واجب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ کے حق میں رات کے وقت قیام کرنے کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ یہ آخری عمر تک آپ پر واجب رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ حکم آپ ﷺ کے لئے منسوخ کر دیا گیا۔ اب رات کا قیام آپ کے لئے بطور نفل تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نافلہ کا معنی زائد ہے یعنی آپ کی ذات پر واجب ہونے اعتبار سے زائد ہے۔ آپ کی امت پر واجب نہیں۔ میرے نزدیک یہی پسندیدہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ یہ آیت اس کے نافلہ ہونے میں صریح ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نافلہ کا معنی زائدہ ہے، یعنی آپ پر واجب ہونے میں زائد ہے۔ آپ کی امت پر یہ واجب نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر یہ بات اس طرح ہے تو کلام یوں ہوتی نافلة علیک کیونکہ وجوب کا صلہ علی آتا ہے لام نہیں آتا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام امت کے لئے نفل ہے، کسی ایک کے لئے بھی ممنوع نہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مجاہد، حسن اور ابی امامہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لئے خاص طور پر اسے نافلہ قرار دیا کیونکہ آپ کے حق میں درجات کی بلندی کے لئے عام ہے جبکہ دوسروں کے حق میں گناہوں کو مٹانے کے لئے نفل ہے۔ حضور ﷺ کے حق میں اس کے نفل ہونے پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے قیام کیا یہاں تک کہ آپ کے قدموں میں سوجن آگئی۔ آپ سے عرض کی گئی آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ مجھ پر خاص طور پر فرض ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنی سواری پر اشاروں سے رات کی نماز پڑھتے جبکہ سواری کا منہ جدھر بھی ہوتا جبکہ فرض سواری پر نہ پڑھتے آپ وتر سواری پر پڑھ لیتے تھے، متفق علیہ۔(1)

مسئلہ:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے کہ امت کے حق میں رات کی نماز سنت مؤکدہ ہے یا مستحب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہمارے حق میں یہ مستحب ہے۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شب کی نماز حضور ﷺ کے وقت وصال تک فرض رہی۔ انہوں نے کہا قولی دلائل مندوب ہونے کا فائدہ دیتے ہیں جبکہ ہمیشہ کا عمل بطور نفل نہیں تھا۔ سنت اسے کہتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے بطور نفل مواظبت اختیار کی ہے۔ میرے نزدیک پسندیدہ امر یہ ہے کہ یہ سنت ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی مواظبت بطور نفل تھی۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بطور وجوب اس پر مواظبت اختیار کی۔ جب تک آپ کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی امت کے لئے وہ مسنون رہے گا جس طرح صوم وصال سے حضور ﷺ نے منع کر دیا۔

وہ روایات جو نماز تہجد کے سنت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔ عرض کی گئی وہ صبح تک سویا رہتا ہے، وہ نماز کے لئے نہیں اٹھتا۔ آپ نے فرمایا وہ ایسا آدمی ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے، متفق علیہ (2)۔ مستحب کو ترک کرنے کی وجہ سے ایک آدمی ملامت اور عتاب کا مستحق نہیں بنتا، واللہ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ سے مراد پانچوں نمازوں میں قرآن پڑھنا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مغرب اور عشاء کی نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیس بن حازم نے کہا میں نے بصرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ حمد (فاتحہ) اور سورۂ بقرہ کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 136 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً، صفحہ 153

پہلی آیت پڑھی۔ پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اس میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی دوسری آیت پڑھی۔ پھر آپ نے رکوع کیا پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ پڑھو۔

مسئلہ:۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی قرأت سے نماز جائز ہوتی ہے اور کتنی قرأت کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ کم از کم اتنی قرأت کرنا ضروری ہے جس پر قرآن کا اطلاق کیا جاسکے وہ لوگوں کی کلام کے مشابہ نہ ہو۔ یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آیت سے کم بھی تلاوت کرنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ مکمل آیت ہے اس سے کم تلاوت کی صورت میں نماز جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ امام اعظم کی ایک اور روایت میں ہے اور یہی صاحبین کا نقطہ نظر ہے کہ تین چھوٹی آیات کی قرأت ضروری ہے جس طرح سورۂ کوثر ہے یا ایک لمبی آیت اس جیسی تین آیات کے مساوی ہو لیکن ائمہ احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ شریف اور ایک سورت کی مقدار ساتھ ملانا واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی چیز چھوڑ دی، اگر بھول کر چھوڑی تھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر سجدہ نہ کیا اور جان بوجھ کر اسے چھوڑ دیا تو وہ گنا ہگار ہوگا اور اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا اعادہ فرض نہ ہوگا۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ فاتحہ شریف کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی ان کے نزدیک ساتھ سورت کا ملانا سنت ہے مگر واجب نہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں، متفق علیہ۔(1)۔ یہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیا اس کی سند صحیح ہے؟ ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا اگر میں امام کے پیچھے ہوں تو کہا انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اپنے دل میں اس کو پڑھ لینا۔ امام مسلم اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس نے نماز پڑھی اور اس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز نامکمل ہے، نامکمل ہے، نامکمل ہے۔ میں نے کہا اے ابوہریرہ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں۔ فرمایا اے فارسی اسے اپنے دل میں پڑھ لے(2)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اشہب کے واسطہ سے ابوعتیبہ سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ محمد بن ربیع سے، وہ حضرت عبادہ رضی اللہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ تو غیر کا عوض ہے مگر کوئی اور سورت سورۂ فاتحہ کا عوض نہیں۔

ہم نے اس حدیث کے جو مختلف الفاظ ذکر کئے ہیں ان سے ان لوگوں کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کا معنی یہ ہے کہ نماز ہو تو جاتی ہے لیکن کامل نہیں ہوتی جس طرح اس ارشاد میں کمال کی نفی ہے نفس شے کی نفی نہیں لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ کیونکہ یہ تاویل ان الفاظ میں جاری نہیں ہوتی جو ہم نے ذکر کئے ہیں کیونکہ جار مجرور جب خبر بن رہے ہوں تو اس وقت وہ عام فعل کے متعلق ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ جب شرعی اعتبار سے کوئی عمل متحقق نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں ہے مگر دوسری حدیث لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ میں جب دلیل پائی گئی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 256، حدیث: 882 (الفکر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 169 (قدیمی)

کہ نماز ہو جاتی ہے تو ہم نے اسے خاص فعل کے ساتھ متعلق کر دیا ہے وہ دلیل اجماع ہے۔ یہاں فعل خاص محذوف مانیں گے تو یہاں خبر حذف ہے جار مجرور خبر نہیں بن رہا۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو چیز گزری تھی کہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے۔ وہاں صلوۃ سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ ہی سورت کا ملانا واجب ہے کیونکہ بعض روایات میں یہ آیا ہے لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا۔ اسے امام مسلم، ابی داؤد اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اس آدمی کی نماز نہیں جس نے اس میں الحمد اور سورت نہ پڑھی، وہ نماز فرض ہو یا کوئی اور۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے جو ہمام کے واسطہ سے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، وہ اسے ابونضر سے روایت کرتے ہیں، وہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم نماز میں سورۂ فاتحہ اور جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھیں اس کی سند ضعیف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سورۂ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ آپ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ صاحب ہدایہ نے کہا خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی جائز نہیں لیکن اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسی لئے ہم نے دونوں کو واجب قرار دیا ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ سورت کا ملانا نماز کا رکن ہے۔ نماز ان دونوں کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ اس آیت سے رکنیت کی نفی کرنا درست نہیں جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرأت کا ظاہر معنی رات کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فتاب علیکم فاقرء وا ماتیسر۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کے قیام میں تخفیف کر دی گئی ہے اب جتنی نماز پڑھنا تمہارے لئے آسان ہے وہ پڑھو۔ اس آیت میں قرأت کی مقدار اور اس کے لازم ہونے کے بارے میں کوئی دلیل نہیں۔ جو یہ تاویل کی گئی کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پانچوں نمازوں میں جتنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا قرآن پڑھو یہ بھی حقیقت سے بہت ہی بعید اور ضعیف تاویل ہے جب وجوب کے لئے حجت ہونے کے احتمال کا تصور نہیں کیا جا سکتا تو اس کے قطعی ہونے کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس پر خبر واحد سے زیادتی کرنا درست نہیں جبکہ حدیث کو امت نے قبول کیا اور اس پر عمل کرنے کے اعتبار سے علماء کا اجماع ہے۔ یہ روایت لگاتار نقل ہوتی آ رہی ہے اور یہ معنی متواتر ہے کیونکہ حضور ﷺ اور سلف وخلف میں سے کسی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی ہو اس جیسی خبر سے کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی کرنا جائز ہے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نماز کا حکم مجمل ہے اور اخبار آحاد مجمل کا بیان بننے کا احتمال رکھتی ہیں اور نماز کے ارکان کی وضاحت کرتی ہیں۔

احناف نے یہ کہا ہے کہ آخری قعدہ فرض ہے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: اِذَا قُلْتَ هٰذَا اَوْ فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُكَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ۔ احناف نے کہا نماز کے مکمل ہونے کو دو امروں میں سے ایک امر کے ساتھ معلق کیا ہے تو یہ فرض ہے حالانکہ یہ حدیث آحاد میں سے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

احناف نے سورۂ فاتحہ کے رکن نہ ہونے پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو تکبیر کہو پھر قرآن میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو، متفق علیہ (1)۔ اس کا جواب یہ ہے یہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 105 (وزارت تعلیم)

حدیث مطلق قرأت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حضور ﷺ کا فرمان لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ یہ تعیین پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت یہ ہوگی کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تو اس وجہ سے ہم نے سورۂ فاتحہ کے رکن ہونے کا قول کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بعض طرق سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے یُکَبِّرُ ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ بن رافع سے روایت کیا ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ کی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے ثُمَّ یُکَبِّرُ اللّٰهَ وَیُثْنِیْ عَلَیْهِ ثُمَّ یَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا اُذِنَ لَهٗ فِیْهِ وَمَا تَیَسَّرَ۔

مسئلہ: کیا مقتدی پر قرأت واجب ہے یا کہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مقتدی پر بھی سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے جس طرح امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے پر واجب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فی روایۃ کہا مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔ پھر ان ائمہ میں مزید اختلاف یہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت مکروہ ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا صرف جہری نمازوں میں مکروہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سری نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں امام کے سکتہ کے درمیان پڑھنا مستحب ہے، امام کی قرأت کے ساتھ مستحب نہیں۔ امام زہری، امام مالک اور ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عروہ بن زبیر اور ابو القاسم بن محمد سے بھی یہی مروی ہے۔ مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت واجب ہونے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی ہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر جعفی کی سند سے روایت کیا۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ثقہ قرار دیا۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اس سند میں لیث راوی ہے جسے ابن علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے کئی لوگوں سے روایت کیا گیا۔ یہ روایت ایک اور سند سے مروی ہے جس میں یحییٰ بن سلام ضعیف ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے یحییٰ بن سلام کو ضعیف قرار دیا ہو۔ دار قطنی، بیہقی اور ابن عدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ حفاظ حدیث جیسے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابو الاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابن خالد والالائی، جریر، عبد الحمید، زائدہ اور زہیر نے اسے موسیٰ بن عائشہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن شداد سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مرسل روایت کی ہے۔ ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اس روایت کو جو متصل ذکر کیا گیا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے متصل کی تضعیف کا انکار کیا ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ شیخین کی شرطوں پر اسے نقل کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں ابو حنیفہ نے خبر دی آپ نے فرمایا ہمیں ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبد اللہ بن شداد سے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر روایت کیا ہے کہ ہمیں اسحٰق ازرق نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 323 (المحاسن)

سفیان اور شریک نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کیا، انہوں نے عبداللہ بن شداد سے، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس باب میں اور بھی احادیث ہیں جو ضعیف ہیں۔ ہم نے طوالت کو ناپسند کرتے ہوئے انہیں ذکر نہیں کیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یہ تمام نمازیوں کے بارے میں عام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کے مطابق خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ عام خص عنہ البعض ہے۔ جو آدمی امام کو رکوع میں پائے وہ بالا جماع اس حکم سے خارج ہے اس کے بعد مقتدی کی تخصیص بھی جائز ہے۔ سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے مستحب ہونے کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں بلند آواز سے قرأت کر رہا ہوں تو تم میں سے کوئی بھی سورۂ فاتحہ کے سوا قرآن کی قرأت نہ کرے۔ اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ جہری نمازوں میں منع کی تخصیص سری نمازوں میں اس کے مستحب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کی استثناء اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ سکتہ کے وقت اسے پڑھ لیا جائے۔ یہی احادیث کو جمع کرنے کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا پر عمل بھی ہو جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحابہ کی ایک جماعت سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے(1)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ان سب نے فرمایا امام کے پیچھے کوئی قرأت نہ کرو۔(2)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا خاموش رہ کیونکہ نماز میں روکنے والی چیز موجود ہے اور تیرے لئے امام کافی ہے۔(3)۔ محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارہ ہو(4)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے مگر انہوں نے یہ کہا کہ اس کے منہ میں پتھر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے داؤد بن قیس سے انہوں نے عجلان سے روایت کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتا(5)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ امام بلند آواز سے نماز میں قرأت کرے یا آہستہ آواز میں مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے(6)۔ یہ اقوال جہری بلکہ سری نمازوں میں قرأت کے مکروہ ہونے کی دلیل ہیں کیونکہ یہ اقوال مطلق ہیں۔ جہری نمازوں میں قرأت کو ترک کرنے کا تقاضا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور حضور ﷺ کا فرمان اِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ ہم اس آیت کی تفسیر ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

مسئلہ:۔ کیا ہر فرض اور نفل نماز کی رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے؟ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر رکعت میں مطلقاً یہ فرض ہے کیونکہ قرأت کا حکم رکوع اور سجود کے حکم جیسا ہے۔ تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ تین

1۔ مؤطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 86 (التراث العربی)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 1، صفحہ 129 (وزارت تعلیم)
3۔ مؤطا امام محمد، جلد 100 (وزارت تعلیم)
4۔ ایضاً، صفحہ 101
5۔ ایضاً، صفحہ 102
6۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 330 (دار التاج)

یا چار رکعتوں والے فرضوں میں سے ایک رکعت میں قرأت ترک کرنے کی کمی سجدہ سہو سے پوری ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا وتر اور نفل کی ہر رکعت میں قرأت فرض ہے جو سجدہ سہو سے وہ کمی پوری نہیں ہوتی کیونکہ اس کی دو رکعتیں مکمل نماز ہوتی ہیں۔ جہاں تک فرضوں کا تعلق ہے اس کی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ تاہم قیاس کا تقاضا یہ ہوگا کہ صرف ایک رکعت میں قرأت کرنا فرض ہو کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن ہم نے کہا جب فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور باقی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام اس توجیہ پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا حکم نماز میں قرأت کے بارے میں ہے جبکہ یہ ممنوع ہے۔

جمہور کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی جبکہ نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا واپس لوٹ جاؤ، نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے یہ عمل تین دفعہ کیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے تعلیم ارشاد فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہہ، پھر جو قرآن پڑھنا تیرے لئے آسان ہو اسے پڑھ، پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کرے، پھر اپنا سر اٹھا یہاں تک اطمینان کے ساتھ قومہ کرے، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر، پھر سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ۔ ایک روایت میں ہے پھر اٹھ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح کر، متفق علیہ (1)۔ رفاعہ کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے جسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابو قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھاتے تو آپ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ آپ ظہر اور فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر طویل کرتے، متفق علیہ (2)۔ یہ حدیث حضور ﷺ کے فرمان صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ کے ساتھ مل کر کتاب اللہ کے مجمل حکم کے لئے بیان ہوگی۔ اس طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا ہر نماز میں قرآن ہے؟ فرمایا ہاں ایک انصاری نے کہا یہ فرض ہو گیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے یہ احادیث اخبار آحاد ہیں ان کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس اصولی مسئلہ کو تسلیم کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہوگا جب کتاب کا حکم قطعی الدلالۃ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ اس طرح نہیں بلکہ تاویل کی کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ نماز میں جس قرأت کا حکم دیا گیا ہے وہ مجمل ہے۔ یہ جائز ہے کہ آخبار احاد بطور بیان اس کے ساتھ لاحق ہو جائیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علم فعل کا فاعل ھو ضمیر ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ان مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ یہ جملہ علم ان لن تحصوہ سے بدل اشتمال ہے۔ فاقرءوا برائے تاکید مکرر ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک اور حکمت کو بیان کرتا ہے جو تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حکم کو اس پر مرتب کرتے ہوئے مکرر ذکر کیا ہے۔ آخرون کا عطف یکون کے اسم پر ہے۔ یضربون فی الارض سے مراد تجارت یا حصول علم یا حج کے لئے سفر کرنا ہے۔ یبتغون یہ یضربون کی ضمیر

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 170 (قدیمی) 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 256 (الفکر)

سے حال ہے۔ فضل اللہ سے مراد تجارت میں نفع یا علم اور ثواب ہے اور کچھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ رات کو قیام کی طاقت نہیں رکھتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے جو آدمی بھی مسلمانوں کے شہروں سے کوئی چیز کسی شہر کی طرف لایا جبکہ وہ تکلیف پر صبر کرنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا تھا۔ پھر اس نے وہ چیز اس دن کے بھاؤ سے بیچ دی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا درجہ شہداء جیسا ہوگا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی(1)۔ قرآن سے جو تمہارے لئے آسان ہو اسے پڑھو۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ما کا حکم عام ہے جتنا پڑھنا آسان ہو اس میں سب کو یہ حکم شامل ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہی حکم تھا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں سیاق کلام اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ جتنی وہ قرأت کر سکتا تھا اس نے اس میں سے جو بھی حصہ تلاوت کیا تو وہ حکم پر عمل کرنے والا ہوگا۔

مسئلہ:۔ عمل میں درمیانی راہ کو اپنانا مستحب ہے، افراط و تفریط درست نہیں۔ افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راہ پر مواظبت اختیار کرنا مستحب ہے۔ متوسط کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ پچاس سو آیات پڑھے اور اکثر یہ ہے کہ ہزار آیتیں پڑھے تاکہ قرآن حکیم کا ختم ہفتہ میں ہو جائے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے مراد سو آیتیں ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس نے دن اور رات میں پچاس آیات کی تلاوت کی وہ غافلین میں شمار نہیں ہوگا، جس نے سو آیات کی تلاوت کی وہ قانتین میں شمار ہوگا، جس نے ہر روز دو سو آیات کی تلاوت کی قیامت کے روز قرآن اس سے جھگڑا نہیں کرے گا، جس نے ہر روز پانچ سو آیات کی تلاوت کی اس کے لئے اجر کا قنطار لکھا جائے گا(2)۔ دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے ایک رات میں سو آیات کی تلاوت کی قرآن اس رات میں اس سے جھگڑا نہیں کرتا، جس نے ایک رات میں دو سو آیات پڑھیں اس کے لئے اس رات کا قنوت (عبادت) لکھ دی جائے گی، جس نے پانچ سو سے ایک ہزار آیات کی تلاوت کی اس کے لئے اجر کا قنطار لکھ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا قنطار کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا بارہ ہزار درہم(3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ماہ میں ایک دفعہ قرآن پڑھو (مکمل کرو)۔ میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا بیس راتوں میں پڑھو۔ میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا سات راتوں میں پڑھو اس سے زیادہ نہ پڑھو(4)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا گیا ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو(5)۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اتنا عمل کرو جتنا تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے سے نہیں اکتاتا بلکہ تم عمل کرنے سے اکتا جاؤ گے(6)۔ انہیں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تم میں سے ایک آدمی اس وقت تک نماز پڑھے جب تک اس میں نشاط موجود ہو جب اس میں سستی اور کاہلی آ جائے تو بیٹھ جائے(7)۔ ان دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آ جائے تو وہ سو جائے یہاں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 142 (التجاریہ) 2۔ کنز العمال: 21467 (التراث العربی) 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 799
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 612 5۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 361 (الفکر) 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً

تک کہ اس سے نیند جاتی رہے کیونکہ تم میں سے کوئی جب اونگھتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہوتو اسے پتہ نہیں ہوگا کہ کیا کہہ رہا ہے، ممکن ہے وہ دعا مانگتے ہوئے اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔(1)

واقیموا الصلوٰۃ یہ جملہ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر فاقرءوا پر معطوف ہے۔ واؤ کا کلمہ جمعیت کے لئے ہے۔ یہ عطف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رات کی عبادت کو نماز پنجگانہ سے منسوخ نہ مانا جائے جس طرح یہ قول کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امر ندب کے لئے ہوگا وجوب کے لئے نہیں ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ فرض زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہاں قرض سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کے طور پر مال خرچ کرنا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق اللہ تعالیٰ کے لئے طاعت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہو مگر اس کو اچھے طریقے سے ادا کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ قرض کو مفعول مطلق کے طور پر ذکر کیا۔ یہ انبتہ اللّٰہ نباتا کی قسم سے تعلق رکھتا ہے، یعنی فعل مزید فیہ اور مفعول مطلق مجرد ہے۔ حسنا یہ مصدر کی صفت ہے اس میں خوش دلی وغیرہ کی رغبت دلائی گئی ہے۔

من خیر سے مراد بدنی عبادت ہے۔ ما شرطیہ ہے اور جملہ شرط ہے۔ تجدوہ عند اللّٰہ اس کی جزاء ہے، یعنی جو عمل اب کرتے ہو وہ اس عمل سے بہت بہتر ہے جسے تم موت کے وقت تک مؤخر کرتے ہو اور یہ دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے۔ خیرا تجدوہ کا مفعول ثانی ہے۔ ھو ضمیر فصل ہے۔ اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں کیونکہ اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو وہ معرفہ کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اس صورت میں اسم تفضیل کے صیغہ پر حرف تعریف کا داخل کرنا منع ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسے اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پسند ہے؟ سب نے کہا ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ پسندیدہ نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کہہ رہے ہو اسے خوب جان لو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یہی جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کی وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا مال وہ ہے جو تم آگے بھیج دیتے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم پیچھے چھوڑ جاتے ہو۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اپنے گناہوں کی اللہ سے بخشش طلب کرو۔ واستغفروا اللّٰہ کے جملہ کا عطف اقیموا الصلوٰۃ پر ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کو نیکی کے اعمال پر ہی اعتبار اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے استغفار کرنا چاہئے کیونکہ جو بھی طاعت کا عمل کرتا ہے وہ کوتاہی اور لغزش سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر جو عمل بھی انسان سے صادر ہوتا ہے وہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہوتا جب تک انسان کی طرف سے عجز اور کوتاہی کا اقرار شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کوتاہیوں کو بخشنے والا اور تھوڑے عمل پر بھی بڑا ثواب دینے والا ہے۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 361 (الفکر)

سورۂ مدثر

آیاتہا ۵۶ | سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ ۴ | رکوعاتہا ۲

سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں 2 رکوع اور 52 آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

شیخین نے صحیحین میں یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے پہلی وحی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا سب سے پہلی وحی یا ایہا المدثر ہے۔ میں نے پوچھا لوگ کہتے ہیں پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے بھی ان سے وہی بات کہی جو تو نے مجھ سے بات کہی۔ تو انہوں نے مجھے کہا میں تمہیں وہی بتا رہا ہوں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں ایک ماہ تک حراء میں گوشہ نشین رہا۔ جب میں نے عرصہ پورا کرلیا تو اس سے نیچے اترا تو مجھے ندا دی گئی۔ میں نے دائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے پیچھے دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہ دیکھی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے ایک چیز دیکھی۔ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آگیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تو یہ آیات یا ایہا المدثر سے والرجز فاھجر تک نازل ہوئیں۔ یہ حکم نماز کے فرض ہونے سے پہلے تھا۔(1)

میں کہتا ہوں مرفوع حدیث اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ سورت سورۂ اقرا سے پہلے نازل ہوئی۔ صحیح بات یہ ہے سورۂ اقرا اس وحی سے پہلے نازل ہوئی جس کا ذکر ہم اس صورت کے شان نزول کے بارے میں کریں گے۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے شیخین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے انقطاع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا اسی اثناء میں کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا، وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں خوفزدہ ہوگیا یہاں تک کہ زمین پر گر پڑا میں اپنے گھر آیا۔ میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا(2)۔ پھر اس کے بعد وحی لگاتار آنے لگی۔ یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ سورۂ مدثر کا نزول فترۃ الوحی کے بعد ہوا جبکہ غار حراء میں فرشتہ دیکھنے کا واقعہ پہلے ہوا تھا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کے لئے کھانا تیار کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو اس نے پوچھا تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا وہ جادوگر ہے، بعض نے کہا جادوگر نہیں، بعض نے کہا کاہن ہے، بعض نے کہا کاہن نہیں، بعض نے کہا شاعر ہے، بعض نے کہا شاعر نہیں، بعض نے کہا یہ جادو ہے جو پڑھا جاتا رہا ہے۔ تو اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ غمگین ہوگئے۔ آپ نے سر اٹھایا اور اپنے اوپر چادر لے لی۔ تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 732 (وزارت تعلیم)
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 274، حدیث: 5843 (الفکر)

اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے فاصبر تک آیات کو نازل فرمایا۔(1)

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ﴿۴﴾

"اے چادر لپیٹنے والے! اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھئے"

1۔ اپنے بستر سے اٹھیے یا عزم و ہمت کے ساتھ اٹھیے۔ انذر کا مفعول بہ محذوف ہے تاکہ جنہیں ڈرایا جاتا ہے اس کے عموم پر دلالت کرے، یعنی آپ تمام لوگوں کو عذاب سے ڈرایئے، یعنی عالمین میں جو بھی شرک کرے اسے عذاب سے ڈرایئے۔

2۔ اس آیت میں اور مابعد آیات میں جو فاء ہے وہ شرط کا معنی دیتی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کچھ بھی ہو اور آپ جس حال میں بھی ہوں اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے۔ اس تقدیر کا احتمال بھی ہے و کبر ربک فکبرہ۔ اس تکرار کی غرض یہ ہے کہ کبریائی کے بیان میں دوام اختیار کیا جائے۔ معنی یہ ہوگا اس کے حادث ہونے سے اس کی کبریائی بیان کیجئے۔ نقص اور زوال کی علامات سے اس کی پاکی بیان کیجئے۔ واجب الوجود اور الوہیت، عبادت میں شرک کرنے، ممکنات میں سے کسی چیز کو ذات، صفات اور افعال میں اس کے ساتھ شرک سے اس کی کبریائی بیان کیجئے اور اس کے ایسے اوصاف کمالیہ بیان کیجئے جن سے کوئی اور متصف نہیں۔ انسان کے اوپر یہ سب سے پہلا واجب ہے اور تمام واجبات سے زیادہ اہم ہے۔ یہ علو اور سقوط کا احتمال نہیں رکھتا۔ نقل سے پہلے عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن عقل اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں جس طرح ادراک کرنا مناسب ہے۔

مسئلہ:۔ فقہاء نے اس آیت سے نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کا استدلال کیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تکبیر تحریمہ ہر اس لفظ کے ساتھ ہو جاتی ہے جس سے تعظیم ثابت ہو جیسے اَللّٰهُ اَجَلُّ، اَللّٰهُ اَعْظَمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، الرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ۔ اسی طرح کے دوسرے الفاظ سے بھی تکبیر کہنا درست ہے، صرف اللہ اکبر سے تکبیر تحریمہ کہنا ضروری نہیں کیونکہ تکبیر کا حکم دیا گیا جس کا معنی تعظیم ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر وہ اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو پھر اس کے لئے یہی الفاظ جائز ہوں گے یا اللہ الاکبر کہے یا اللّٰہ الکبیر کہے کیونکہ ثناء میں معرف باللام اسم زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں افعل اور فعیل دونوں برابر ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صرف اللہ اکبر یا اللہ الاکبر کہنا جائز ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا صرف اللہ اکبر کہنا جائز ہے(2)۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تکبیر تحریمہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی جس طرح صحیحین میں ہے کہ یہ سب سے پہلی وحی ہے اور اس کا نزول نماز کے فرض ہونے سے پہلے ہوا۔ یہ جو قول کیا جاتا ہے کہ نماز کے باہر تکبیر واجب نہیں جبکہ امر وجوب کے لئے آتا ہے تو اس آیت سے نماز میں تکبیر کا واجب ہونا ثابت ہوگا۔ یہ قول قابل قبول نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تکبیر یعنی توحید انسان پر سب سے پہلے واجب ہے۔ یہ سقوط کا احتمال نہیں رکھتی تکبیر تحریمہ کے باب میں حقیقت یہ ہے کہ نماز مجمل ہے حضور ﷺ کا عمل اس کے ساتھ بطور بیان شامل ہو جائے گا۔ تکبیر تحریمہ کے لئے اللہ اکبر کے الفاظ تواتر سے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے اس کے علاوہ کسی لفظ سے نماز کا شروع کرنا ثابت نہیں۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور لفظ سے نماز کو شروع کرنا جائز ہوتا تو بطور جواز ایسا ضرور کرتے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ میں انہیں الفاظ کا ادا کرنا فرض ہے کوئی اور لفظ

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 568 (دار ابن حزم) 2۔ الہدایۃ، جلد 1، صفحہ 101-100 (شرکت علمیہ)

کہنا فرض نہیں۔ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ بعض اسناد سے یوں بھی مروی ہے اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اچھی طرح وضو کرے پھر وہ قبلہ رو ہو اور کہے اللہ اکبر۔

سے قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کر و نفس کو کپڑے سے کنایۃً ذکر کیا۔ یہی ابراہیم، ضحاک، شعبی اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نہ تم معصیت پر لباس پہنو اور نہ ہی گندگی پر لباس پہنو۔ پھر کہا میں نے غیلان بن سلمہ ثقفی کا قول سنا:

وَاِنِّیْ بِحَمْدِ اللّٰهِ لَا ثَوْبَ فَاجِرٍ لَبِسْتُ وَلَا مِنْ غَدْرَةٍ اَتَقَنَّعُ

الحمد للہ میں نے فاجر کا لباس نہیں پہنا اور نہ ہی آلودہ حالت میں چادر اوڑھی

ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آیت کا معنی ہے اپنے عمل کو درست کر۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب کوئی آدمی صالح ہو تو اسے کہا جاتا ہے انه طاهر الثياب۔ جب وہ فاجر ہو تو اسے کہا جاتا ہے انه خبيث الثياب۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اپنے دل اور گھر کو پاک رکھو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اپنے خلق کو اچھا بناؤ۔ ابن سیرین اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ان نجاستوں سے اپنے کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جن کی وجہ سے نماز جائز نہیں ہوتی اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ مشرک اپنے کپڑوں کو پاک رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھو۔ گویا کپڑوں کا سمیٹ کر رکھنا ہی ان کی پاکیزگی کا باعث ہوتی ہے(1)۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہاں کپڑے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ عبارت النص سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کپڑوں کو پاک رکھا جائے۔ دلالت النص سے بدن کا پاک رکھنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جب وہ کپڑے پر نجاست کو پسند نہیں کرتا تو جسم پر ناپاکی کو کیسے پسند کرے گا جبکہ بدن کا مرتبہ زیادہ ہے اور انسان کی ذات کے وہ کپڑے سے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح وہ نفس اور قلب کی نجاست کو کیسے قبول کرے گا کیونکہ وہ تو بدن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ تو توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ اس آیت سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے کپڑے، بدن اور مکان کا نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صرف نماز کے لئے ان تینوں طہارتوں کا ہونا شرط نہیں بلکہ ان تینوں طہارتوں سے تمام احوال میں پاک رہنا واجب ہے لیکن نماز کے لئے اس کے شرط ہونے پر اجماع ہے۔ اس اجماع کی دلیل یہ ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ نجاست حکمیہ (حدث) سے پاکیزگی ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ (خبث) سے پاکیزگی بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ۔ ایک اور جگہ فرمان ہے: طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا انہیں عذاب دیا جا رہا ہے مگر انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا۔ ان میں سے ایک تو چھوٹے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ چھوٹے پیشاب سے بچتا نہیں تھا دوسرا چغل خوری کرتا تھا، متفق علیہ۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 144 (التجاریہ)

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

"اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے[1] اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے[2] اور اپنے رب (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے[3]"

[1] ابو جعفر اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے عاصم اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ سے رجز کو راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں اور ان کا معنی ایک ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری، ابن زید اور ابو سلمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا رجز سے مراد بت ہیں۔ معنی یہ ہوگا بتوں کو چھوڑ دو ان کے قریب نہ جاؤ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کا معنی ہے گناہ کو چھوڑ دو۔ ابو العالیہ اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب راء مضموم ہو تو اس کا معنی بت ہے۔ جب راء مکسور ہو تو اس کا معنی نجاست اور نافرمانی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی شرک ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی عذاب ہے، یعنی ایسے عقائد اور اعمال کو چھوڑ دو جو عذاب کو واجب کرتے ہیں (2)

[2] زیادہ کی خواہش میں کسی کو مال نہ دو یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دنیا کی جزاء کے لالچ میں کوئی چیز نہ دو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کسی کو کوئی چیز دو (3)۔ تستکثر والا جملہ لا تمنن کے فاعل سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ نہی تنزیہی ہے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم صرف حضور ﷺ کے لئے تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں دو قسم کے مال بلا عوض ہیں، حلال اور حرام حلال تو ہدایا ہیں اور حرام سود ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ اپنے عمل کو کثیر جانتے ہوئے اللہ پر احسان نہ جتاؤ۔ یہ بھی فرمایا اپنے اعمال کو اپنے ہاں کثیر نہ جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ قلیل ہیں۔ خصیف نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ زیادہ خیر کے حصول میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی ہے آپ پیغام پہنچانے کا لوگوں پر احسان نہ جتلائیں کہ اس عمل پر لوگوں سے دنیا میں عوض اور اجر طلب کرتے رہیں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا جب تم نے کسی فقیر کو کوئی چیز دی ہو تو اسے آپ کثیر جانتے ہوئے اس پر احسان نہ جتلائیں۔

[3] اس کی تقدیر کلام یہ ہے اَمَّا لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ عَلٰى طَاعَاتِهٖ وَاَوَامِرِهٖ الخ اپنے رب کے لئے اس کی طاعات، اوامر، نواہی اور مصائب پر صبر کیجئے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا ثواب پاؤ اور اس کی رضا چاہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔ پس صبر کیجئے۔ تاکید کے لئے فعل کو مکرر ذکر کیا یا صبر کی اقسام کی وجہ سے فعل کو مکرر ذکر کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو آپ کو اذیت دی گئی۔ اس پر آپ صبر کیجئے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے عرب و عجم سے جنگ کرنے کی عظیم ذمہ داری آپ کو دی گئی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے اس پر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قضا پر صبر کیجئے (5)۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝

"پھر جب صور پھونکا جائے گا[1] تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا[2] کفار پر آسان نہ ہوگا[3]"

[1] جب صور میں پھونکا جائے گا۔ یہ نقر سے فاعول کے وزن پر ہے جس کا معنی آواز پیدا کرنا ہے۔ اصل اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اتنا کھٹکھٹانا جو اس میں سوراخ تک جا پہنچے۔ اسی سے ایک لفظ منقار ہے جو پرندہ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ ابو الشیخ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 144 (التجاریہ) 2۔ ایضاً۔ 3۔ ایضاً، صفحہ 145 4۔ ایضاً۔ 5۔ ایضاً

بن حیان نے کتاب العظمۃ میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفید موتی سے صور کو پیدا کیا جو موتی شیشہ جتنا شفاف ہے۔ پھر عرش سے فرمایا صور کو پکڑ لو۔ تو صور عرش سے لٹک گیا۔ پھر فرمایا کن۔ تو اسرافیل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسرافیل کو صور پکڑنے کا حکم دے دیا۔ حضرت اسرافیل نے صور پکڑ لیا اللہ تعالیٰ نے جتنی روحیں پیدا کی ہیں۔ ان کی تعداد کے برابر اس میں سوراخ ہیں۔ ایک سوراخ سے دو روحیں نہیں نکلیں گی۔ صور کے درمیان آسمان اور زمین کے دائرے کے برابر درمیان میں ایک سوراخ ہے۔ حضرت اسرافیل اپنا منہ اس سوراخ پر رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو فرمایا میں نے تجھ اور صیحہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ وہ عرش کے اگلے حصہ میں داخل ہوگیا۔ اس نے دایاں قدم عرش کے نیچے داخل کیا ہوا ہے اور بائیں قدم کو آگے بڑھایا ہوا ہے۔ جب سے اسے پیدا کیا گیا اس نے پلک نہیں جھپکی۔ وہ انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے۔ اسے امام احمد، ترمذی اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیسے آرام پاؤں جبکہ صور پھونکنے والے نے اپنا منہ صور پر رکھا ہوا ہے۔ پیشانی جھکائی ہوئی ہے اور کان لگایا ہوا ہے کہ کب اسے حکم دے دیا جائے۔ یہ خبر صحابہ پر بڑی شاق گزری تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پڑھا کرو حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (1)۔ امام احمد اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور ان کلمات کا اضافہ کیا ہے عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فَاِذَا نُقِرَ میں فاء سببیہ ہے۔ گویا یوں ارشاد فرمایا ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ ان کے آگے مشکل زمانہ ہے جس میں آپ اپنے صبر کا انجام پائیں گے۔ اذا اس فعل کی ظرف ہے جس پر مابعد جملہ دلالت کرتا ہے۔

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روز کافروں پر معاملہ سخت ہوگا کیونکہ اذا اپنے اندر شرط کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے ذٰلک پر فاء داخل ہوا۔ ذٰلک سے کھٹکھٹانے کے وقت کی طرف اشارہ ہے اور اسم اشارہ مبتدا ہے۔ اس کی خبر یوم عَسِیْرٌ ہے۔ یومئذ اس سے بدل ہے۔ یہ محل رفع میں ہے۔ مبنی اسم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے یہ بھی مبنی ہے۔ غیر یسیر یہ عسیر کی تاکید ہے۔ یہ اس بات کے مانع ہے کہ وہ کسی وجہ سے مشکل ہو اور کسی وجہ سے آسان ہو۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دن مومنین کے لئے آسان ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حم تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم .... الیہ المصیر تک آیات کو نازل فرمایا تو نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمائی جبکہ ولید بن مغیرہ آپ کے قریب ہی تھا اور آپ کی قرأت کو سن رہا تھا۔ جب حضور ﷺ نے محسوس کیا کہ وہ آپ کی قرأت کو سن رہا ہے تو آپ نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا تو ولید چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم کی مجلس میں آیا۔ کہا میں نے ابھی ابھی محمد ﷺ سے کلام کو سنا ہے وہ نہ انسانوں کا کلام ہے اور نہ ہی جنوں کا کلام ہے۔ اس کلام میں مٹھاس ہے اس کا ظاہر خوبصورت ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ پھلدار ہے اور اس کا نیچے والا حصہ انتہائی گہرا ہے۔ وہ خود بلند ہے اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ قریش نے کہا اللہ کی قسم ولید بے دین ہوگیا اللہ کی قسم تمام قریش بے دین ہو جائیں گے۔ ولید کو ریحانہ قریش کہا جاتا تھا۔ ابوجہل نے کہا میں تمہاری طرف سے اسے کافی ہوں۔ وہ ولید کے پاس گیا۔ پریشان حال اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا اے بھتیجے کیا وجہ ہے، میں تجھے کچھ پریشان دیکھتا ہوں۔ ابوجہل نے کہا میں غمگین کیوں نہ ہوں، یہ قریش کے لوگ تیرے لئے مال جمع کر رہے ہیں جو تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ گمان

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 65 (وزارت تعلیم)

کرتے ہیں کہ تو نے محمد ﷺ کی کلام کی اچھائی بیان کی پھر تو ابن کبشہ اور ابن ابی قحافہ کے پاس گیا تا کہ ان کا بچا ہوا کھانا کھا لے ولید غصے ہو گیا اور کہا کیا قریش نہیں جانتے کہ مال اور اولاد کے اعتبار سے کون زیادہ طاقت رکھتا ہے کیا محمد اور ان کے ساتھی اتنے سیر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس کوئی کھانا بچ بھی جاتا ہے۔ پھر وہ ابو جہل کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ اپنی قوم کی مجلس میں آیا اور کہا کیا تم گمان کرتے ہو کہ محمد مجنون ہیں۔ کیا تم نے کبھی انہیں دیکھا کہ وہ مجنون والی باتیں کرتے ہوں۔ سب نے کہا اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے کیا تم نے کبھی اسے دیکھا ہے کہ وہ کہانت کرتا ہے۔ سب نے کہا اللہ کی قسم ایسا نہیں ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہے، کیا تم نے اسے شعر کہتے ہوئے دیکھا ہے۔ سب نے کہا اللہ کی قسم نہیں دیکھا۔ ولید نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے، کیا تمہیں کبھی تجربہ ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا ہو۔ سب نے کہا اللہ کی قسم نہیں دیکھا جبکہ حضور ﷺ کو تو نبوت سے پہلے آپ کی صداقت کی وجہ سے امین کہا جاتا تھا۔ قریش نے ولید سے کہا تو پھر آپ کیا ہیں اس نے تھوڑا وقت سوچ وبچار کیا پھر غور وفکر کیا۔ چہرے پر ناگواری کے آثار لایا اور کہا وہ صرف جادوگر ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے بد اور اس کی بیوی، اس کے بچوں اور غلاموں میں جدائی کر دی ہے۔ پس وہ ساحر ہے(1)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

ذَرۡنِىۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيۡدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيۡنَ شُهُوۡدًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمۡهِيۡدًا ۙ﴿۱۴﴾

"آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے ۱۔ اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر ۲۔ اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں ۳۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان ۴۔"

۱۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اور سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسی روایت نقل کی ہے۔ وَمَنۡ میں واؤ مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں واؤ مع کے معنی میں ہے ذرنی و المکذبین۔ ترکیب کلام میں وحیدا ذرنی کے مفعول سے حال ہے، یعنی آپ غم نہ کھائیں مجھے اس کے ساتھ تنہا چھوڑ دیں۔ بے شک میں تیری طرف سے اسے کافی ہوں۔ یا یہ خلقت کے فاعل سے حال ہے، یعنی میں نے اسے اکیلے پیدا کیا ہے، اس کو پیدا کرنے میں میرے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔ یا یہ ضمیر عائد محذوف سے حال ہے، یعنی خَلَقْتُهٗ وَحِيۡدًا فَرِيۡدًا لَا مَالَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ۔ معنی یہ ہوگا میں نے اسے شرارت میں یگانہ پیدا کیا۔ یا اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب نہیں تھا کیونکہ وہ بد اصل تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اپنی قوم میں وحید کے نام سے معروف تھا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے بطور استہزاء اس نام سے یاد کیا یا کیونکہ وہ اپنے آپ کو یہی نام دیتا تھا۔

۲۔ ممدود کا معنی پھیلا ہوا اور کثیر یعنی وہ نمو پانے کی وجہ سے پھیل گیا جیسے اس کا مال، باغات، جانور اور مال تجارت کی صورت میں تھا۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا مال ممدود سے مراد ہزار دینار ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد چار ہزار دینار ہیں۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد دس لاکھ دینار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے مراد نو ہزار مثقال چاندی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا طائف میں ایک باغ تھا جس کا پھل موسم سرما اور موسم گرما میں ختم نہیں ہوتا تھا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 146 (التجاریہ)

عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تھے اس کے پاس کثیر سونا چاندی، غلام اور لونڈیاں تھیں۔(1)

2۔ اس کے بیٹے مکہ مکرمہ میں ہی رہتے جن کی ملاقات سے وہ لطف اندوز ہوتا روزی کی تلاش میں انہیں سفر پر جانے کی ضرورت نہ ہوتی یہ کل دس تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے ساتھ بیٹے تھے وہ ولید بن ولید، خالد، عمارہ، ہشام، عاص، قیس اور عبد شمس ان میں سے تین مسلمان ہوئے وہ یہ تھے خالد، ہشام اور عمارہ۔(2)

3۔ میں نے اس کے لئے ریاست اور عظیم شان و شوکت پھیلا دی یہاں تک کہ اسے ریحانہ قریش کہا جاتا وہ قوم کے آگے ہونے اور سرداری کے مستحق ہونے میں اکیلا تھا کوئی (دوسرا اس کا مقابل نہ تھا) یا معنی یہ ہے کہ میں نے اسے طویل عمر عطا فرمائی۔

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾

"پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں 1۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے 2۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے 3۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی 4۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی 5"

1۔ وہ امید رکھتا ہے کہ میں اس کے مال، اولاد اور جاہ و مرتبہ میں اضافہ کروں گا۔

2۔ کلا جھڑکنے کے لئے ہے یعنی میں اس کی ناشکری کی وجہ سے ایسا نہیں کروں گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ولید کے مال اور اولاد میں کمی ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔

عنیدا یعنی وہ دشمنی کرنے والا تھا چونکہ اس نے ان آیات کا انکار کیا اور اس نے آیات کے بارے میں یہ کہا سحر یؤثر۔ یہ آیت ردع کی علت ہے کیونکہ ناشکری کرنا اور منعم کی آیات سے دشمنی نعمت کے زوال کا سبب ہوتی ہے اور زیادتی کو روک دیتی ہے۔

3۔ میں اس پر سخت عذاب مسلط کر دوں گا جو اس معذب پر غالب آ جائے گا اور ہر عذاب پر بھی غالب آ جائے گا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ صعود جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جہنمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھے جب وہ اس پہاڑ پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو اس کا ہاتھ پگھل جائے گا۔ جب وہ اس پہاڑ سے ہاتھ اٹھائے گا تو ہاتھ درست ہو جائے گا جب وہ اپنا پاؤں اس پر رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا جب وہ اسے اٹھائے گا تو وہ پھر درست ہو جائے گا۔(3)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر وہ ستر سال تک چڑھتا رہے گا پھر وہ اس سے نیچے اترے گا(4)۔ وہ ہمیشہ اسی طرح عمل کرتا رہے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صعود جہنم میں ملائم چٹان ہے جہنمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے کسی کو اس پر چڑھنے میں چھوٹ نہ ہو گی۔ وہ لوہے کی زنجیریں کھینچ رہا ہو گا پیچھے سے اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے اسے مارا جائے گا۔ وہ چالیس سال تک اس پر چڑھتا رہے گا۔ جب وہ اس کی چوٹی پر پہنچے گا تو اسے پستی کی طرف گرا دیا جائے گا۔ پھر اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 145 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 146 4۔ ایضاً

سامنے سے اسے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے اسے مارا جائے گا یہی طریقہ ہمیشہ جاری رہے گا۔(1)

ہے اس نے قرآن میں طعن کرنے کے لئے سوچا اور اس کے بارے میں جو کہنا چاہتا تھا اس کا اندازہ لگایا یہ جملہ ان کے عناد کا بیان ہے اور جس وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہے اس کی علت بیان کی جارہی ہے۔

ھ اس پر لعنت ہو۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر عذاب ہو اس جملہ استفہامیہ میں استہزاء کرتے ہوئے ان کے اندازہ لگانے پر تعجب کا اظہار کیا جارہا ہے۔ اس میں انکار اور توبیخ ہے۔ کیف، قدر کے فاعل سے حال ہے اور یہ جملہ قتل کے قول کی علت ہے۔ فقتل جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔ فاء اعتراض کے لئے ہے۔

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾

''اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی لے پھر دیکھا ۲ے پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا ۳ے پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا ۴ے پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے ۵ے''

لے اس جملہ کو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا۔ ثم کا کلمہ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے زیادہ بلیغ ہے۔

۲ے اس جملے کا عطف فکر وقدر پر ہے یعنی اس نے سوچ و بچار کی اندازہ لگایا۔ پھر قرآن حکیم میں یکے بعد دیگرے غور وفکر کیا۔

۳ے جب قرآن حکیم میں کوئی طعن نہ پایا تو چہرے پر ناگواری کے آثار لایا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ قرآن کے بارے میں کیا کہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طرف دیکھا اور دشمنی کی وجہ سے اپنے چہرے پر درشتی کے آثار ظاہر کئے۔ بسر یہ عبس اور قھو کے معنی میں ہے۔ یہ ماقبل کی تاکید ہے۔

۴ے پھر حق اور اس پر ایمان لانے سے روگردانی کی یا رسول اللہ ﷺ سے روگردانی کی اور حق کی اتباع سے تکبر کیا۔

۵ے فاء اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ جب یہ بات اس کے دل میں کھٹکی تو اس نے سوچے سمجھے بغیر منہ سے یہ کہہ دیا کہ یہ قرآن جادو ہے جو کسی اور سے بیان کیا جاتا ہے۔

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

''یہ نہیں مگر انسان کا کلام لے عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا ۲ے اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ ۳ے نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۴ے جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو ۵ے اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۶ے''

لے یہ جملہ ماقبل جملہ کی تاکید ہے۔ اس لئے اس کا ماقبل جملہ پر عطف نہیں کیا گیا۔

۲ے یہ جملہ سارھقہ صعودا سے بدل ہے۔ سقر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۳ے جہنم کی عظمت شان بیان کرنے کے لئے استفہامیہ انداز میں کلام لائی گئی ہے۔ ما سقر والا جملہ تاویل مفرد میں ہے اور ادری کا مفعول ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 146 (التجاریہ)

ہے جو چیز اس جہنم میں پھینکی جاتی ہے اس کو باقی نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ اسے ہلاک کر دیتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جہنم اسے زندہ نہیں چھوڑتی اور نہ ہی اسے مردہ چھوڑتی ہے۔ جب بھی وہ آگ میں جلتے ہیں تو پھر انہیں تازہ کر دیا جاتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر چیز اکتا جاتی ہے اور ایک مقام پر پہنچ کر تیزی سے ختم ہو جاتی ہے مگر سقر (جہنم) ایسے نہیں ہے(1)۔ یہ جملہ اور بعد والے دونوں جملے مستانفہ ہیں اور سقر کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لئے ذکر کئے گئے ہیں۔ یا یہ سقر سے حال ہیں۔

؎ یہ جلد کو سفیدی سے سیاہی کی طرف بدلنے والی ہے۔ بشر بشرۃ کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے کہا یہ جلد کو جلانے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ یہ لوگوں کے لئے ظاہر ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ان کے لئے ظاہر ہوگی اور لوگ جہنم کو عیاں دیکھیں گے۔ اس کی مثل وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ہے۔(2)

؎ جہنم پر انیس فرشتے معین ہیں۔ یہ جہنم کے داروغے ہیں۔ ایک کا نام مالک ہے اور اٹھارہ دوسرے ہیں۔ ابن مبارک اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے ایک نے ابی العوام کا قول نقل کیا ہے کہ وہ انیس فرشتے ہیں ان کے کندھوں کے درمیان اتنا اتنا فاصلہ ہے۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں ایک کے کندھوں کے درمیان کا فاصلہ ایک سال کا ہوگا۔ ان سے رحمت نکال لی گئی ہے۔ ان میں سے ایک فرشتہ ستر ہزار جہنمیوں کو ایک ہی دفعہ اٹھا لے گا اور جہنم میں جہاں چاہے گا پھینک دے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ بیہقی نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو جہل نے قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں میں سنتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) خبر دیتا ہے کہ جہنم کے کل انیس داروغے ہیں جبکہ تم بڑے طاقتور کثیر اور بہادر ہو کیا تم میں سے دس بھی مل کر ایک داروغے کو نہ پکڑ سکیں گے۔ ابوالاشد بن کلدہ نے کہا میں تمہاری طرف سے سترہ کو تو کافی ہوں دس میری پشت پر ہوں گے۔ سات پیٹ پر تم صرف دو کا ذمہ لے لو(3)۔ بیہقی نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب علیہا تسعۃ عشر والی آیت نازل ہوئی تو ایک قریشی نے کہا جس کو اشد بن کلدہ کہا جاتا اے قریش تمہیں انیس خوف زدہ نہ کریں میں اپنے دائیں کندھے سے دس کو تم سے دور کر دوں گا اور بائیں کندھے سے نو کو دور کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

"اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کر لیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 147 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لئے ۱۔"

۱۔ اصحاب نار سے مراد جہنم کے داروغے ہیں۔ فرشتوں کو داروغے بنایا انسانوں کو داروغے نہیں بنایا تا کہ جہنمی ان سے اپنا دفاع نہ کر سکیں۔ ان کی تعداد انیس رکھنا یہ آزمائش کے لئے ہے۔ یہاں مسبب (فتنہ) کو سبب (انیس کا عدد) کی جگہ رکھا ہے، یعنی اس قلیل عدد نے ان کے کفر اور گمراہی کا تقاضا کیا کیونکہ کفار اس تعداد کو تھوڑا جانتے اس کی وجہ سے استہزاء کرتے اور اس کو بعید جانتے کہ اتنی تھوڑی تعداد تمام کفار کو عذاب دے سکتی ہے۔ لیستیقن یہ جار مجرور محذوف فعل کے متعلق ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے لبننا بعددھم لیستیقن۔ جب اہل کتاب اس تعداد کو تورات اور انجیل میں دیکھتے ہیں تو انہیں حضور ﷺ کی نبوت اور قرآن حکیم کی صداقت پر یقین ہو جاتا ہے اور اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس آیت پر ایمان لا کر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب اہل کتاب ان کی تصدیق کرتے ہیں تو مومنوں کے ایمان کو قوت نصیب ہوتی ہے۔ ایمانا مفعول مطلق ہے یا نسبت سے تمیز ہے۔ اہل کتاب اور مومنوں کو ان کی تعداد میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ یہ جملہ استیقان اور ایمان کی زیادتی والے جملہ کی تاکید ہے اور لا یرتاب کا عطف عطف تفسیری ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بعث میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک صحابی سے جہنم کے داروغوں کے بارے میں پوچھا پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو اسی وجہ سے عدد والی آیات نازل ہوئیں (1)۔ تو یہ اہل کتاب کے ایقان اور مومنوں کے ایمان کی زیادتی کا سبب بن گئی۔ و لیقول کا عطف لیستیقن پر ہے۔ مرض سے مراد شک اور نفاق ہے۔ مکہ مکرمہ میں ان منافقوں کو خبر دی جا رہی ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ظاہر ہونے والے تھے جبکہ مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔

مثلا سے مراد عجیب و غریب مثال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کفار نے اس امر کو حقیقت سے بعید جانا اور یہ گمان کیا کہ یہ ضرب المثل ہے تو یہ کہا مثلا کا کلمہ یا تو ھذا سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے یا تمییز ہے یا تمیز ہے ھذا مقدر تنوین کے ساتھ اسم تام ہے۔ کذلک مابعد فعل کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے داروغوں کی تعداد ذکر کر کے ایک قوم کو ہدایت دی اور ایک قوم کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے گمراہی مقدر کر دیتا ہے اور جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کے حق میں ہدایت مقدر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کی حقیقت اور قوت کی کیفیت کو کوئی بھی نہیں جانتا جہاں تک ان کی تعداد کا معاملہ ہے وہ تو ذکر ہو چکا ہے کہ وہ انیس ہیں وہ کمی اور زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ابو جہل کے اس قول کا جواب ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) کے کل انیس مددگار ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو عذاب دینے کے لئے پیدا کئے ہیں ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، یعنی جہنم کے داروغے تو انیس ہیں تاہم ان کے مددگاروں اور لشکروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (2)۔ ہناد نے کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 456 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 148 (التجاریہ)

کے بارے میں جہنم کا حکم ہوگا تو ایک ہزار فرشتے اس حکم کی تعمیل میں جلدی کریں گے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سردار انیس ہوں گے(1)۔ تمام خازنوں کی تعداد تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

وماهی میں ھی ضمیر سے مراد یا تو سقر ہے یا جہنم کے داروغوں کی تعداد ہے یا اس سے مراد سورت ہے، یعنی یہ انسان کے لئے سراپا نصیحت ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ؕ﴿۳۷﴾

"ہاں ہاں! چاند کی قسم[1] اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے[2] اور صبح کی جب روشن ہو جائے[3] یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے[4] ڈراوا ہے لوگوں کے لئے[5] ان کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں[6]"

[1] یا تو کلا کا لفظ ان لوگوں کو جھڑکنے کے لئے ہے جو اس کے نصیحت ہونے کا انکار کرتے ہیں یا اس بات کا انکار کرنے کے لئے ہے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرے گا اگرچہ وہ فی نفسہ سراپا نصیحت ہے۔

نافع، حفص، حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اِذْ اَدْبَرَ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے اِذَا دَبَرَ پڑھا ہے۔ دَبَرَ اور اَدْبَرَ کا معنی ایک ہے جس طرح قَبِل اور اَقْبَل کا معنی ایک ہے، جس طرح دبر اللیل و ادبر اس وقت کہتے ہیں جب وہ پلٹنے لگے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ قریش کی لغت کے مطابق ہے۔ قطرب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دَبر کا معنی اقبل ہے۔ عرب کہتے ہیں دبرنی فلان یعنی وہ میرے پیچھے آیا یعنی رات دن کے پیچھے آتی ہے(2)

[2] اسفر یعنی جب وہ روشن ہو۔

[3] انها میں ھا ضمیر سے مراد سقر ہے، یعنی جہنم بڑی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت ہے اور الکبری سے پہلے البلایا کا لفظ محذوف ہے۔ بڑی مصیبتوں میں سے جهنم، لظى، حطمه، سعیر، جحيم اور هاويه ہے۔ کبری کی جمع کبر ہے۔ فعلی کو فعلۃ کے ساتھ لاحق کیا، یعنی الف مقصورہ کو تاء تانیث کی جگہ رکھا جس طرح قاصعاء کو قاصعۃ کے ساتھ لاحق کر دیا۔ پھر اس کی جمع قواصع بنا دی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے یا یہ کلا کی تعلیل ہے اور قسم جملہ معترضہ ہے اور تاکید کے لئے ذکر کی گئی۔

[4] نذیرا یہ احدی الکبر سے تمیز ہے یا یہ جملہ جس فعل پر دلالت کرتا ہے اس کے فاعل سے حال ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کبرت منذرة حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جہنم سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہ ہوگی۔ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نذیر نکیر کی طرح مصدر ہے(3)۔ یہ مذکر ہے مگر اس کے ساتھ مونث کی صفت لائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نذیرا یہ وما جعلنا اصحاب النار الا ملئكة کے فاعل سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے یٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ اے چادر اوڑھنے والے انسانوں کو خبردار کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

[5] لمن شاء یہ للبشر سے بدل ہے، یعنی یہ دونوں جماعتوں کے لئے ڈرانے والا ہے۔ اس صورت میں ان یتقدم او یتاخر شاء

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 80 (المصریہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 84 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ)

کا مفعول ہوگا، یعنی جو چاہے خیر اور طاعت میں آگے بڑھے اور جو چاہے شر اور نافرمانی میں پیچھے رہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان یتقدم او یتاخر مبتدا ہو اور لمن شاء منکم خبر مقدم ہو۔ معنی ہوگا تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے اور تم میں سے جو چاہے پیچھے رہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ اس میں مقصود تہدید کرنا اور انہیں خبردار کرنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۚ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾

''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے[1] سوائے اصحاب یمین کے[2] جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے[3] مجرموں سے[4] کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا[5]''

[1] ما کسبت سے مراد برائیاں ہیں۔ رھینۃ یہ شتیمۃ کی طرح مصدر ہے۔ رھن کے معنی میں ہے۔ یہ مرھون کے معنی میں نہیں۔ اگر یہ صفت کا صیغہ ہوتا تو رھین ہوتا کیونکہ فعیل جو اسم مفعول کے معنی میں ہو اس میں مؤنث اور مذکر برابر ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا جس نے کفر جیسے گناہ کیے وہ اس کے بدلے میں ہمیشہ جہنم میں قید ہوگا۔

[2] جنہیں ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے فرمایا آخرت کے بارے میں کوئی بات کرو۔ انہوں نے عرض کی ہاں اے امیر المومنین جب قیامت کا روز ہوگا تو لوح محفوظ رکھی جائے گی تو مخلوق میں سے ہر کوئی اپنے عمل کو دیکھے گا۔ پھر انہیں وہ صحائف دیے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال لکھے ہوں گے۔ عرش کے اردگرد سے انہیں بکھیر دیا جائے گا۔ پھر مومن کو بلایا جائے گا تو اسے کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ اس میں دیکھے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ جنتی ہیں جو یوم میثاق کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جنت کے لئے ہیں اور مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں۔(1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد مبارک لوگ ہیں(2)۔ ان تمام اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے، یعنی مومن ہمیشہ کے لئے جہنم میں محبوس نہیں ہوتے بلکہ وہ نجات پا جائیں گے یا تو گناہوں کے برابر عذاب پانے کے بعد بخشش کی صورت میں یا شفاعت کی وجہ سے بغیر عذاب کے یا محض فضل کی وجہ سے نجات پا جائیں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد مخلص مومن ہیں۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے کہا ہر نفس نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہوگا اس کے بدلے میں ماخوذ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرے وہ اس حکم میں داخل نہیں جو بھی آدمی اپنے عمل پر بھروسہ کرتا ہے وہ اپنے عمل کے بدلے میں محبوس ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے وہ ماخوذ نہیں ہوتا(3)۔ ان دونوں قولوں کی بناء پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہر نفس اپنے اعمال کے بدلے میں ماخوذ ہوتا ہے مگر جو کامل مسلمان ہوتے ہیں وہ مطلق ماخوذ نہیں ہوتے۔ لیکن اصحاب یمین کے لفظ کی ان مخلصین پر اطلاق کی کوئی دلیل نہیں۔ سعید بن منصور، ابن ابی حاتم اور حکیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نوادر الاصول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے کہ اصحاب یمین سے مراد مسلمانوں کے بچے ہیں۔ حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے۔ انہوں نے کوئی عمل کیا ہی نہیں کہ انہیں ان

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ) 2۔ تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

روگرداں ہیں یہ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں یہ جو بھاگے جارہے ہیں شیر سے یہ''

لے اگر وہ سب لوگ بھی شفاعت کریں تب بھی انہیں شفاعت کوئی نفع نہ دے گی۔ یہ جملہ یا تو کل نفس رھینۃ کے ساتھ متصل ہے یا لم نک من المصلین کے ساتھ متصل ہے۔ اس آیت کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ مومن اگر فاسق بھی ہوں گے تو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں نفع دے گی۔

اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ام حبیبہ یا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرہ میں تھیں تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا جس مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے تو ان بچوں کو لایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا۔ انہیں کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کریں گے اگر ہمارے والدین جنت میں داخل ہوں گے تو ہم بھی داخل ہوں گے۔ انہیں دوسری یا تیسری دفعہ کہا جائے گا تم اور تمہارے والدین جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی معنی اور مفہوم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا فرشتے، انبیاء، شہداء، صلحاء اور تمام مومن شفاعت کریں گے۔ پھر جہنم میں صرف چار قسم کے افراد رہ جائیں گے۔ پھر ان آیات کی تلاوت کی لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ...... بِيَوْمِ الدِّيْنِ۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان لوگوں کے علاوہ شفاعت نفع دے گی (1)۔ حضرت ابن مسعود اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کا قول اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ شفاعت نماز کے تارک، زکوٰۃ نہ دینے والے اور لہو ولعب میں داخل ہونے والوں کو فائدہ نہ دے گی، اگرچہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہوں ان کے قول کی بنیاد یہ آیت ہے کیونکہ شفاعت والی آیت کو فاء سببیہ کے بعد لایا گیا ہے۔ اسے ان چار مذکورہ امور پر مرتب کرنا یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت نہ پانے کا سبب ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شفاعت والی آیت کو ان چار امور کے بعد ذکر کیا گیا جن میں روز جزاء کو جھٹلانے کا معاملہ بھی ہے۔ شفاعت کے فائدہ مند نہ ہونے کا تعلق صرف اکیلے دوایک کے ساتھ نہیں بلکہ بحیثیت مجموعہ ہے مومنوں کے لئے شفاعت کے جائز ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ مومنوں میں سے کچھ تو ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے مگر شفاعت کی وجہ سے جہنم میں داخل ہی نہ ہوں گے اور بعض جہنم میں داخل تو ہوں گے مگر شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ معتزلہ، خارجی اور دوسرے اہل ہواء نے شفاعت کا انکار کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو ذلیل و رسوا کرے اس مسئلہ میں معنی کے اعتبار سے احادیث متواتر ہیں۔ اگر ہم سب احادیث کا ذکر کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم ان میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آواز دے گا اے محمد ﷺ کیا تم راضی ہو گئے ہو؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔ اسے بزار، طبرانی اور ابونعیم رحہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ اسے امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے جسے امام ترمذی، ابن حبان، حاکم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن عمر اور کعب بن عجرہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے جسے

1۔ تفسیر خازن، جلد 7، صفحہ 149 (التجاریہ) 2۔ مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 684 (الفکر) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 66 (و-ت)

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عالم اور عابد لایا جائے گا۔ عابد سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جا اور عالم سے کہا جائے گا ٹھہر جا تاکہ تو شفاعت کرے۔ اسے اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں میری امت کے گناہگار بھی بہشتی ہوتے ہیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے؟ فرمایا میری امت کے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا اور نیکوکار ان میں سے جو نیک لوگ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اعمال سے جنت میں داخل کرے گا۔ اسے طبرانی اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت مروی ہے عالم سے کہا جائے گا اپنے تلامذہ کے بارے میں شفاعت کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو جائے۔ اسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ شہید اپنے ستر رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگوں کو صفوں میں کھڑا کیا جائے گا پھر ایک جنتی دوزخی کے پاس سے گزرے گا دوزخی جنتی سے کہے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں دن تو نے مجھ سے پانی طلب کیا تھا تو میں نے تجھے پانی پلایا تھا تو وہ جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرے گا پھر جنتی ایک دوزخی کے پاس سے گزرے گا تو دوزخی جنتی سے کہے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میں نے تجھے وضو کے لئے پانی دیا تھا تو جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرے گا جنتی ایک اور دوزخی کے پاس سے گزرے گا۔ تو دوزخی کہے گا اے فلاں کیا تجھے یاد نہیں تم فلاں کام کے لئے جا رہے تھے تو میں نے وہ کام کر دیا تھا تو وہ جنتی اس کی شفاعت کرے گا(4)۔

مسئلہ: شفاعت کا کون کون مستحق نہ ہوگا؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا جس نے شفاعت کو جھٹلایا تو اس کے لئے شفاعت نہیں جس نے حوض کو جھٹلایا اس کے لئے حوض میں سے حصہ نہیں۔ اسے سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں نے ایک صحابی سے حضور ﷺ کا یہ قول مروی ہے قیامت کے روز میری شفاعت حق ہے جو میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتے وہ شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا۔ اسے ابن منیع رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(5)۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ قول مروی ہے میری شفاعت مباح ہے مگر جو میرے صحابہ کو گالی دے۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں روایت کیا ہے(6)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی ایک مرجئہ اور دوسرے قدریہ(7)۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

مسئلہ: بعض گناہوں کے بارے میں بھی روایت ہے کہ وہ شفاعت سے مانع ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عربوں سے دھوکہ کیا اسے میری شفاعت نہیں ملے گی(8)۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد

1۔ معجم کبیر، جلد 8، صفحہ 97، حدیث: 7483 (العلوم والحکم)
2۔ مسند دیلمی، جلد 5، صفحہ 485 (العلمیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 322 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 225 (العلمیہ)
5۔ کنز العمال، جلد 4، صفحہ 399 (التراث الاسلامی)
6۔ ایضاً
7۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 206 (قدسی)
8۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 72 (صادر)

سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز دو قسم کے لوگوں کو میری طرف سے شفاعت نہیں ملے گی۔ زیادہ ظلم کرنے والا اور لوگوں کے حقوق غصب کرنے والا دوسرا دنیا میں غلو کرنے والا(1) اور دین سے اعراض کرنے والا۔ اسے بیہقی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باہم جھگڑنا چھوڑ دو کیونکہ جھگڑنے والے کی میں قیامت کے روز شفاعت نہیں کروں گا(2)۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

1؎ تذکرہ سے مراد قرآن ہے یا جو چیز بھی نصیحت کا باعث بنے۔ فما میں فاء سببیہ ہے اور ماء استفہامیہ مبتداء ہے اور لھم اس کی خبر ہے۔ عن التذکرۃ یہ مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے جو ھم ضمیر سے حال ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ دنیا میں ایسی حالت میں ہیں جو آخرت میں انہیں عذاب تک پہنچانے والا ہے کیونکہ آخرت کا عذاب اس انکار کی وجہ سے ہی ہے۔

2؎ نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مستنفرہ کو اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے جس نے اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس وقت یہ نفرہ کے معنی میں ہوگا بھاگنے والا جس طرح نفر اور استنفر ہم معنی ہیں جیسے عجب اور استعجب ہم معنی ہیں جس نے اسے اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا بدکے ہوئے خوف زدہ۔

3؎ یہ جملہ حُمُرٌ کی صفت ہے۔ بعد میں کانھم والا جملہ حال ہے۔ لھم اور کانھم کی ضمیر نے واؤ حالیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔ ذکر سننے سے ان کے اعراض اور بھاگنے میں انہیں بدکے ہوئے گدھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو شیروں سے بھاگتے ہیں۔ یہ قسر سے فعولۃ کے وزن پر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسورہ سے مراد شیر ہیں۔ عطاء اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا قسورۃ سے مراد تیر پھینکنے والے ہیں۔ اس کا لفظوں میں واحد نہیں ہوتا۔ یہی عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے جسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔ زید بن اسلم نے کہا عرب ہر قوی اور مضبوط جسم والے کو قسورہ کہتے ہیں۔ ابوالمتوکل سے مروی ہے کہ قوم کے شور و غل کو قسورہ کہتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قسورۃ یہ شکاریوں کی رسیاں ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی شکاری ہے۔(3)

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے کہا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو پھر صبح کے وقت ہم میں سے ہر ایک آدمی کے سرہانے کے نیچے ایک خط ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ اسے جہنم سے برأت اور امن ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

"بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں 1؎ ایسا ہرگز نہیں ہوگا دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں 2؎ ہاں ہاں! یہ قرآن تو نصیحت ہے 3؎ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے 4؎ اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے 5؎"

1۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 235 (قدسی قاہرہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 150 (التجاریہ)

سورۃ القیامۃ

ایاتہا ۴۰ سُورَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ رکوعاتہا ۲

سورۃ القیمۃ مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

"میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی [1] اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) [2]"

[1] قنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لَاُقْسِمُ پڑھا ہے یعنی اقسم پر لام تاکید پڑھا ہے۔ نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ربیعہ سے، انہوں نے بزی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے لام کے بعد الف پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں لا زائدہ ہے جس طرح مابعد آیت میں ہے۔

[2] دونوں کا جواب قسم محذوف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ جواب قسم یہ ہوسکتا ہے لَتُبْعَثُنَّ، لَتُحَاسَبُنَّ وَلَتُجْزَيْنَّ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ اِنْ خَيْرٌ فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرٌّ فَشَرٌّ۔ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا یہ قسم کی تاکید کے لئے ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تاکید کے لئے فعل قسم پر لا نافیہ کا دخول کلام عرب میں عام ہے۔

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ یہ امر ظاہر ہے اور قسم کے ساتھ تاکید لگانے سے مستغنی ہے کیونکہ جو عقل و فہم رکھتا ہے وہ اگر لوگوں کے ان معاملات میں غور و فکر کرے جن کا وہ مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ منعم کا انکار کرتا ہے مخلوق پر ظلم کرتا ہے قطع رحمی کرتا ہے اور جن امور کا قبیح ہونا یقینی ہے ان کا ارتکاب کرتا ہے جبکہ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے مخلوق اس سے خوش ہوتی ہے، وہ مشقت اور مصیبت میں مبتلا ہے، وہ لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس دار کے علاوہ بھی جزاء کا ایک دار ہے بصورت دیگر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بری چیز کو اچھی چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اس طرح تو صانع کی طرف سے انصاف محال ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے سے ماوراء ہے۔

نفس لوامہ سے مراد یا تو جنس ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نفس خواہ نیک ہو یا برا آخرت میں وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا۔ اگر اس نے اچھائیاں کی ہوں گی تو وہ کہے گا میں نے زیادہ اچھے اعمال کیوں نہ کئے۔ اگر اس نے برے اعمال کئے ہوں گے تو وہ کہے گا کاش میں نے برا عمل نہ کیا ہوتا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد نفس مومنہ ہے اللہ کی قسم تو کسی مومن کو نہیں

انگلیوں کی ہڈیاں جمع کریں گے اور ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملائیں گے جبکہ وہ بہت چھوٹی اور انتہائی باریک ہوں گی تو بڑی ہڈیوں کو جمع کرنا کیسے مشکل ہوگا۔

سے یرید کا عطف یحسب پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام استفہامیہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ استفہامیہ نہ ہو بلکہ ایجابیہ (مثبت) ہو کیونکہ یہ جائز ہے کہ اضراب مستفہم سے ہو یا استفہام سے ہو (اگر مستفہم سے اضراب ہوگا تو کلام استفہامیہ ہوگا اگر استفہام سے اضراب ہوگا تو پھر یہ ایجابیہ ہوگی)۔

لیفجر یہ ان مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور لام زائدہ ہے۔ مجاہد، حسن، عکرمہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ابن آدم اس چیز سے جاہل نہیں کہ اس کا رب ہڈیاں جمع کرنے پر قادر ہے لیکن وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آنے والی زندگی میں کفر کرے، اسی کفر پر دوام اختیار کرے، نہ اس سے الگ ہو اور نہ ہی اس سے توبہ کرے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گناہ کو مقدم رکھتا ہے اور توبہ کو موخر رکھتا ہے اور کہتا ہے عبادت کرلوں گا عمل کرلوں گا یہاں تک موت اسے انتہائی برے حال میں آ پہنچتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد امید ہے۔ وہ کہتا ہے میں زندہ رہوں گا اور دنیا سے فلاں فلاں چیز حاصل کروں گا اور موت کو ذکر نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا وہ آنے والے وقتوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات قیامت، بعث اور حساب کا انکار کرتا ہے۔ فجور کا معنی ایک طرف جھک جانا ہے۔ اسے فاجر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے۔ (1)

يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝

"(از راہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی ؂۱ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی ؂۲ اور چاند بے نور ہو جائے گا ؂۳ اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے ؂۴ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے ؂۵"

؂۱ یہ جملہ یفجر کے فاعل سے حال ہے۔ اس کا سوال کرنا استبعاد اور استہزاء کے لئے ہے وہ پوچھتا ہے قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کے سوال کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت برپا نہ ہوگی۔

؂۲ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے برق کو راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قاموس میں برق جیسے فرح اور نصر اس کا مصدر برقا اور بروقا آتا ہے۔ اس کا معنی متحیر ہونا اور دیکھ نہ سکنا ہے یا دہشت زدہ ہو جانا اور نہ دیکھ سکنا۔ فراء اور خلیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب برق کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی حیران ہونا اور گھبرا جانا ہے۔ دنیا میں وہ جن عجائبات کی تکذیب کیا کرتا تھا انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ موت کے وقت ہوگا جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ قیامت کے روز ہوگا کیونکہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ خسف سے مراد تاریک ہونا اور روشنی کا چلے جانا ہے۔

؂۳ سورج اور چاند سیاہ اور بے نور ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں مغرب سے قیامت تک نشانی کے طور پر طلوع ہوں گے خسوف محاق سے مستعار ہے۔ عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز انہیں جمع کیا جائے گا پھر سمندر میں پھینک دیا جائے گا جس کے باعث بہت بڑی آگ بن جائے گی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 152 (التجاریہ)

مِنْ رَّبِّکُمْ میں بصائر حجت کے معنی میں ہے، یعنی انسان اپنی ذات پر واضح حجت ہے اور اس پر گواہ ہے۔ اس صورت میں علی نفسہ ظرف مستقر ہے اور اس کی خبر بصیرۃ ہے اور جملہ الانسان کی خبر ہے۔ بصیرۃ سے مراد ملک موکل (وہ فرشتہ جسے اس کے امور سونپے گئے ہیں) مراد لینے کا احتمال بھی ہے۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کے نفس پر کچھ رقیب ہیں جو اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔ وہ رقیب اس کی قوت سماعت، قوت بصارت اور اس کے اعضاء ہیں اس صورت میں بصیرت کے اوپر ھاء قیاسی ہو گی کیونکہ یہاں انسان سے مراد اس کے اعضاء ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حرف جار محذوف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ اصل کلام یوں تھی لِاَوْلَادِكُمْ۔(1)

ﮦ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اگرچہ وہ پردے لٹکا دے اور گناہ کے ارتکاب کے وقت دروازے بند کر دے۔ وہ یہ اس لئے کرتا ہے تا کہ اس کا عمل مخفی رہے مگر اس کا یہ عمل اسے کوئی نفع نہ دے گا کیونکہ اس کی ذات بذات خود اس کے خلاف گواہ ہے۔ اسی طرح موکل فرشتہ بھی اس کے خلاف گواہ ہے نیز اللہ تعالیٰ بھی اس کے خلاف گواہ ہے۔

اہل یمن ستر (پردے) کو معذار کہتے اس کی جمع معاذر ہے(2)۔ مجاہد، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کیا اعضاء اور فرشتے اس کے خلاف گواہ ہوں گے اگرچہ وہ خود معذرت کرے اور اپنے بارے میں جھگڑا کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر اس نے معذرت پیش کی تو اس کے اندر سے اس کے خلاف گواہ ہوں گے یہاں القاء کا معنی قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ(3)۔ اس صورت میں معذار کی جمع معاذیر ہو گی۔ اور معذار عذر کے معنی میں ہو گا یا یہ معذرۃ کی خلاف قیاس جمع ہے جس طرح منکر کی جمع مناکیر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کی جمع معاذیر آئی ہے جس طرح مناکیر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل امین وحی لاتے تو حضور ﷺ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیتے تو یہ معاملہ ان پر سخت ہو جاتا جبکہ یہ بات معروف و مشہور تھی کہ آپ اس طرح اس لئے کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وحی آپ پر نازل کی ہے اس کو یاد کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔(4)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾

"(اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تا کہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو۔ا ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اس پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔"

ا۔ خطاب حضور ﷺ کو ہے بہ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے، یعنی وحی مکمل ہونے سے پہلے آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں آپ اس طرح اس لئے کرتے ہیں تا کہ آپ جلدی سے قرآن حکیم لے لیں۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وحی کے نازل ہونے کے وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تا کہ وحی میں سے کوئی چیز رہ نہ جائے۔(5)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 153 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 734 (وزارت تعلیم) 5۔ ایضاً، صفحہ 733

وجوہ کی خبر ہے جس کا معنی تروتازہ حسین اور چمکتے ہوئے۔

اِلٰى رَبِّهَا یہ جار مجرور مابعد شبہ فعل ناظرۃ کے متعلق ہے۔ یہ وجوہ کی دوسری خبر ہے۔ آنکھ کے ساتھ دیدار الٰہی ہوگا مگر کسی کیفیت، جہت اور مسافت کے بغیر ہوگا اور نہ ہی غائب کو حاضر پر قیاس کیا جائے گا۔ آجری اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کتاب الرویۃ میں دو سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ناضرۃ کا معنی حسین ہے اور الٰى ربها ناظرۃ سے مراد اپنے خالق کو دیکھنا ہے(1)۔ انہوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ سب سے کم مرتبے والا جنتی وہ ہوگا جو اپنی جنتوں، بیویوں، نعمتوں، خادموں کی طرف دیکھے گا جبکہ اس کی چارپائی ایک ہزار سال کی مسافت پر ہوگی اور جنتیوں میں سے سب سے معزز وہ لوگ ہوں گے جو صبح و شام اپنے رب کا دیدار کریں گے پھر حضور ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ(2)۔ اسے امام احمد، ترمذی، دارقطنی، لالکائی اور آجری رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ آجری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یوں ہیں سب سے کم مرتبے والا جنتی وہ ہوگا جو اپنی ملکیتی جنت میں دو ہزار سالوں کی مسافت دیکھے گا وہ انتہائی دور جگہ کو اسی طرح دیکھے گا جس طرح انتہائی قریبی جگہ کو دیکھتا ہے۔ اس بات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے بزار، طبرانی، بیہقی اور ابویعلیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جمعہ کے روز مزید یہ کہ دیدار الٰہی ہوگا۔ یعنی باقی نعمتوں کے علاوہ یہ نعمت بھی ہوگی جمعہ کو یوم مزید بھی کہتے ہیں۔ اسے بزار اور اصفہانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے روایت کیا ہے۔

آجری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ایک مرسل روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی ہر جمعہ اپنے رب کا دیدار کریں گے(3)۔ اسے یحییٰ بن اسلام نے نقل کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جب کسی کی (دنیا میں) دو آنکھیں لے لوں گا اس کی جزاء یہ ہوگی کہ وہ میرے گھر (جنت) میں اترے گا اور میرا دیدار کرے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہا ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا فرمایا تم اپنے رب کا دیدار اس طرح کرو گے جس طرح تم چودھویں رات کو چاند دیکھتے ہو تمہیں اس کے دیدار میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جتنا ہو سکے سورج کے طلوع اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے والی نمازوں میں تم مغلوب نہ ہونا یعنی انہیں نہ چھوڑنا، متفق علیہ (4)۔ لالکائی اور حذیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک، تیرے دیدار اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں نہ اس میں تکلیف دہ دکھ ہو اور نہ ہی گمراہ کن فتنہ (5)۔ اسے لالکائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب تک تمہیں موت نہیں آئے گی تم اپنے رب کا دیدار نہ کرو گے۔ اسے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ لالکائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 154 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 78 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 22 (المصریہ) 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 78 (د۔ت) 5۔ معجم کبیر، جلد 18، صفحہ 219 (الزہراء، الحدیثیہ)

میں کوئی تضاد نہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ وہ ہوں گے جو ہر جمعہ کو دیدار الٰہی کریں گے یا ہر ہفتہ میں دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے۔ ابن ابی الدنیا نے ابی امامہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے جنتیوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہوں گے جو سال میں دو دفعہ دیدار الٰہی کریں گے۔ یحییٰ بن سلام نے ابوبکر بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور جنتیوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو دن میں دو دفعہ یعنی صبح وشام دیدار الٰہی کریں گے جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے۔ منافات نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جن کے لئے دائمی دیدار کا ثبوت ہے ان کا ذکر جمع نکرہ کی صورت میں کیا گیا ہے جو عموم پر دلالت نہیں کرتا یا یہاں ایسا لفظ مقدر ہوگا جو مومنوں سے اخص ہے۔ اس وجہ سے مقربین کو خاص کیا جائے گا۔ پھر تقدیر کلام یہ ہو گی وُجُوْهُ الْمُقَرَّبِيْنَ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ دَائِمًا اَبَدًا اس روز مقربین کے چہرے تر وتازہ ہوں گے وہ اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے اور ان کا یہ وصف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی یزید بسطامی سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں۔ اگر انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دیدار الٰہی سے محروم کیا جائے گا تو وہ یوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں استغاثہ کریں گے جس طرح جہنمی جہنم سے نکلنے کے لئے بارگاہ اقدس میں استغاثہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دیدار الٰہی میں لوگوں کے مختلف درجات ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ احادیث کا مقصود یہ نہیں کہ تمام درجات کو شمار کیا جائے۔ حضور ﷺ کا جو یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس سے زیادہ کوئی معزز نہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی تو جان لو جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ انبیاء اور بندوں میں سے مقرب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا وصل نصیب ہوا جو دنیا میں ہر تعلق سے الگ تھلگ رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ان کا حصہ ذات سے دائمی تجلی رہا نہ کہ ان کا حصہ کوندنے والی بجلی تھا ان کا دنیا میں حصہ دائمی تجلی رہا لیکن دنیا میں دیدار نصیب نہ ہو سکا کیونکہ اس زندگی میں اسے دیدار کی صلاحیت ہی نہیں دی گئی جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے جسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں ذکر کیا ہے۔ جب رکاوٹ ختم ہو گئی (دنیا کا نظام ختم ہو گیا) تو وہ آدمی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا رہے گا۔ بصورت دیگر امر معکوس ہو جائے گا اور رجعت قہقری واقع ہو جائے گی مگر جس کے لئے دنیا میں دائمی تجلی اور حضوری نہ ہو گی تو ان کے لئے درجات کے فرق کے لحاظ سے دیدار ہوگا جس کا حصہ برقی تجلی ہوگا وہ ہر دن میں دو دفعہ یا اس سے زیادہ دفعہ دیدار کرے گا اور جو اس طرح نہ ہوگا وہ ہر جمعہ، ہر مہینہ یا ہر سال میں ایک دفعہ دیدار کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

فائدہ:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تیسری جلد کے مکتوب نمبر سو (100) میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں مشغول تھا جبکہ خواص کے دل غیر اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ فرمایا ہر آدمی کی جنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم کا ظہور ہے جو اس آدمی کے تعین کا مبداء ہے وہ اسم درختوں، دریاؤں، محلات اور حور وغلمان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مفہوم حضور ﷺ کے اس ارشاد سے مستحکم ہو جاتا ہے بے شک جنت پاکیزہ مٹی والی اور میٹھی ہے یعنی اس کی نہروں کا پانی میٹھا ہے اور اس کے درخت یہ کلمات ہیں سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ اور لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ درخت اور نہریں بعض اوقات شیشے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں تو مومن ان چیزوں سے دل بہلانے لگتا ہے۔ یہ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی مختلف عبادتوں کے لئے پیدا فرمایا ہے ان میں سے کچھ فرشتے تو ایسے ہیں جو صفیں بنائے کھڑے ہیں۔ ان کا یہ عمل پیدائش سے قیامت تک جاری رہے گا۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوگا وہ اس کا دیدار کریں گے اور عرض کریں گے ہم نے تیری اس طرح عبادت نہیں کی جس طرح عبادت کرنے کا حق تھا۔ اسی کی مثل ایک اور سند سے عدی بن ارطاۃ سے اس نے ایک صحابی سے ذکر کیا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہر آدمی کے لئے دیدار اس کے تعین کے مبداء کے حساب سے ہوگا تو اس سے انسانوں میں سے عام مومنوں پر فرشتوں کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ فرشتوں کے تعین کے مبادی انسانوں کے تعین کے مبادی سے فضیلت رکھتے ہیں جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور جو ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ خاص انسانوں کا دیدار دائمی ہوگا ختم نہیں ہوگا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خاص بشر خاص ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں جس طرح عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ ٱلتَّرَاقِىَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ ٱلْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَٱلْتَفَّتِ ٱلسَّاقُ بِٱلسَّاقِ ﴿٢٩﴾

"اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے 1۔ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا 2۔ ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک 3 اور کہا جائے گا ہے کوئی، جھاڑ پھونک کرنے والا اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ پہنچی 4 اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے 5۔"

1۔ وجوہ سے مراد کافروں کے چہرے ہیں یا کثیر چہرے ہیں باسرۃ یعنی ترش رو اور درشت۔

2۔ انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا۔ فاقرۃ سے مراد عظیم مصیبت ہے جو کمر توڑ دے گی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد جہنم میں داخل ہونا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔

3۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے جھڑکا جا رہا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ اس سے باز آ جاؤ اور اس موت کو یاد کرو جہاں دنیا ختم ہو جائے گی اور ہمیشہ رہنے والی آخرت کا سامنا ہوگا۔ نفس کا پہلے صراحۃً ذکر نہیں مگر کنایۃً ذکر ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ اذا شرطیہ ہے اس کی جزاء الی ربک یومئذ المساق ہے۔ یہ ظرف ہے، اس کا تعلق اس فعل کے ساتھ ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے جب روح ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے گی تو انہیں تمہارے رب کی طرف ہانکا جائے گا۔ تراقی سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو دائیں اور بائیں جانب سے گلے کے گڑھے میں ملتی ہیں ہنسلی کی ہڈی تک نفس کے پہنچنے سے مراد موت کے قریب پہنچنا ہے۔

4۔ قریب الموت آدمی یہ گمان کرے گا کہ یہ مصیبت دنیا اور محبوب چیزوں سے فراق کا سبب ہے۔

5۔ ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لپٹ جائے گی وہ انہیں حرکت دینے پر قادر نہیں ہوگا۔ امام شعبی اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے دنیا کا معاملہ آخرت کے معاملہ کے ساتھ مل جائے گا۔ یہ دنیا کا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہوگا تو اس طرح دنیا کے فراق کی شدت قیامت کے آنے کی شدت کے ساتھ مل جائے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اس کے جسم کی تیاری میں لگے ہوں گے اور فرشتے اس کی روح کی تیاری میں لگے ہوں گے۔(1)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 156 (التجاریہ)

اللہ علیہ نے کہا ہمارے سامنے ذکر کیا گیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ابوجہل کو پکڑ کر فرمایا اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی۔ تو ابوجہل کہنے لگا اے محمد کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو؟ اللہ کی قسم تم اور تمہارا رب طاقت نہیں رکھتے کہ میرا کچھ بگاڑ سکو۔ بے شک میں اس پہاڑ کے درمیان سب سے معزز ہوں جب بدر کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سختی کے ساتھ پچھاڑا اور انتہائی برے طریقے سے قتل کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابوجہل ہے (1)۔ ابن جریر نے عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ تو ابوجہل نے قریش سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں تمہیں ابن ابی کبشہ یہ خبر دیتے ہیں کہ جہنم کے داروغے انیس ہیں جبکہ تمہاری بہت بڑی جمعیت ہے کیا تم میں سے دس آدمی بھی جہنم کے ایک داروغے کو نہیں پکڑ سکتے (2)۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی کی کہ آپ ﷺ ابوجہل کے پاس جائیں اور اس سے یوں کہیں اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو یہ اپنی طرف سے کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضور ﷺ نے یہ اپنی طرف سے کہا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تھا۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿٣٩﴾ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ﴿٤٠﴾

" کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا [1] کیا وہ (ابتداء میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے [2] پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کئے [3] پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت [4] کیا وہ (ایسی قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کر دے [5] "

[1] حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سدی کا معنی مہملا کیا ہے، یعنی اسے نہ حکم دیا جائے گا نہ روکا جائے گا نہ اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا اور نہ ہی اسے جزا دی جائے گی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا ہے کیونکہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ مہمل ہو حالانکہ اس کی تخلیق کی حکمت یہ ہے کہ اسے مکلف بنایا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ انسان دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیسے کر سکتا ہے اور اسے کیسے محال جانتا ہے جبکہ اس کی حالت یہ ہے۔

[2] یمنی کا معنی یصب ہے یعنی جسے رحم میں انڈیلا جاتا ہے۔ حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یاء کے ساتھ مذکر کا صیغہ پڑھا اور ضمیر منی کی طرف لوٹ رہی ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور ضمیر نطفہ کی طرف لوٹائی ہے۔

[3] پھر انسان نطفہ کے چالیس روز بعد جمے ہوئے خون کی صورت میں ہو گیا۔ پھر اسی طرح گوشت کا لوتھڑا ہو گیا۔ پھر اسے ہڈیاں بنایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 156 (التجاریہ) 2۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 80 (المصریہ)

گیا پھر اس پر گوشت چڑھا دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور جس میں اس میں اپنی روح پھونک کر پیدا کیا اور بعض کی تخلیق ... تخلیق نہیں کیا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے وہی منی جسے پہلے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں اور گوشت بنایا تھا اس سے دو صنفیں پیدا کیں۔ کبھی یہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

یعنی وہ اللہ جو اس طرح کرتا ہے اور سابق وجود کے بغیر انہیں ایجاد کرتا ہے کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں جب وہ ایسی چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں جو دوبارہ اٹھانے سے بھی زیادہ تعجب کا باعث ہے (یعنی پہلی دفعہ بغیر مثال کے پیدا کرنا)۔ اس کے باوجود دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا یا ان کے عدم جیسے موقوف ہونے اور ان کی حدود جیسا دشمنی کا تقاضا کرتے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۃ التین پڑھی اور اس نے الیس اللہ باحکم الحاکمین تک پڑھا تو وہ کہے بلی وانا علی ذلک لمن الشاہدین اور جو لا اقسم بیوم القیمۃ پڑھے اور الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی تک پہنچے تو اس وقت بھی وہ پڑھے بلی وانا علی ذلک لمن الشاہدین اور جو سورۃ المرسلت پڑھے اور فبای حدیث بعدہ یؤمنون تک پہنچے تو کہے امنا باللہ(1)۔ موسیٰ بن عائشہ سے مروی ہے ایک آدمی اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھتا تھا جب وہ کہتا الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی تو وہ کہتا سبحنک بلی تو لوگوں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سنا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے(2)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 57-156 (التجاریہ)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 330 (العلمیہ)

سورۃ الدہر

آیاتها ۳۱ | سورۃ الدھر مدنیۃ ۷۶ | رکوعاتها ۲

سورۃ الدھر مدنی ہے، اس میں دو رکوع اور اکتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝

"بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔"

۱۔ یہاں هل استفہامیہ تقریر کے معنی میں ہے معنی یہ ہوگا یقیناً انسان پر ایسا وقت گزرا ہے۔ الانسان سے مراد جنس ہے یا اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حین سے مراد زمانے کا ایک محدود طائفہ ہے(1)۔ قاموس میں ہے حین سے مراد ایک مبہم وقت ہے جس کا اطلاق تمام زمانوں پر ہو سکتا ہے وہ طویل ہو یا مختصر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا حین یہ چالیس سال کے ساتھ خاص ہے یا ایک ماہ یا دو ماہ کے ساتھ مختص ہے۔

الدھر سے مراد ایسا طویل زمانہ ہے جو غیر محدود ہو۔ قاموس میں ہے الدھر سے مراد طویل زمانہ یا ہزار سال ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کی مدت ہے۔ صحاح میں ہے دھر کا اصل معنی یہ ہے کہ کائنات کے آغاز سے لے کر اس کے ختم ہونے تک کی مدت کو الدھر کہتے ہیں۔ هل اتی علی الانسان حین من الدھر کا بھی یہی معنی ہے۔ پھر ہر طویل مدت کو دھر سے تعبیر کیا جانے لگا دھر فلاں سے مراد اس کی زندگی کی مدت ہے۔

لم یکن شیئاً مذکورا یہ جملہ الانسان سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ نہ اس کا ذکر کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کی پہچان تھی اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور نہ ہی اس سے جو مراد ہے اس کا کسی کو علم تھا۔ یا یہ جملہ حین کی صفت ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لم یکن فیه شیئا مذکورا۔ یہ کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ چیز تو تھا وہ اس کے بارے میں یہ ذکر نہ کیا جاتا تھا قد اتی علیه۔ نیز اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا ذکر نہ ہوتا تھا بلکہ اسے بالکل بھلا دیا گیا تھا۔ مفسرین نے کہا اگر انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو پھر اس حین سے مراد وہ وقت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے بنایا تو روح پھونکنے سے پہلے وہ طائف اور مکہ کے درمیان چالیس سال تک پڑے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سو بیس سال بعد پیدا کیا(2)۔ اگر انسان سے مراد جنس لی جائے تو پھر اس حین سے مراد چار ماہ ہیں جب وہ نطفہ، علقہ اور مضغہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہ مدت روح پھونکنے تک ہے۔ چھ ماہ کم سے کم مدت حمل ہے اور دو سال زیادہ سے زیادہ مدت حمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت سات سال ہے۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں کلام تسامح سے خالی نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 774 (فراس)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 157 (التجاریہ)

جس کا معنی مختلط ہے، یعنی اس میں مرد اور عورت کی منی ملی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ اعشار کے وزن پر ہوگا۔ ایک لفظ بولا جاتا ہے برمة اعشار یعنی ایسی دیگ جسے دس آدمی اٹھاتے ہیں۔ ہر دو دن جو آپس میں مل جائیں تو وہ بھی امشاج ہوتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اطوار ہے اس سے پہلے مضاف محذوف ہوگا کیونکہ نطفہ علقہ بنے گا۔ وہی مضغہ ہوگا اور پھر اس کی تخلیق مکمل ہوگی۔

نبتلیہ یہ الانسان سے حال ہے۔ یہاں ابتلا کا ذکر کیا۔ اس سے مراد مجازاً ایک حال سے دوسری حال کی طرف منتقل کرنا ہے۔ یا یہ حال مقدرہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی مُقَدِّرِیْنَ ابْتِلَا لَهٗ۔ سمیع و بصیر اس لئے بنایا تاکہ اس کے لئے دلائل کا سننا اور آیات کا مشاہدہ ممکن ہو۔ اس صورت میں یہ کلام ابتلاء سے مسبب ہوگی۔ اسی وجہ سے اس جملہ کا عطف اسی کلام پر کیا جسے نبتلیہ کے ساتھ مقید کیا۔

۳ ہم نے اس انسان کے لئے اللہ تعالیٰ، اس کی رضا اور اس کی جنت کی طرف دلائل معین کر کے، رسول مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے راستہ کو واضح کیا۔ یہاں ہدایت سے مراد اراءۃ الطریق ہے ایصال الی المطلوب نہیں۔ جبکہ اھدنا الصراط المستقیم میں ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب (منزل مقصود پر پہنچانا) ہے۔

شاکرا اور کفورا یہ ھدیناہ کی ھاء سے حال ہیں، یعنی ہم نے اس کے لئے راستہ کو واضح کیا اس کے لئے دو امروں میں سے ایک امر کو مقدر کرتے ہوئے یا تو وہ ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا یا اس سے اعراض کر کے ناشکری کرے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں السبیل سے حال ہیں، یعنی ہم نے اس کے لئے راستہ کو واضح کیا اس حال میں کہ وہ راستہ شکر بجا لانے والا ہے یا ناشکری کرنے والا ہے۔ یہاں سبیل کی شکر اور کفر سے جو صفت ذکر کی گئی ہے۔ یہ بطور مجاز ہے اور حرف تردید یہ راستہ کی دو حالتوں کے اعتبار سے ہے راستہ دکھانے کے اعتبار سے نہیں، یعنی راستے کی دو حالتیں ہیں ایک شکر کی اور دوسری کفر کی یہ مراد نہیں کہ شکر کا راستہ بھی بتایا اور ناشکری کا راستہ بھی بتایا۔ اسی وجہ سے یہ اعتراض کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ تاویل مستحسن نہیں کیونکہ حق کا راستہ دکھانا مستحسن ہے اور باطل کا راستہ دکھانا باطل ہے جو ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں حرف تردید کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حرف تردید تقاضا کرتا ہے کہ اس کا یہ معنی کیا جائے کہ ہم نے اسے دو راستوں میں سے ایک راستہ دکھایا، یعنی ہم نے اسے حق کا راستہ دکھایا یا باطل کا راستہ دکھایا تو وہ اس طریقہ پر چلا۔ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ باطل راستہ پر چلنا ہی انسان کی قدرت میں تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کلام شرط اور جزاء کی صورت میں ہے کہ اما ان شرطیہ اور ما زائدہ سے مرکب ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہے اگر وہ شکر گزار ہو یا ناشکرا ہم نے اسے راستہ بتا دیا اور ہم نے اس کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا۔ یہاں کفورا فرمایا کافر ذکر نہیں کیا جبکہ کافرا کا لفظ اپنے قسیم کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ کفور ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ فواصل کی رعایت ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ شکر گزار بندے سے بھی کبھی کبھی ناشکری ہو جاتی ہے تو اس لئے حقیقت میں اس کا قسیم وہی ہوگا جو ناشکری میں مبالغہ کرنے والا ہو۔ انا ھدیناہ السبیل والا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ اس مقدر سوال کا جواب ہے کہ جب انسان کو پیدا کر دیا گیا اور اس کے لئے سمع اور بصر بنا دیئے گئے تو اس انسان کے ساتھ بعد میں کیا کیا گیا اور اس انسان نے کیا کیا تھا۔

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَأَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝

"بے شک ہم نے بالکل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لئے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ ۔ بے شک نیک لوگ پئیں گے

گے۔[1] جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا۔[2]"

[1] اگر کافور کو چشمہ کا نام تسلیم کیا جائے تو عینا کافور سے بدل ہوگا۔ یا یہ من کاس کے محل سے بدل ہوگا۔ اس صورت میں عینا سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ماء عین یا اختصاص یا مدح یا اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر محل نصب میں ہے۔

یشرب بھا میں باء زائدہ ہے یا التذاذ کے معنی کو اپنے ضمن میں لینے کی وجہ سے باء، یشرب کا صلہ ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ لذت حاصل کرتے ہوئے پیتے ہیں یا جو چیز اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے اسے پیتے ہیں یا باء من ابتدائیہ کے معنی میں ہے۔

عباد اللّٰہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وہ ان چشموں کے پانی کو اپنے گھروں اور محلات تک جہاں لے جانا چاہیں گے لے جائیں گے۔ عبداللہ بن احمد نے ابن شوذب سے زہد میں روایت کیا ہے کہ جنتیوں کے پاس سونے کی ٹہنیاں ہوں گی وہ انہیں جہاں لے جانا چاہیں گے لے جائیں گے۔(1)

[2] یہ جملہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے انہیں ایسا بدلہ دیا جائے گا یا یہ اس سوال اَلْاَبْرَارُ مَاھُمْ کا جواب ہے یہ ابرار کی تعریف ہے، یعنی وہ فرائض ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ناپسندہ چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اچھائیاں کرتے ہیں۔ یہ ابرار کی شان ہے یہ مراتب نفس کے فناء اور رزائل کے زائل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں جہاں تک مقربین کا تعلق ہے تو ان کی شان ان سے بہت بلند ہے یا یہ جملہ سابقہ جملہ کی علت ہے، یعنی ابرار اس سے پیتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں نذر پوری کرتے ہیں۔

لغت میں نذر سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے اوپر ایسی چیز واجب کرے جو تجھ پر واجب نہ ہو صحاح میں اس طرح ہے جو چیز ان پر واجب نہ تھی بلکہ انہوں نے خود اسے واجب کیا تھا تو اس کو پورا کرنے کا عمل اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائدہ کردہ فرائض کو بدرجہ اولیٰ پورا کرتے ہوں گے جیسے نماز، زکوۃ، روزہ، حج، عمرہ، جہاد وغیرہ۔ امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے شاید وہ مراد ہو کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو نماز، زکوۃ، حج اور عمرہ وغیرہ جو لازم کئے ہیں وہ ان کو پورا کرتے ہیں۔

فصل:۔ جب نذر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر وہ چیز واجب کرے جو اس پر واجب نہ تھی تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نذر کے منعقد ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ طاعت ہو کیونکہ جو چیز طاعت نہ ہو اس کو واجب کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر وہ ہے جس کے ساتھ انسان اپنے رب کی رضا چاہے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے(2)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس چیز کی نذر مانی جا رہی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو اور اس میں یہ بھی لازم ہے کہ اس کی جنس میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کرنے کی وجہ سے واجب ہو۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں نذر میں شرط نہیں۔ نذر کے ساتھ اعتکاف کے واجب ہونے پر اجماع اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ نذر کے لئے یہ دونوں شرطیں نہیں کیونکہ یہ نماز کے لئے انتظار کی وجہ سے عبادت ہے بالذات عبادت نہیں۔ ساتھ ہی اس کی جنس سے کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نذر کے ساتھ ہر عبادت واجب ہو جاتی ہے جو پہلے واجب نہ تھی جس طرح مریض کی عیادت کرنا، نماز جنازہ میں شامل ہونا، سلام کرنا۔ اس کے عام

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 483 (العلمیہ) 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 183 (صادر)

ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے پس اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے اس صورت میں اسے قسم کا کفارہ دینا چاہئے۔ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اضافہ کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔

مسئلہ: جس نے کسی اچھے کام کی نذر مانی پھر اس کے ساتھ کچھ قیود ذکر کیں تو وہ لغو ہوں گی اور اچھے کام پر نذر لازم ہو جائے گی جس صورت کوئی یہ نذر مانتا ہے کہ وہ کسی معین جگہ نماز پڑھے گا یا کھڑے کھڑے روزہ رکھے گا یا اس طرح کی نذر مانتا ہے تو روزہ و نماز اس پر واجب ہو جائیں گے وہ جس جگہ اور جیسے ادا کرے جائز ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے تاہم امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ ان دو کا نقطۂ نظر یہ ہے انہوں نے یہ فرمایا اگر کسی نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔ اگر اس نے مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کے لئے مسجد حرام میں نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا جو مسجد مرتبہ میں اس سے کم ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمام صورتوں میں تمام مساجد میں اس عمل کی ادائیگی جائز ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ یوم فتح کو ایک آدمی نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ پر آپ کو فتح عطا فرمائی تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہاں ہی پڑھ لو اس نے یہی بات دو یا تین دفعہ نبی کریم ﷺ پر دہرائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو پھر جو تیرا ارادہ ہو۔ اسے ابو داؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(2)۔ اسی حدیث کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد اقصیٰ کی قید کو لغو قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا نماز کو ان تین مساجد مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے ساتھ مختص کرنا یہ ثواب کی زیادتی اور فضیلت کے لئے ہے۔ اس لئے یہ شرط لغو نہ ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد سے ایک ہزار درجہ فضیلت رکھتی ہے، متفق علیہ(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھر کی نسبت قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے، جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے، میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ یہ ثواب فرض نمازوں کے بارے میں ہے نفلی نمازوں کے بارے میں نہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کا اپنے گھر نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر فرض نماز کا یہ حکم نہیں۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا(5)۔ وہ روایات جو اطاعت کی نذر کے لغو ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اسی دوران ایک آدمی کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا۔ ابو اسرائیل نے بتایا اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 991 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 233 (صادر)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 447 (قدیمی)
4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 190 (العلمیہ)
5۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 403

رہے گا مگر نہ بیٹھے گا نہ سایہ حاصل کرے گا، نہ بات کرے گا، روزہ رکھے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہو کہ وہ بات چیت کرے سایہ حاصل کرے اور بیٹھے ساتھ ہی اپنا روزہ مکمل کرے (1)۔ اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے مگر اس میں دھوپ میں کھڑے ہونے کا ذکر نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں اسے مرسل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ تم اسے اس عمل کرنے کا حکم دو جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اسے چھوڑنے کا حکم دو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے ایسی کوئی بات نہیں پہنچی کہ حضور ﷺ نے اسے کفارہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضور ﷺ نے اسے کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کریب کی حدیث سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس میں کفارہ ادا کرنے کا حکم بھی ہے جبکہ محمد بن کریب ضعیف ہے۔

مسئلہ: نذر کی وجہ سے جو چیز اس پر واجب ہوئی ہو اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے مثل حقیقی یا حکمی سے قضا واجب ہوگی وہ نماز کی نماز کے ساتھ، روزے کی روزے کے ساتھ قضا کرے گا انتہائی بوڑھا آدمی ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جس نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی عذر کی وجہ سے سواری کی تو وہ ایک ھدی دے دے۔ جمہور نے یہی کہا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو صحیح مذہب منقول ہے وہ یہی ہے۔ اصل کی روایت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے جس آدمی نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی تھی تو اس پر پیدل حج کرنا واجب نہیں اس پر سوار ہونے کی صورت میں ھدی بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے پوچھا اس نے کیا حال بنا رکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سوار ہو جائے اور سر پر کپڑا لے۔ متفق علیہ۔ (2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا تو ایک آدمی نے عرض کی اس نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے سے غنی ہے اور اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر سوار ہو جائے۔ متفق علیہ (3)۔ ہم نے کہا جہاں تک عقبہ بن عامر کی حدیث ہے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر بیت اللہ شریف جائے گی۔ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ سوار ہو جائے اور قربانی کرے۔ داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل چل کر حج کرے گی جبکہ وہ اس کی طاقت بھی نہیں رکھتی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بہن کے چلنے سے غنی ہے اسے چاہئے کہ وہ سواری پر سوار ہو اور اونٹ ذبح کرے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر کی حدیث اسی طرح عمدہ سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صحیحین میں روایت مختصر ہے ہم نے جو روایات بیان کی ہیں وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ھدی سے مراد بدنہ ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جو آدمی یہ نذر

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 228 (صادر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 45 (قدیمی) 3۔ ایضاً

اپنی نذر پوری کرو۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس کی سند صحیح ہے(1)۔ نیز عمرو بن شعیب کی حدیث روایت کی جسے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے دادا سے روایت کیا۔ اس کی مثل ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی نذر جو نہ طاعت ہو اور نہ ہی معصیت اس کو پورا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے دادا سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے پر میں دف بجاؤں گی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر کو پورا کرو۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(2)۔ شاید یہ دف بجانے کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ایسی نذر جسے کسی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہو اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر مشروط نذر کا ہوتا ہے۔ ظاہر روایت کے مطابق یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے مگر ایک صورت میں آپ نے یہ کہا اگر اس نے تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی تو صرف تیسرا حصہ صدقہ کرے باقی صورتوں میں جو چیز اس نے اپنے اوپر واجب کی تھی وہ لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا آپ نے فرمایا کہ مشروط نذر کی صورت میں قسم کا کفارہ کافی ہے۔ اگر اس نے نذر پوری کر دی تو ذمہ داری سے فارغ ہو جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب ہدایہ اور علماء حنفیہ میں سے محققین نے یہ پسند کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ اس شرط کے قائم مقام ہو سکتا ہے جس شرط کے وجود کا نذر ماننے والا ارادہ نہ کرے جس طرح وہ یہ کہے اگر میں گھر داخل ہوں یا فلاں سے کلام کروں یا فلاں کام کروں تو مجھ پر حج اور سال کے روزے ہیں، اس نذر کو نذر حاج کہتے ہیں۔ رہی وہ شرط جس کے وجود کا وہ ارادہ کرے جیسے وہ کہے اگر میں سیر ہو جاؤں یا میرا غائب رشتہ دار آ جائے یا میرا دشمن مر جائے یا میری بیوی بیٹا جنے تو مجھ پر یہ چیز لازم ہے تو علماء نے کہا اس پر وفا واجب ہے کوئی اور چیز واجب نہیں ہوگی اس نذر کو نذر تبرر کہتے ہیں۔ ایسا ہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اظہر روایت بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری روایت یہ ہے کہ نذر حاج میں صرف کفارہ لازم آئے گا کوئی اور چیز لازم نہ ہوگی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے جسے وہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان مشترک وراثت تھی ان میں سے ایک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو دوسرے نے کہا اگر تو نے اس میں تقسیم جاری کی تو میرا تمام مال کعبہ مکرمہ کے لئے ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کعبہ مکرمہ تیرے مال سے غنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور اپنے بھائی سے بات چیت کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ تجھ پر قسم لازم ہوگی اور نہ ہی نذر لازم ہوگی اسی طرح قطع رحمی کی نذر ماننے میں نذر لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح جس چیز کا وہ مالک نہیں اس میں نذر ماننے میں نذر لازم نہ ہوگی۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(3)

مسئلہ:۔ جس نے ایسی عبادت کی نذر مانی جس کو بجا لانے کی وہ طاقت نہ رکھتا تھا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا۔ عقبہ کی بہن کے قصہ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کے پیدل چلنے میں کوئی فائدہ نہیں اسے چاہئے کہ وہ سوار ہو جائے وہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ عبداللہ بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 235 (صادر)　2۔ ایضاً، صفحہ 236　3۔ ایضاً، صفحہ 243　4۔ ایضاً، صفحہ 232

روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ آپ نے یہودی کا کچھ جو کے بدلے میں کام کیا۔ آپ نے جو لے لئے۔ ان کے تیسرے حصہ کو پیسا۔ اس کا کھانا پکایا تا کہ کھائیں۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک مسکین آ گیا۔ اس نے سوال کیا تو گھر والوں نے کھانا اسے پیش کر دیا۔ پھر دوسرا ثلث پیسا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک یتیم آ گیا۔ اس نے سوال کیا تو گھر والوں نے سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی ماندہ تیسرے حصہ کو پیسا۔ جب وہ پک گیا تو ایک مشرک قیدی آ گیا۔ اس نے کھانے کا سوال کیا۔ گھر والوں نے کھانا اسے دے دیا اور خود بھوکے ہی لیٹ گئے۔ (1)

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم دونوں بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی عیادت کی اور فرمایا اے ابوالحسن کاش آپ اپنے بیٹوں کے لئے نذر مانتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فضہ لونڈی نے نذر مان لی کہ اگر بچے درست ہو گئے تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے۔ جبکہ ان کے پاس کھانا بھی نہ تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے شمعون خیبری سے تین صاع جو قرض لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک صاع پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کھانا سامنے رکھا ہی تھا تو ایک مسکین ان کے دروازے پر آ کھڑا ہو گیا تو گھر والوں نے مسکین کی ضرورت کو ترجیح دی اور پانی کے بغیر کوئی چیز نہ چکھی۔ اگلی صبح پھر روزہ رکھ لیا جب شام ہوئی اور انہوں نے کھانا اپنے سامنے رکھا تو ایک قیدی دروازے پر آ گیا تو گھر والوں نے پہلے دنوں کی طرح کیا۔ تو جبریل امین یہ سورت لائے، عرض کی اے محمد ﷺ اسے لو، اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل بیت کے بارے میں مبارکباد دیتا ہے (2)۔ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مفصل حدیث ہے۔ یہ احمق اور جاہلوں کی زبانوں پر عام ہو گئی۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے اور کہا اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شادی ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ یہ اعتراض مقاتل، مجاہد اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول پر بھی لاحق ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ آیت ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت مدنی ہے۔ اسی طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہودی کے لئے جو پر مزدوری کرنا۔ یہ بھی مدینہ طیبہ میں ہو سکتا ہے کیونکہ یہودی مدینہ طیبہ میں تھے، وہ مکہ مکرمہ میں نہ تھے بلکہ آیت بذات خود بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آیت مدنی ہو کیونکہ قیدی تو مدینہ طیبہ میں ہی تھے مکہ مکرمہ میں نہ جہاد تھا اور نہ کوئی قیدی تھا۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اس صورت کا بعض حصہ مدنی ہو اگرچہ بعض حصہ مکی ہو۔ اگر یہ سب مکی ہو تو آیت میں مسلمانوں کے بعض احوال کی خبر دی جا رہی ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ظہور پذیر ہونے والے تھے۔

؎ اس جملہ سے پہلے قول مقدر ہے اور قول مقولہ یطعمون کے فاعل سے حال ہوگا۔ یہ قول زبان قال سے ہوگا یا زبان حال سے ہوگا۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا انہوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی کیفیت کو جان لیا تھا۔ اس لئے ان کی تعریف کی (3)۔ وجہ اللہ میں وجہ کا لفظ زائد ہے، یعنی اللہ کی رضا کے لئے ہم کھانا کھلاتے ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں۔ ہم دنیاوی عوض یا مال کی طلب نہیں رکھتے۔ شکور مصدر ہے جس طرح دخول خروج اور قبول مصدر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کسی گھر میں صدقہ بھیجتیں۔ پھر بھیجے جانے والے سے پوچھتیں کہ گھر والوں نے کیا کہا تھا، اگر وہ دعا کا ذکر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 159 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 775 (فراس) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 159 (التجاریہ)

لا یرون یہ متکئین کے فاعل سے حال ہے یا اس کے ذوالحال سے حال ہے۔ قاموس میں ہے زمہریر سے مراد چاند کی سخت ٹھنڈک ہے ازمہرت الکواکب سے مراد ہے کہ ستارے چکے زمہریر سے مراد سخت سردی ہے اور شمس سے مراد اس کالازم یعنی سخت گرمی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جنت میں نہ سخت گرمی ہوگی اور نہ ہی سخت سردی ہوگی، اس میں معتدل ہوا ہوگی۔ ابن مبارک اور عبداللہ بن احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی زوائد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جنت راحت بخش ہے، نہ اس میں سخت گرمی ہوگی اور نہ ہی ٹھنڈک ہوگی۔ یہاں زمہریر سے مراد چاند ہے یا ستاروں کا چمکنا ہے۔ اس کا معنی ہوگا کہ جنت بذات خود روشن ہے اور اپنے رب کے نور سے چمک رہی ہے۔ اسے نہ سورج کی ضرورت ہوگی نہ چاند کی ضرورت ہوگی۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے شعیب بن جیحان سے نقل کیا ہے کہ میں اور ابو عالیہ ریاحی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نکلے اور کہا یہ کہا جاتا ہے کہ جنت اس طرح ہوگی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی وظل ممدود۔ میں کہتا ہوں ابوالعالیہ کے قول الجنة هكذا کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جنت کو صبح کے نور کے ساتھ تشبیہ دے رہے تھے کیونکہ صبح کی روشنی کمزور ہوتی ہے اور تاریکی کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ جنت کا نور اس طرح پھیلے گا جس طرح صبح کا نور پھیلا ہوا ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾

"اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے اور گردش میں ہوں گے [1] ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشے کے چمکدار گلاس [2] (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا [3]"

[1] دانية کا معنی قریب ہے۔ اس کا عطف متکئین پر ہے یا لا یرون کے محل پر، اس کا عطف ہے یا اس کا عطف جنة پر ہے جبکہ اس سے پہلے موصوف محذوف ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وَجَنَّةً اُخْرٰى دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہوگا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ لیکن اس تاویل میں کمزوری ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ پہلی جنت کے سائے قریب نہ ہوں گے کیونکہ تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ ظللها یہ دانية کا فاعل ہے۔ ظللت یہ ظلالها سے حال ہے۔ اس سے پہلے قد مضمر ہوگا یا اس کا دانية پر عطف ہوگا۔ جس طرح فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کا عطف ہے۔ یا دانية کے ذوالحال سے یہ حال ہے جبکہ ضمیر عائد محذوف ہے۔ قطوف کا معنی پھل ہے۔ تذلیلا یعنی ان کا حاصل کرنا آسان ہے۔ جنتی جیسی حالت میں بھی ہوں گے ان کا توڑنا مشکل نہ ہو گا۔ سعید بن منصور اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جنتی جنت کے پھلوں میں سے کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہر حالت میں کھائیں گے۔

[2] اکواب ایسے برتن جن کے دستے نہ ہوں گے۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ کانت قواریرا یہ جملہ اکواب کی صفت ہے۔ کان کو تامہ مانا جائے تو قواریرا یہ کانت کے اسم سے حال ہوگا، یعنی وہ برتن ایسے ہوں گے جیسے شیشے۔ اگر کان کو ناقصہ مانا جائے تو قواریرا اس کی خبر ہوگی، یعنی وہ صفائی میں شیشے کی طرح ہوں گے۔ (1)

1۔ الدرالمنثور، جلد 6، صفحہ 478 (العلمیہ)

سعید بن منصور اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اگر تو دنیا کی چاندی لے پھر اسے کوٹتا رہے یہاں تک کہ تو اسے مکھی کے پر کی طرح باریک بنا دے۔ اس کے باوجود تو اس کے پیچھے سے پانی نہیں دیکھ سکتا لیکن جنت کے برتنوں کی حالت یہ ہے کہ وہ چاندی جیسی سفیدی اور شیشے جیسی صفائی کے حامل ہوں گے۔(1)

قواریرا من فضۃ یہ پہلے قواریرا سے بدل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنت میں کوئی نعمت ایسی نہیں مگر دنیا میں بھی اس جیسی نعمتیں عطا کی گئیں۔ جنت کے چاندی کے قواریر کے مشابہ کوئی قواریر نہ تھا(2)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے قواریر اسی کی زمین کی مٹی سے بنائے ہیں۔ جنت کی زمین کیونکہ چاندی کی ہے اس لئے اس کے بلوری برتن چاندی کے ہوں گے جن میں جنتی پئیں گے(3)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قواریر کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ آیات کے سرے مناسب ہو جائیں اور دوسرے کو تنوین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ وہ غیر منصرف ہے۔ نافع، کسائی اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے دوسرے کو بھی الف کے ساتھ پڑھا ہے وہ تنوین کا عوض ہے اور جس نے تنوین نہیں پڑھی اس نے قیاس کے مطابق الف پر وقف کیا ہے۔ ہشام نے الف کے ساتھ وقف کیا ہے تاکہ پہلے کے ساتھ تطبیق قائم ہو جائے۔

قدروھا تقدیرا یہ اکواب کی دوسری صفت ہے یا قدر کی تقدیر کے ساتھ یہ حال ہے۔ معنی یہ ہوگا ساقیوں اور خادموں نے ان کی ضرورت کے مطابق اندازہ لگایا ہے نہ کم اور نہ ہی زیادہ۔ فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید یہ آیت اس طرف اشارہ ہے کہ پیالوں کے انداز معرفت الہیہ میں ان کی استعداد کے مطابق ہوں گے(4)۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے ان کی تقدیر کا مطلب یہ ہوگا نہ وہ لبالب بھرے ہوں گے کہ وہ چھلک جائیں نہ ان کناروں سے کم ہوں گے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جنتی اپنے دلوں میں اندازہ لگائیں گے اور تمنا کریں گے تو وہ اسی اندازے اور شکل میں موجود آ جائیں گے یا وہ اپنے اعمال کے مطابق ان کا اندازہ لگائیں گے تو وہ اسی حساب سے آ جائیں گے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ﴿﴾

"اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے۔"

یہ اس جملہ کا عطف یطاف علیہم پر ہے۔ یہاں کاس سے مراد مشروب ہے۔ یا تو اس کا اطلاق حقیقت کے اعتبار سے ہے یا مجاز کے اعتبار سے جیسے یہ جملہ بولتے ہیں جری النھر۔

کان مزاجھا زنجبیلا یہ کاس کی صفت ہے۔ عرب اس شراب سے لطف اندوز ہوتے جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اسی چیز کا وعدہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جنت کی جن چیزوں کا ذکر کیا ہے اور ان کا نام لیا ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جس میں زنجبیل کا

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 487 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 487 (العلمیہ)

ذائقہ ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے صرف مقرب پئیں گے۔ باقی جنتیوں کو اس میں سے کچھ ملا کر پلایا جائے گا(1)۔ یہ پینے والوں کی رغبت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ جس کی طبیعت میں گرمی ہو اسے ٹھنڈی چیز پسند ہوتی ہے تو وہ ایسے جام کو پسند کرتا ہے جس میں کافور کی آمیزش ہو، جسے سردی لگی ہو اسے ایسی چیز خوشگوار محسوس ہوتی ہے جو گرمائش عطا کرے۔ ہر ایک کے لئے وہ کچھ ہو گا جس میں وہ رغبت رکھتا ہے۔

عینا یہ زنجبیلا سے بدل ہے۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی جب زنجبیل چشمے کا نام ہو، ورنہ یہ کاس سے بدل ہوگا جبکہ عین سے پہلے مضاف محذوف ہوگا۔ سعید بن منصور، ہناد اور بیہقی نے مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے سلسبیل تیزے کے نرم لوہے کو کہتے ہیں(2) جو شراب حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے اسے کہتے ہیں سلسل سلسالا و سلسبیلا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں باء زائدہ ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ ان کے مطیع ہوگا وہ جہاں چاہیں گے اسے لے جائیں گے۔ مقاتل اور ابو العالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ راستے اور ان کے گھروں میں بہے گا۔ یہ چشمہ عرش کے نیچے سے نکلے گا اور جنتیوں کی طرف بہے گا۔ جنت کی شراب میں کافور کی ٹھنڈک، زنجبیل کا ذائقہ اور کستوری کی خوشبو ہوگی۔(3)

وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ⑲ وَ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ⑳

"اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں[1]۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی[2]"

[1] اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے۔ ولدان سے مراد وہ بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کی خدمت کے لئے پیدا فرمائے گا یا اس سے مراد کافروں کے بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جنتیوں کا خادم بنا دے گا۔ وہ بچے نہ مریں گے اور نہ ہی بوڑھے ہوں گے۔ جب تو انہیں خدمت کے لئے بکھرا ہوا دیکھے گا تو تو خیال کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اگر وہ صف میں ہوں تو انہیں پروئے ہوئے ہار کے ساتھ تشبیہ دینا درست ہوگا۔ یہ جملہ شرطیہ ولدان کی دوسری صفت ہے۔ ابن مبارک، ہناد اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے کم درجے والا جنتی وہ ہوگا جس پر ایک ہزار خادم دوڑ رہے ہوں گے۔ ہر ایک کے پاس ایسی چیز ہوگی جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگی(4) پھر یہ آیت تلاوت کی۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے کم درجے والا جنتی وہ ہوگا جس کے سر پر دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے(5)۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سب سے کم درجے والا وہ جنتی ہوگا جس پر پانچ ہزار خادم آ جا رہے ہوں گے۔ ہر ایک خادم کے پاس وہ چیز ہوگی جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم(6)۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ چھال کی چٹائی پر سوئے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 160 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 488 (العلمیہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 161 (التجاریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 488 (العلمیہ) 5۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 741 (الفکر) 6۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 509 (الفکر)

گے۔ اسے بزار، طبرانی اور ابویعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے ریشم نہیں پہنائے گا، متفق علیہ (1)۔ امام نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں جس نے دنیا میں شراب پیا وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا، جو دنیا میں سونے اور چاندی کے برتن میں شراب پیئے گا وہ آخرت میں ان دونوں سے شراب نہیں پیئے گا۔ صحیحین میں حضرت انس اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی حدیث مروی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی حدیث مروی ہے، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں اگر وہ جنت میں داخل ہوا تو ریشم زیب تن نہیں کرے گا۔ طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نیز نسائی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔

وحلوا کا عطف **ویطوف علیهم** پر ہے یا عالیہم میں **هم** ضمیر سے یہ حال ہے اور اس سے پہلے **قد** محذوف ہے۔ اساور سے پہلے حرف جار محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔ **من فضة** میں من بیانیہ ہے۔ یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اساور **من ذهب** کے مخالف نہیں کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قسم کے کنگن انہیں پہنائے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یکے بعد دیگرے انہیں یہ کنگن پہنائے جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں اور بعض کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں۔ اگر اس جملہ کو **خدم** کی ضمیر سے حال بنایا جائے تو پھر یہ ممکن ہے کہ چاندی کے کنگن خادموں کے ہوں اور جنتیوں کے کنگن سونے کے ہوں۔ ایک کنگن چاندی کا ہو اور ایک کنگن موتیوں کا ہو۔ ابوالشیخ نے عظمت میں کعب الاحبار سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے لئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رکھے گا۔ اگر جنتیوں کے زیور میں سے کوئی زیور دنیا میں ظاہر ہو جائے تو وہ سورج کی روشنی کو بھی مٹا دے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مومن کے زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے (2)۔ امام نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عقبہ بن عامر سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے اگر تم جنت کا زیور اور ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں انہیں نہ پہنو (3)۔

وسقهم الخ اس جملے کا عطف بھی سابقہ جملہ پر ہے۔ **شراب طهور** سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوگا۔ اسے ہاتھوں نے نہیں چھوا ہوگا جس طرح دنیا کا شراب ہوتا ہے جس میں آلودگی بھی ہوتی ہے اور لوگ اسے بناتے ہیں۔ ابوقلابہ اور ابراہیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وہ شراب ناپاک پیشاب کی شکل میں تبدیل نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کے بدن سے پسینے کی صورت میں نکل جائے گا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ انہیں کھانا دیا جائے گا۔ جب وہ کھانا ختم کرنے والے ہوں گے تو انہیں یہ مشروب دیا جائے گا۔ وہ اسے پئیں گے۔ اس کے ساتھ ان کے پیٹ پاک ہو جائیں گے۔ انہوں نے جو کچھ کھایا ہوگا وہ پسینہ بن جائے گا جو ان کی جلد سے نکل جائے گا، جو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ اسی کے ساتھ ان کی خواہش لوٹ آئے گی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا **شراب طهور** سے مراد جنت کے دروازے پر پانی کا چشمہ ہے۔ اس سے جو بھی پیئے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے کینہ اور حسد نکال دے گا (4)۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 867 (وزارت تعلیم)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 127 (قدیمی)
3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145 (صادر)　　4۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 161 (التجاریہ)

لہ اس میں فاء جزائیہ ہے۔ مطلب یہ ہے جب آپ نیکوں اور بروں کی حالت اور آخرت کے احوال جان چکے ہیں تو کفار کی اذیتوں پر صبر کیجئے۔ آپ ان کی سزا میں جلدی نہ کریں اور ان کے خلاف آپ کے غلبہ میں جو دیر ہو رہی ہے اس پر جلدی نہ مچائیں اور جب آپ کو یہ علم ہو چکا ہے کہ قرآن کو نازل کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے تو جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے اس پر صبر کریں۔ کامیابی میں تاخیر پر تنگ ہونے کی وجہ سے آپ گناہگار کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو گناہ کی طرف دعوت دے رہا ہے اگرچہ وہ گناہ کفر نہ ہو اور نہ ہی کافر کی اطاعت کریں جو آپ کو کفر کی طرف بلا رہا ہے۔

او کی وجہ سے یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گناہگار کی اطاعت کرنا منع ہے یا ناشکرے کی اطاعت کرنا منع ہے مگر یہ شبہ درست نہیں کیونکہ یہاں نکرہ (اثم اور کفور) نفی کے تحت داخل ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو گناہ کی طرف بلاتا ہو یا کفر کی طرف بلاتا ہو یا ان دونوں کی طرف بلاتا ہو کیونکہ وہ تو گناہ اور کفر دونوں کی طرف بلانے والا ہے۔ اگر یہاں او کی جگہ واؤ ہوتی تو پھر معنی یہ ہوتا جو آپ کو کفر اور گناہ دونوں کی طرف دعوت دے اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس سے یہ معنی سمجھ نہیں آتا کہ جو صرف گناہ کی طرف دعوت دیتا ہے اس کی اطاعت بھی نہ کرو۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کافر کی ایسی بات میں اطاعت کرنے میں کوئی حرج نہیں جو گناہ اور کفر نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں او واؤ کے معنی میں ہے۔

اثم اور کفورا دونوں سے مراد ابوجہل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ جب نماز فرض ہوئی تو ابوجہل نے حضور علیہ السلام کو نماز سے منع کیا تھا اور کہا اگر میں نے محمد (علیہ السلام) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن روند ڈالوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ عبدالرزاق، ابن منذر اور ابن جریر نے قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفورا سے مراد ولید بن مغیرہ تھا۔ دونوں نے نبی کریم علیہ السلام سے کہا جو کچھ تم نے کیا اگر عورتوں اور مال کے لئے کیا تو اس معاملہ کو چھوڑ دو۔ عتبہ نے کہا میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرتا ہوں اور بغیر مہر تیرے پاس بھیج دیتا ہوں۔ ولید نے کہا میں تجھے اتنا مال دے دوں گا جس سے تو راضی ہو جائے گا۔ اس لئے اس امر سے لوٹ آ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

"اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی لہ اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کا فی وقت اس کی تسبیح کیا کیجئے ۲۔"

لہ اذکر کا معنی ہے تم نماز پڑھو۔ نماز کو ذکر سے تعبیر کرنا ایسے ہی ہے جیسے جزء بول کر کل مراد لیا جائے کیونکہ تکبیر تحریمہ نماز کا ایک رکن ہے یا کہا جاتا ہے کہ نماز کے اقوال اور افعال سب اللہ تعالیٰ کے ذکر ہیں۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا نماز لوگوں کی کلام نہیں بلکہ یہ تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے(2)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے معاویہ بن حکم سے روایت کیا ہے۔ بکرۃ کا لغوی معنی دن کا پہلا حصہ ہے لیکن یہاں اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ یہ مفعول فیہ ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ اسی طرح اصیل سے مراد دن کا آخری حصہ ہے۔ یہاں اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 162 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 203 (قدیمی)

اپنے اوپر لازم کرے۔

نافع رحمۃ اللہ علیہ اور کوفہ کے قراء نے تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اے لوگو تمہاری یا کفار کی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنانے یا کسی اور چیز کو اپنانے کی مشیئت اس وقت تک نہیں پائی جا سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کی بھی وہی مشیئت نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ایک دل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ، اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ جب مومنین کی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت پائی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنا لیتا ہے اور جب کفار کی ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت نہیں ہوتی تو وہ اس راستہ کو نہیں اپناتا۔ جو کوئی جس کا اہل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہوتا ہے۔ ایک انسان وہی کچھ کرتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا ہے۔ یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان میں خیر اور شر کی استعداد پہلے سے موجود ہوتی ہے کیونکہ مومنین کے تعینات کا مبدأ اللہ تعالیٰ کا اسم ہادی ہے اور کفار کے تعینات کا مبدأ اللہ تعالیٰ کا نام مضل ہے اور وہ وہی چاہتا ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے کیونکہ جنت رحمت کا محل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور تصدیق اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اپنی محبت اس کے سر میں ڈالتا ہے، اسے طاعت اور اس پر دوام اختیار کرنے کی توفیق دیتا ہے اور کفر و نافرمانی سے نفرت دلاتا ہے۔

الظلمین یہ فعل محذوف کے ساتھ منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یُعَذِّبُ الظّٰلِمِیْنَ۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا والے جملے اور الظلمین والے جملے کا عطف یدخل والے جملہ پر ہے۔ یہ دونوں جملے ما یشاء ون الا ان یشاء اللّٰه کے مضمون کی وضاحت کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی)

میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو القاء کیا۔ یا ان سے مراد ان انبیاء کے نفوس ہیں جنہیں لوگوں کی ہدایت، راہنمائی اور احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ انہوں نے احکام کی بجا آوری اور منہیات سے روکنے میں جلدی کی، ہدایت کو پھیلایا، حق اور باطل میں جدائی کی اور امت کے دلوں اور زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو القاء کیا۔

۲ے قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، انہوں نے عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ عذرا کے ذال پر ضمہ ہے۔ یہی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے جبکہ باقی قراء نے ذال کو ساکن پڑھا ہے۔

نافع، ابن کثیر اور ابن عامر اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے نذرا کو ذال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ جب یہ دونوں لفظ ذال کے سکون کے ساتھ ہوں تو یہ مصدر ہوں گے عذر کا معنی گناہ کو مٹانا اور نذر کا معنی ڈرانا ہے۔ جب ذال مضموم ہو تو عذر عذیر کی جمع ہوگی جس کا معنی مٹانا ہے اور نذر نذیر کی جمع ہوگی جس کا معنی ڈرانا ہے۔ دونوں کا معنی پھر یہ ہوگا معذرت کرنے والا اور ڈرانے والا پہلی دو صورتوں (ا) میں یہ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ مفہوم یہ ہوگا یہ پانچوں فعل اس لئے ہیں تاکہ مومن اپنے گناہوں کو مٹانے کے لئے معذرت کریں اور کافروں کو ڈرانے کے لئے انہیں خوفزدہ کیا جائے۔ یہ ہوائیں کفار کے لئے عذاب کی وعید کا سبب ہیں جب وہ بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یا یہ دونوں اسماء ذکراً سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ ذکر سے مراد وحی ہے اور تیسری صورت (ب) میں یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾

"بے شک جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی [1] پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے [2] اور جب آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے [3] اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اڑا دیئے جائیں گے [4] اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا [5] (تمہیں علم ہے) کس دن کے لئے یہ ملتوی کیا گیا ہے [6] فیصلہ کے دن کے لئے ہے (اے مخاطب) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے؟ [7]"

۱ے قیامت اور جزاء کا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہیں گی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔

۲ے یعنی جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ان کا نور ختم ہو جائے گا۔ اذا کا جواب محذوف ہے، وہی اذا میں عامل ہے۔ جواب یَفْصِلُ بَیْنَ اَھْلِ الْجَنَّةِ وَ اَھْلِ النَّارِ ہے۔

۳ے فرجت کا معنی پھاڑ دینا ہے جس کی وجہ سے اس میں سوراخ ہو جائیں۔

۴ے نسفت کا معنی اپنی جگہوں سے پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور انہیں الٹ دیا جائے گا۔

۵ے ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اقتت کو وقتت پڑھا ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے واؤ کے ساتھ مروی ہے جبکہ جمہور کے نزدیک ہمزہ کے ساتھ مروی ہے جو واؤ سے ہی بدلا ہوا ہے، یعنی امتوں کے خلاف شہادت کے لئے رسولوں کو لایا جائے گا۔

(ا) جب قسم میں مذکورہ اسماء سے مراد فرشتے اور ہوائیں لی جائیں۔ (ب) جب اس سے مراد آیات لی جائیں۔

تھے۔ یہ استفہام تقریری ہے۔

سے آخرین سے مراد کفار مکہ ہیں جو اپنے پیش رووں کے اسی طریقہ پر رواں دواں ہیں جس طرح وہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کو جھٹلا رہے ہیں۔ اس کا عطف الم نھلک کے مضمون پر ہے، یعنی ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا پھر اس کے بعد میں آنے والے لوگوں کو ہلاک کر دیں گے۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۞ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۞ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۞ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۞

"گناہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں[1]۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے[2]۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا[3]۔ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں[4] ایک معین مدت تک[5]"

[1] کذلک مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ہم مجرموں کے ساتھ اس طرح سلوک کرتے ہیں۔

[2] جس طرح ہم نے وعدہ کیا ہے اسی طرح اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہوگی۔

[3] یہاں استفہام تقریری ہے، یعنی یقیناً ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا کیا ہے اور وہ نطفہ ہے۔

[4] ہ ضمیر سے مراد پانی ہے اور قرار مکین سے مراد رحم ہے۔ فی قرار مکین ظرف مستقر جعلنه کا مفعول ثانی ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب جعل فعل صیر کے معنی میں ہو۔ بصورت دیگر یہ ظرف لغو ہوگی اور جعلنا کے متعلق ہوگی اور جعلناہ والا جملہ الم نخلقکم کے مضمون پر معطوف ہوگا۔ اس میں فاء تفسیر کے لئے ہے تعقیب کے لئے نہیں۔ یا یہ ترکیب میں قلب پر محمول ہوگا۔

[5] اگر فی قرار مکین ظرف مستقر ہو تو یہ اسی کے متعلق ہوگا ورنہ یہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہوگا۔ عرف میں اس کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہوگی یا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مدت معلوم ہے۔

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۞ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۞

"پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں[1]۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے[2]"

[1] نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قدرنا کو مشدد پڑھا ہے۔ یہ تقدیر سے مشتق ہے، یعنی ہم نے اس کے لئے ماں کے پیٹ میں ٹھہرنے، ولادت، عمل اور موت کے وقت کو مقدر کر دیا ہے۔ نیز اس کے لئے رزق کو مقدر کر دیا ہے اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام صادق و مصدوق نے ہمیں بیان کیا ہے کہ تمہاری پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ پھر اتنے ہی دن جمے ہوئے خون پھر اتنے ہی دن گوشت کے لوتھڑا کی صورت میں ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ فرشتہ اس کا عمل، موت کا وقت، اس کا رزق اور اس کا بدبخت یا سعادت مند ہونا لکھ لیتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک جنتیوں والا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے تو وہ

1۔ اس جملے کا عطف لم نجعل کے مضمون پر ہے۔ فیھا میں ضمیر سے مراد زمین ہے۔ رواسی کا معنی پہاڑ ہے۔ شامخات کا معنی بلند ہے، یعنی پہاڑ زمین سے اٹھے ہوئے ہیں۔ نکرہ اس لئے ذکر کیا تا کہ پہاڑوں کی عظمت کا بیان ہو۔

2۔ جو اس قسم کی نعمتوں کو جھٹلائے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ تمام مذکورہ باتیں دوبارہ اٹھائے جانے سے زیادہ عجیب ہیں۔

3۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ایک مقدر سوال کا جواب ہے کہ اس دن کو جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی انہیں اس دن کہا جائے گا چلو اسی عذاب کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

4۔ یہ امر کا صیغہ پہلے انطلقوا سے بدل ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے جس طرف وہ جاتے ہیں اس کا بیان ہے۔ مفسرین نے اس سے جہنم کا دھواں مراد لیا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے فرمایا جب بڑا دھواں اوپر کو اٹھتا ہے تو مختلف حصوں میں بکھر جاتا ہے جہنم کے دھوئیں کے تین حصوں میں منقسم ہونے کی امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (1) اور دوسرے مفسرین نے کئی وجوہات ذکر کی ہیں جو پسندیدہ نہیں۔

میرے نزدیک اس دھوئیں کے تین حصوں میں منقسم ہونے کی وجوہات یہ ہیں کہ جہنم میں داخل ہونے کے تین سبب ہیں: (1)۔ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، واضح طور پر رسولوں کا انکار کرنا جس طرح کفار کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا ہے۔

(2)۔ خواہشات کی پیروی کرنا، رسل اور آیات کا کنایہ کے طریقہ پر انکار کرنا۔ جس طرح مجسمہ، قدریہ، رافضیوں، خارجیوں اور مرجئہ کا نقطہ نظر ہے جو اجماع کے خلاف، نصوص قطعیہ کی ظاہر کے خلاف فاسد تاویلیں کرتے ہیں۔ جس طرح مجسمہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو جھٹلاتے ہیں وجوہ یومئذ ناظرۃ۔ اسی طرح ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جن میں اعمال کے وزن، پل صراط اور اس جیسی باتوں کا ذکر ہے۔ خارجی اور رافضی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم کی شان کے متعلق جو باتیں تواتر معنوی سے ثابت ہیں ان کا انکار کرتے ہیں۔

(3)۔ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور واجبات کو ترک کرنے میں خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی تین امور ہیں جو جہنم کے دھوئیں کو تین حصوں میں منقسم ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جہنم میں سے ایک دھوئیں کا حصہ نکلے گا۔ پھر وہ تین حصوں میں منقسم ہو جائے گا۔ ایک نور ہوگا جو مومنین کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔ ایک دھواں جو منافقین کے سروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ ایک شعلوں والی آگ ہوگی جو کافروں کے سروں پر جا کر ٹھہر جائے گی (2)۔ میں کہتا ہوں یہ ضرور مرفوع روایت ہوگی کیونکہ یہ ایسی چیز نہیں جو عقل سے معلوم کی جا سکتی ہو جہنم کے دھوئیں میں سے ایک حصہ کو جو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دھواں دوسرے دو قسم کے دھوؤں سے کم سیاہ ہوگا ورنہ جہنم میں نور کا کیا مطلب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی آگ ایک ہزار سال تک جلائی جائے گی حتی وہ سرخ ہوگی۔ پھر اسے ایک ہزار سال تک جلایا جائے گا تو وہ سیاہ ہوگی۔ اس وقت وہ سخت تاریک ہوگی (3)۔ اسے امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ حصہ جو کم تاریک ہوگا مومن جہنمیوں کے سروں پر کھڑا ہو جائے گا۔ دوسرا حصہ جس میں آگ کے زیادہ اجزاء ہوں گے اور زیادہ تاریک ہوگا۔ وہ منافقوں کے سروں پر ٹھہر جائے گا۔ یہاں منافقین سے مراد بدعتی اور

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 778 (فراس) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 164 (التجاریہ) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

تھے۔ پہلی تشبیہ میں ان کی عظمت کا بیان تھا اور اس تشبیہ میں رنگت، کثرت، پے در پے آنے، ملے ہوئے ہونے اور تیز حرکت کرنے کا بیان ہے۔

ل جو آگ اور عذاب کو جھٹلاتے تھے اس روز ان کے لئے ہلاکت ہے۔

ع اس روز کفار ایسی بات نہ کریں گے جو انہیں فائدہ دے یا دہشت اور حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ بولیں گے۔ بعض مواقع پر ایسے ہوگا اور بعض مواقع پر وہ کلام کریں گے۔

ع لا یوذن لھم کا عطف لا ینطقون پر ہے۔ یعنی انہیں معذرت پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فیعتذرون کا عطف لا یوذن پر ہے۔ یہ کلام اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہیں نہ کلام کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی وہ معذرت کر سکیں گے۔ شاید یعتذرون کو نفی کا جواب اس لئے نہیں بنایا تا کہ یہ اس امر پر دلالت نہ ہو کہ انہوں نے معذرت اس لئے نہ کی کہ انہیں کلام کی اجازت ہی نہ تھی جبکہ یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ان کا عذر تو تھا تو اس چلتے فرمایا جو اپنے احسان کرنے والے سے اعراض کرے اور اس کی نعمتوں کا انکار کرے اس کے لئے کیا عذر ہو سکتا ہے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝

" (اے کافرو) یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلوں کو جمع کر دیا ہے لے پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو ع تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ع بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے ع اور (ان) پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ پسند کریں گے ۵ "

ل اسے یوم الفصل اس لئے کہا کیونکہ یہ جنتیوں اور جہنمیوں میں فرق کرتا ہے۔ جمعنکم یہ ھذا کی دوسری خبر ہے یا یہ یوم الفصل سے حال ہے۔ اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔ معنی ہوگا ہم اس دن میں تمہیں اور پہلوؤں کو جمع کریں گے۔ نیز یہ جملہ علت بھی بیان کرتا ہے۔ ھذا یوم الفصل یہ فیصلہ کا دن ہے کیونکہ ہم نے مومن اور جھٹلانے والے کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے تمہیں جمع کیا ہے یا یہ فصل کا بیان ہے۔

ع کید سے مراد حیلہ ہے یعنی جس طرح تم دنیا میں مومنوں کے ساتھ مکر و فریب کرتے تھے۔ اگر عذاب سے بچنے کے لئے تمہارے پاس حیلہ ہے تو آزماؤ جس طرح تم کہتے تھے۔ کیا تم میں سے دس آدمی عاجز ہیں کہ انیس داروغوں میں سے ایک کو پکڑ سکیں۔ فکیدون میں یائے متکلم محذوف ہے، یعنی تم اب خفیہ تدبیر کرو اس میں انہیں شرمندہ کیا جا رہا ہے اور ان کے عجز کا اظہار ہے۔ یہ جملہ شرطیہ قول محذوف کا مقول ہو کر جمعنا کم پر معطوف ہے۔

ع جو آدمی عذاب کو جھٹلاتا ہے اس کے لئے آج ہلاکت ہے کیونکہ ان کے لئے آج عذاب سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوئی حیلہ نہیں۔

ع جو شرک اور معاصی سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں وہ درجات کے مختلف ہونے کے اعتبار سے گھنے درختوں کے سائے میں ہوں گے۔ فی ظلل یہ گھنے درختوں سے کنایہ ہے جس طرح لمبے قد کے لئے کہا جاتا ہے فلان طویل النجاد اگر چہ اس کے جسم پر کوئی پٹہ نہ ہو کیونکہ اس وقت کوئی سورج نہیں ہوگا کہ سایہ کا تصور کیا جائے اور مومن ایسے چشموں کے پاس ہوں گے جن کا پانی جاری ہوگا جو

ابن منذر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثقیف کے وفد کو ایمان اور نماز کا حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا ہم تجبیہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ گالی ہے۔ قاموس میں تجبیہ کا معنی یہ ہے کہ گھٹنوں اور زمین پر ہاتھ رکھنا یا منہ کے بل زمین پر گرنا کیونکہ یہ عمل ذلت و شرمندگی کا سبب ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

"اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے [1] تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے [2] آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے [3]"

[1] یہ جملہ معترضہ کفار کی مذمت کے لئے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ التفات کے طریقہ پر مجرموں پر معطوف ہو۔ التفات خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف ہو، یعنی تم مجرم ہو اور جب انہیں نماز کی دعوت دی جائے تو وہ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا عطف مکذبین کے مضمون پر ہے، یعنی ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جنہوں نے جھٹلایا اور جب انہیں نماز کے لئے بلایا گیا تو انہوں نے نماز نہ پڑھی۔

[2] جو امر اور نہی کا انکار کرتے تھے ان کے لئے ہلاکت ہے۔

[3] قرآن کے بعد کس پر ایمان لاؤ گے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی جب وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ کسی دلیل پر ایمان نہیں لائیں گے۔ قرآن نظم و معنی کے اعتبار سے اعجاز کی کئی وجوہ پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں واضح اور روشن دلائل پائے جاتے ہیں۔ جب اس سورت کا سیاق عموماً ڈرانے پر دلالت کرتا ہے جس طرح سورۂ انسان کا سیاق لطف و مہربانی پر دلالت کرتا ہے تاکہ وہ عموماً اطاعت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ ھود، والمرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ نے سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سورۃ النبأ

آیاتہا ۴۰ | سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ۸۰ | رکوعاتہا ۲

سورۃ النبأ مکی ہے۔ اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾

"یہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں؟ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں"

عَمَّ اصل میں عن ما تھا۔ ما استفہامیہ جب حرف جار کے بعد آتا ہے تو اس کے الف کو حذف کر جاتا ہے جیسے لم، فیم، مم اور بم۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ تخفیف حاصل ہو کیونکہ اس کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ نیز ما استفہامیہ اور ما موصولہ میں فرق مقصود ہوتا ہے۔ لکھائی میں میم کو عن کے ساتھ اس لئے ملایا گیا ہے کیونکہ الف کے حذف کے بعد یہ ایک حرف رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہاں استفہام اس شے کی عظمت شان اور ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے جس کے بارے میں استفہام ہو رہا ہے کیونکہ زمین و آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر مخفی ہو۔

یتساءلون میں و ضمیر اہل مکہ کے لئے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے انہیں توحید کی طرف بلایا، موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں خبر دی اور ان پر قرآن حکیم کی تلاوت کی تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے (حضرت محمد ﷺ) ان کے پاس کیا لائے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے (1)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی بھی اسی طرح ذکر کیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ استہزاء رسول اللہ ﷺ اور مومنوں سے سوال کرتے تھے۔ جس طرح یتداعون لہم یدعون لہم کے معنی میں ہے۔

عن النبأ العظیم یہ جار مجرور مذکورہ یتساءلون کے متعلق ہے۔ اس صورت میں عم اپنے فعل کے متعلق ہے جس کی تفسیر ما بعد سے ہو رہی ہے یا یہ یتساءلون مضمر کے متعلق ہے۔ یہ جملہ لفظوں کے اعتبار سے سوال کا جواب ہے اور معنی کے لحاظ سے اس شے کا بیان ہے جس کی عظمت شان بیان کی جا رہی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عم کا بیان ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ استفہامیہ ہو اور اس سے پہلے حرف استفہام مقدر ہو۔ تو پھر یہ سابقہ جملہ کی تاکید ہوگا اور تفہیم کے بعد تفخیم ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی عم یتساءلون أیتساءلون عن النبأ العظیم۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرا استفہام انکار کے لئے ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے بارے میں سوال کا سبب نہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 166 (التجاریہ)

بلکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ وہ واضح ہے اس کی شان عظیم ہے اور وہ بہت واضح ہے، اس کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین کی رائے میں النبأ العظیم سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هو نبأ عظیم۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد حضور ﷺ کی بعثت کی خبر ہو(1)۔

۳۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر النبا کی صفت ہے۔ هم ضمیر اسی اسم کی طرف راجع ہے جس طرف یتساء لون کی ضمیر فاعل راجع ہے۔ وہ کفار مکہ ہیں کیونکہ وہ سوال استہزاء اور انکار کے طور پر کرتے تھے۔ تو پھر معنی یہ ہوگا ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو قیامت کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں کچھ شک کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یتساء لون کی ضمیر اہل مکہ کی طرف لوٹ رہی ہو وہ مومن ہوں یا کافر۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو قیامت کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے بارے میں اس لئے سوال کرتا ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو اور یقین میں اضافہ ہو اور ان میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور استہزاء اور انکار کے طور پر اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿٦﴾ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾

"یقیناً وہ اسے جان لیں گے۱۔ پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے)۲۔ کیا ہم نے نہیں بنا دیا زمین کو بچھونا ۳۔ اور پہاڑوں کو میخیں ۴۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا ۵۔ اور ہم نے بنا دیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام ۶۔"

۱۔ کلا جھڑکنے کے لئے ہے۔ انہیں اس اختلاف سے جھڑکا جا رہا ہے جو تمام یا بعض کے انکار پر مبنی ہے۔ عنقریب کافر جان لیں گے کہ یہ حق ہے۔ یہ دنیا میں ہی معلوم ہو جائے گا یا جب وہ قبر میں جائیں گے۔

۲۔ یا پھر قیامت کے روز انہیں معلوم ہو جائے گا۔ یہاں تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ انہیں وعید دو دفعہ لاحق ہوگی۔ ان میں سے ایک قبر میں ہوگی اور دوسری قیامت برپا ہونے کے بعد ہوگی۔ ثم کا کلمہ اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ دوسری وعید پہلی سے زیادہ بلیغ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی انہی صنعتوں کا ذکر کیا جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید، موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر قدرت اور نعمتوں پر شکر بجالانے کے واجب ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ شکر بجالانے کی صورت یہ ہے کہ جو انسان توحید اور عبادت کی طرف بلاتا ہے اس کی اتباع کی جائے۔

۳۔ مهادا سے مراد بستر ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو اقرار اور عبادت پر برانگیختہ کیا گیا ہے یا پھر یہ استفہام انکاری ہوگا تو نفی کے انکار کا مطلب بھی اثبات ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا ہم نے زمین کو بچھونا بنایا۔

۴۔ پہاڑوں کو میخیں بنایا تاکہ وہ ایک طرف جھک نہ جائے۔

۵۔ ہم نے تمہیں مذکر اور مونث صنفوں میں پیدا کیا۔

۶۔ نیند کو تمہارے اعمال کو ختم کرنے والا بنایا تاکہ تمہارے بدن راحت پائیں۔ سبت کا معنی قطع کرنا ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 166 (التجاریہ)

اجزاع آتی ہے یا لفیف کی جمع ہے جس طرح شریف کی جمع اشراف آتی ہے یا اس کی واحد نہیں جس طرح اوضاع کی واحد نہیں ہے یا یہ جمع الجمع ہے۔ لفافہ کی جمع لف اور لف کی جمع الفاف ہے۔ لفافه گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ جنة لفاف جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ ذات اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں دوبارہ پیدا کرے اور ان بڑے بڑے امور کا تصور ایک حکیم فاعل سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا عبث ہونا یا حکمت کے منافی ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا سامع کیونکہ قیامت کے دن کی صفات کو جاننے کا محتاج ہوتا ہے اس لئے نئے جملہ سے کلام کو شروع کیا۔

یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والا دن اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم میں معین ہے۔ یہی ثواب اور سزا کا وقت معین ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے یہ دنیا کی حد ہے جہاں آکر دنیا ختم ہو جائے گی۔ یا یہ دن مخلوقات کی حد ہے یہاں آکر مخلوقات ختم ہو جائے گی۔

یوم ینفخ یہ یوم الفصل سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے یا یہ میقاتا سے بدل ہے یا کان کی دوسری خبر ہے۔ مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صور سینگ کی شکل کا ہوگا جس میں پھونکا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ سورۂ حاقہ میں بھی یہ بات گزر چکی ہے۔ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ سفید موتی کا ہوگا شیشے جیسا صاف اور شفاف ہوگا۔ اس میں ارواح کی مقدار کے برابر سوراخ ہوں گے۔ سورۂ مدثر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فتاتون کا عطف ینفخ پر ہے۔ افواجا یہ تاتون کے فاعل سے حال ہے یعنی تم اپنی قبروں سے مختلف جماعتوں کی صورت میں حساب کی جگہ کی طرف آؤ گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں صادق مصدوق ﷺ نے خبر دی کہ قیامت کے روز لوگوں کو تین جماعتوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت ایسی ہوگی جو سیر ہوگی، لباس زیب تن کئے ہوگی۔ اور سوار ہوگی دوسری جماعت پیدل ہوگی اور ایک جماعت منہ کے بل گھسیٹی جارہی ہوگی (1)۔ اسے امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا کی تلاوت کی، فرمایا میری امت دس جماعتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی، ایک جماعت بندروں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ قدریہ (ا) ہیں، ایک جماعت خنزیروں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ مرجئہ (ب) ہیں، ایک جماعت بندروں اور کتوں کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔ وہ حروریہ (ج) ہیں، ایک جماعت گدھوں کی صورت میں ہوگی۔ وہ رافضی (د) ہیں، ایک جماعت چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں ہوگی وہ متکبر ہیں، ایک جماعت چوپاؤں کی شکل میں ہوگی وہ سود خور ہیں، ایک جماعت درندوں کی شکل میں ہوگی وہ زنادق ہیں، ایک جماعت کو منہ کے بل گھسیٹا جارہا ہوگا وہ تصویریں بنانے والے، عیب جوئی کرنے والے اور طعنہ زنی

1۔ مستدرک حاکم، 8685، جلد 4، صفحہ 608 (العلمیہ)

(ا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے افعال کے بارے میں خالق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی عمل دخل نہیں مانتے۔

(ب) یہ تصدیق قلبی کو کافی سمجھتے ہیں، اعمال صالحہ کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے۔

(ج) یہ وہ جماعت ہے جنہوں نے حروراء کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ یہ لوگ حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو ایماندار نہیں جانتے۔

(د) یہ وہ جماعت ہے جو صرف چند صحابہ کو مومن سمجھتی ہے، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کو مومن نہیں مانتی اور ان پر طعن و تشنیع کرتی ہے۔

یہ مرصاد کا معنی گھات لگانے کی تیاری کرنا یا ایسی جگہ جس میں لوگ گھات لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اور رحمت کے فرشتے جہنم کے پل پر لوگوں کی تاڑ میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ عذاب کے فرشتے تو کفار کی تاڑ میں ہوتے ہیں تا کہ انہیں پکڑ لیں اور جہنم میں پھینک دیں اور انہیں عذاب دیں۔ جہاں تک رحمت کے فرشتوں کا تعلق ہے وہ مومنوں کی تاڑ میں ہوتے ہیں تا کہ جہنم پر سے گزرتے ہوئے اس کی آگ اور صراط کے آنکڑوں (۱) سے مومنوں کو محفوظ رکھیں۔ اگر یہ تاویل کی جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ایک راستہ ہے جس پر سے تمام لوگ گزریں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔

تو مرصاد کا حقیقی معنی گھات کا راستہ ہوگا یا التزامی معنی راستہ مراد ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ جہنم کفار کے لئے تیار کی گئی۔ کہتے ہیں ارصدت الشیء۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس چیز کو تیار کرے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مرصاد مبالغہ کا صیغہ ہو یعنی جہنم کفار کو بڑی سختی سے تاڑے گی تا کہ ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہ جائے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ فرماتے پل صراط اس طرح تیز ہوگی جس طرح تلوار کی دھار ہوتی ہے۔ فرشتے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ جبرئیل امین میری کمر کو پکڑے ہوں گے اور میں کہہ رہا ہوں گا اے میرے رب (میری امت کو) محفوظ رکھ جبکہ پھسلنے والے مرد اور عورتیں کثیر ہوں گی۔ ابن مبارک، بیہقی اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پل صراط جہنم پر اس طرح ہوگی جس طرح تلوار کی دھار ہوتی ہے۔ اس کی دونوں طرف آنکڑے اور کانٹے ہوں گے جو لوگوں کو اچک لیں گے۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کے آنکڑے کے ساتھ ربیعہ اور مضر قبائل سے زیادہ لوگوں کو پکڑ لیا جائے گا۔ فرشتے اس کی ایک طرف ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے اے رب انہیں محفوظ رکھنا، اے رب انہیں محفوظ رکھنا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے۔ پل صراط تلوار کی طرح تیز اور پھسلنے کی جگہ ہوگی۔ فرشتے اور انبیاء کھڑے ہوں گے کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما، جبکہ فرشتے آنکڑوں کے ساتھ اچک رہے ہوں گے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جہنم کی پل پر انسان کو سات دفعہ روکا جائے گا پہلی منزل پر اس سے لا الہ الا اللہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بارے میں مکمل شہادت دے تو وہ اگلی منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بارے میں مکمل جواب دے دے تو تیسری منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ تو اس سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے یہ بھی مکمل کیا ہوگا تو وہ چوتھی منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے روزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اگر اس نے روزے بھی مکمل ادا کئے ہوں گے تو وہ پانچویں مرحلے کی طرف بڑھ جائے گا۔ وہاں اس سے حج کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے اسے بھی مکمل کیا ہوگا تو وہ چھٹے مرحلے کی طرف بڑھ جائے گا تو وہاں اس سے عمرہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے اسے بھی ادا کیا ہوگا تو وہ ساتویں منزل کی طرف بڑھ جائے گا۔ تو اس سے مظالم کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ اس سے بھی بچ گیا تو بہتر ورنہ اسے کہا جائے گا انتظار کرو۔ اگر اس کے نوافل ہوئے تو اس کے اعمال مکمل کر دیئے جائیں گے۔ جب وہ اس سوال و جواب سے فارغ ہوگا تو جنت میں جائے گا۔

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَاۤ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

(۱) لوہے کی سلاخیں جن کے سرے مڑے ہوئے ہوں۔

خلاف مقصود وہم کا ازالہ ہو کیونکہ جب احقاب کی غیر متناہی زمانہ کی طرف نسبت کی جائے (غیر متناہی زمانہ مراد لیا جائے) تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ایام کی اس کی طرف نسبت کر دی جائے تاہم اس میں کوئی شک نہیں۔ اگر یہ کلام کی جاتی لابثین فیھا ایاما تو ذہن اس طرف متوجہ نہ ہوتا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے بلکہ ذہن اس طرف جاتا کہ وہ اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے تو یہاں بھی صورتحال یہی ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ احقاب حقب کی جمع ہے جو حقب الرجل سے مشتق ہے جس کا معنی آدمی محتاج ہوا ہے۔ اسی طرح حقب العام اس وقت بولتے ہیں جس سال میں بارش اور فصلیں کم ہوں تو اس صورت میں احقابا لابثین کی ضمیر سے حال ہوگا، یعنی انہیں رزق نہیں دیا جائے گا۔ اس صورت میں بعد والی آیت اس کی تفسیر ہو گی۔ میں کہتا ہوں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دوسرے احباب سے مروی آثار اس تاویل کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ آثار مرفوع کے حکم میں ہیں کیونکہ ان میں رائے اور اجتہاد کا کچھ عمل دخل نہیں۔

یہ جملہ لابثین میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یا یہ جملہ احقابا کی صفت ہے یا احقابا لایذوقون کی ظرف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ کئی زمانے اس حالت میں رہیں گے کہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے سوا کوئی چیز میسر نہ ہو گی۔ احقاب پھر ایسا زمانہ ہوا جس میں وہ کوئی چیز نہ چکھیں گے۔ اس سے مطلق ٹھہرنا مراد نہیں۔ شائد اس زمانہ کے بعد انہیں کوئی کسی اور سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال مرادف ہے۔ میرے نزدیک اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ الطاغین عام نہیں۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اسی وجہ سے تم طاغین سے مراد کفار لیتے ہو۔ ان سے اھل ھواء مراد نہیں لیتے جس کی بناء پر تمہیں یہ تکلفات کرنے پڑ رہے ہیں تا کہ اس آیت اور دوسری آیات کے درمیان معارضہ باقی نہ رہے۔ جبکہ ہم اسے یہاں اھل ھواء پر محمول کرتے ہیں کفار پر محمول نہیں کرتے تو اس وجہ سے جو تکلفات آپ لوگوں کو درپیش ہوں گے وہ ہمیں درپیش نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے کہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا اللہ کی قسم کوئی بھی جہنم سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ وہ اس میں کئی احقاب رہے گا۔ حقب اسی سال سے اوپر عرصہ کو کہتے ہیں۔ ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے جس طرح تم سال کو شمار کرتے ہو (1)۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس مدت کے بعد وہ جہنم سے نکلیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے غساقا مشدد پڑھا ہے جس طرح خباز ہوتا ہے جبکہ باقی قراء نے تخفیف کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح عذاب ہے۔ حمیم سے مراد سخت گرم پانی ہے۔ حدیث میں ہے سخت گرم پانی ان کی طرف لوہے کی سلاخوں کے ساتھ بلند کیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے قریب ہوگا تو ان کے چہروں کو بھون دے گا جب وہ پانی ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا سب کو کاٹ دے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک غساق کا تعلق ہے۔ ہناد نے مجاہد رحمہا اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس کی شدید ٹھنڈک کی وجہ سے وہ اسے چکھنے کی طاقت نہ رکھیں گے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس طرح آگ اپنی گرمائش سے جلاتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلائے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ وہ چیز ہو گی جس کی ٹھنڈک اپنی انتہا کو پہنچی ہو گی۔ ہناد نے ابوالعالیہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں شراب سے حمیم اور برد سے غساق کی استثناء کی۔ امام

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 502 (العلمیہ)

میں موجود ہے کیونکہ جو مرجیہ ہیں وہ حساب اور جزاء کا اعتقاد نہیں رکھتے اسی طرح رافضی کہتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا حمایتی اور اس سے محبت کرنے والا اسے کسی گناہ کی وجہ سے بھی عذاب نہیں دیا جائے گا وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔

سے اس جملے کا عطف کانوا پر ہے۔ یہ صفت تمام اهل هواء میں پائی جاتی ہے جس طرح ہم سورۂ مرسلات میں ذکر کر آئے ہیں کیا تم رافضیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ تمام صحابہ کے مناقب کا انکار کرتے ہیں ان کے مرتد اور منافق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صرف تین صحابہ کے مومن ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں اقتدار عطا فرمایا تو انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ صحابہ تمام امتوں سے برے اور تمام زمانے کے لوگوں سے برے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اور اس کا فرمان ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ اس کے علاوہ اور آیات بھی ہیں۔

کذابا یہ مصدر ہے تکذیب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا یہ استعمال عام ہے یا یہ مکاذبہ کے معنی ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے نزدیک جھوٹے تھے اور مسلمان ان کے نزدیک جھوٹے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں جس طرح غلبہ پانے والے مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ دونوں معنوں کی صورت میں اسے حال بنانا جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ محذوف مصدر کی صفت ہو یعنی انہوں نے ایسا جھٹلایا کہ اس میں جھوٹ بولنے میں وہ حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔

مسئلہ:۔ میں نے جو تاویل ذکر کی ہے اس بناء پر یہ آیت اهل هواء (خارجی، رافضی وغیرہ) کے عذاب پر دلالت کرتی ہے۔ رہے مومنوں میں سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے تو ان کی جہنم میں رہنے کی طویل ترین مدت دنیا کے عرصہ کے برابر ہوگی یعنی سات ہزار سال۔ انہیں حمیم نہیں پلایا جائے گا اور نہ ہی اسی جیسے دوسرے سخت عذاب ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن شاہین رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا توحید پر ایمان رکھنے والی تمام امتوں میں سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے جو توبہ کے بغیر مر گئے۔ ان میں سے جو جہنم میں داخل ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی ان کے چہرے سیاہ نہ ہوں گے انہیں شیاطین کے ساتھ نہیں جکڑا جائے گا انہیں بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی انہیں حمیم (کھولتا ہوا پانی) نہیں پلایا جائے گا انہیں تارکول کا لباس نہیں پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں اور صورتوں کو سجدہ کی وجہ سے دائمی عذاب کے لئے حرام کر دیا ہے۔ ان میں سے کسی کو جہنم کا عذاب ان کے قدموں تک پہنچے گا بعض کو عذاب ایڑیوں تک پہنچے گا۔ بعض کو عذاب سینے تک پہنچے گا۔ بعض کو عذاب گردن تک پہنچے گا جس طرح ان کے گناہ اور اعمال ہوں گے ان میں سے کوئی ایک سال تک جہنم میں رہے گا۔ پھر اس سے نکال لیا جائے گا اور زیادہ عرصہ وہ رہے گا جسے دنیا کی پیدائش سے لے کر اس کے فنا ہونے تک جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انہیں ہتھوڑوں کے ساتھ نہیں مارا جائے گا انہیں جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں نہیں پھینکا جائے گا ان میں سے کوئی ایک ساعت کے لئے ٹھہرے گا۔ ان میں سے کوئی ایک دن کے لئے ٹھہرے گا ان میں سے کوئی ایک سال تک ٹھہرے گا سب سے طویل عرصہ اس کا ہوگا جو دنیا کی پیدائش سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک کے عرصہ میں جہنم

لے حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا دھاقا سے مراد بھرا ہوا ہونا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی لگا تار کیا ہے جبکہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی صاف کیا ہے۔(1)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

"نہ سنیں گے وہ وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ لے یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ہے"

لے یہ جملہ متقین میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ فیھا کی ھا ضمیر مفاذا کی طرف لوٹے گی جس کا معنی حدائق اور جنات ہے یا یہ جملہ کاس کی صفت ہے۔ اس صورت میں ھا ضمیر کاس کی طرف لوٹے گی۔ یعنی وہ یہ جام پیتے وقت لغو کلام اور جھوٹ نہ سنیں گے جو وہ دنیا کے پیالے پیتے وقت سنتے تھے۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کذابا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے جس کا معنی جھوٹ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مخفف بھی معنی میں مشدد کی طرح ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے جو تکذیب کے معنی میں ہے، یعنی وہ جنت میں ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے اور نہ ہی جنت میں جھوٹ پایا جائے گا۔

لے جزاء یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور سابقہ جملہ کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ہم نے جزاء وفاقا میں ذکر کیا ہے۔ عطاء بھی جزاء کی طرح مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یُجزون جزاءً او یُعطون عطاءً۔

حسابا یہ عطاء کی صفت ہے جس کا معنی کافی ہے۔ یہ احسبت فلانا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے میں نے اسے وہ عطا کیا جو اس کے لئے کافی ہے یہاں تک کہ اس نے کہا حسبی یعنی یہ میرے لئے کافی ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء حسابا کا معنی کثیر عطاء کیا ہے۔ اس صورت میں یہ تاکید لنفسہ ہوگا۔ جس طرح یہ جملہ ہے اللہ اکبر دعوۃ الحق اور لہ علی الف اعترافا۔ ایک قول یہ کیا گیا حسابا کا معنی ہے۔ اعمال کے حساب اور اندازے کے مطابق انہیں جزاء دی جائے گی۔ قاموس میں ہے ھذا بحسبہ یعنی یہ اس کی تعداد کے مطابق ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ سابقہ کلام جزاء وفاقا کے مقابلہ میں ہے، یعنی سرکشوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء دی جائے گی اور متقین کو ان کے اپنے اعمال کے حساب سے جزاء دی جائے گی۔

میں کہتا ہوں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل کے مطابق جزاء دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ اسی طرح عمل کرنے والوں کے اخلاص اور قرب کے مراتب کے اعتبار سے بدلہ دیا جائے گا کیونکہ مقربین کو تھوڑے عمل پر اتنا اجر دیا جاتا ہے جو ابرار کو کثیر عمل پر اجر نہیں دیا جاتا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو صحابہ کے ایک مد (سیر) یا اس کے نصف کے صدقہ کے برابر بھی نہیں پہنچتا(2)۔ یہ تفاوت مقربین میں قرب کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمام صحابہ کرام کمالات نبوت کی وجہ سے دائمی تجلیات ذاتیہ میں مستغرق رہتے تھے۔ اکثر تابعین کا بھی یہی حال تھا اور تبع تابعین میں سے تھوڑے اس مقام پر فائز تھے۔ یہی لوگ مقرب ہیں تین قرون کے بعد جن کے بارے میں خیر کی گواہی دی گئی ہے۔ اس عظیم دولت کے انوار بجھ گئے اور ان کے آثار مٹ گئے پھر ہجرت سے لے کر ایک ہزار سال گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے بعض کریم لوگوں کو پیدا کیا اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 168 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 310 (قدیمی)

نہیں پہلے لوگوں جیسے کمالات عطا فرمائے جس طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال بارش جیسی ہے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کا آغاز بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے آخری حصہ کو امت کے پہلے حصہ کے ساتھ تشبیہ دی اور فرمایا کہ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے کون دوسرے سے بہتر ہے۔ جعفر بن محمد اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو تمہیں مبارک ہو بے شک میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا آغاز بہتر ہے یا آخری حصہ بہتر ہے۔ یا اس کی مثال ایک باغ کی مانند ہے۔ اس میں سے ایک جماعت ایک سال کھاتی ہے اور دوسری جماعت دوسرے سال کھاتی ہے۔ شاید دوسری جماعت پہلی جماعت سے زیادہ وسیع ہو اور ٹہنیوں میں اچھی ہو۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسے رزین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ایک صحابی سے مروی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت کے آخر میں ایک قوم ہو گی ان کا اجر امت کے پہلے لوگوں کے اجر جیسا ہو گا۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں روایت کیا ہے۔ اس تاویل کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا فرمان جزاء من ربک عطاء حسابا۔ یہ تاکید ہو گی جس طرح میں نے جزاء وفاقا میں ذکر کیا ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۟

"جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے حد مہربان انہیں طاقت نہ ہو گی۔ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں[1]"

اہل کوفیوں نے لفظ رب کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اس پر ضمہ پڑھا ہے۔ لفظ الرحمٰن کو عاصم اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مجرور پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں دونوں لفظ مجرور ہیں۔ یہ دونوں ربک کی صفت ہیں یا اس سے بدل ہیں۔ اہل حجاز اور اہل بصرہ کی قرأت کے مطابق دونوں الفاظ مرفوع ہیں۔ رب السموات مبتداء موصوف ہو گا الرحمٰن اس کی صفت ہو گی اور مابعد جملہ اس کی خبر ہو گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب السموات مبتدء محذوف کی خبر ہو جو ھو ضمیر ہو۔ لفظ الرحمٰن خبر کی صفت ہو یا دوسری خبر ہو گا اور مابعد جملہ تیسری خبر ہو گی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ الرحمٰن مبتداء اور مابعد اس کی خبر ہو۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کی قرأت کے مطابق پہلا لفظ رب مجرور اور دوسرا لفظ رب مرفوع ہے جو مبتداء محذوف کی خبر ہو تو یہ جملہ معترضہ ہو گا اور لفظ الرحمٰن مجرور ہے اور ربک سے بدل ہے اور مابعد جملہ مستانفہ ہے۔

لا یملکون کی ضمیر سے مراد زمین و آسمان کے مکین ہیں۔ منه میں ہ ضمیر سے مراد الرحمٰن ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے گفتگو کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت کے مالک نہ ہوں گے۔ اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض پر جو زیادہ اجر عطا کرے گا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہو گا کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس کی طرف سے جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 168 (التجاریہ)

بے شک تمہارا عرصہ سابقہ قوموں کے عرصہ کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے عصر کا وقت ہوتا ہے تمہاری، یہودیوں اور نصرانیوں کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک آدمی کام کرانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کون آدمی نصف دن سے عصر تک ایک قیراط پر عمل کرے گا۔ نصرانیوں نے نصف النہار سے عصر تک ایک ایک قیراط پر عمل کیا پھر فرمایا تم میں سے کون ہے جو عصر سے شام تک دو دو قیراط پر میرے لئے عمل کرے گا خبردار تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر سے لے کر شام تک کام کرنے والے ہو خبردار تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔ یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے کہا ہم نے عمل زیادہ کیا اور ہمیں بدلہ کم عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے۔ انہوں نے عرض کی کمی تو نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اجر تو میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ میں کہتا ہوں حضور ﷺ کے مذکورہ فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کی عمریں تھوڑی ہوں گی اور ان کے اعمال کم ہوں گے جبکہ دو قیراطوں سے مراد کثرت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ۔ اس سے صرف دوگنا مراد نہیں واللہ اعلم۔ ہماری اس تاویل کی بناء پر یہ آیت سابقہ آیت کے ساتھ معنی کے اعتبار سے مربوط ہو جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

"جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے[1] کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے[2] یہ دن برحق ہے سو جس کا جی چاہے بنالے اپنے رب کے جوار رحمت میں اپنا ٹھکانا[3]"

[1] یوم یہ لا یملکون کی ظرف ہے یا لا یتکلمون کی ظرف ہے۔ تاہم پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ اس روز روح اور فرشتے کھڑے ہوں گے۔ روح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ روح چوتھے آسمان میں ہے۔ وہ آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑی مخلوق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زیادہ کیا ہے کہ وہ روح دن میں بارہ ہزار بار تسبیح کہتی ہے۔ ہر تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو قیامت کے روز ایک صف کی صورت میں آئے گا۔(2)

ابوالشیخ نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا حاجب ہے جو اس کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ وہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ اگر وہ اپنا منہ کھولے تو تمام فرشتوں کو اپنے منہ میں لے لے کوئی مخلوق بھی اس کی طرف نہیں دیکھتی اس کے خوف کی وجہ سے وہ اپنی نظر اوپر نہیں اٹھاتی(3)۔ ابوالشیخ نے علی بن ابی طالب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ کی ستر ہزار زبانیں ہیں، ہر زبان کی ستر ہزار لغتیں ہیں۔ وہ ان تمام لغات سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ہی عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے اس کے دس ہزار پر ہیں۔ ابو طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ روح فرشتوں سے بڑی مخلوق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا جب قیامت کا روز ہو گا وہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 79 (وزارت تعلیم)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 169 (التجاریہ)　3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 506 (العلمیہ)

کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ سب سے بڑا جھوٹ اللہ تعالیٰ کا انکار ہے کیونکہ اس کے سچ ہونے و وئی امکان نہیں۔ پھر اھل ھواء (رافضی، خارجی وغیرہ) جھوٹے ہیں کیونکہ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قال صوابا کا معنی ہے اس نے لا الہ الا اللہ کہا کفار کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ بات کریں یا اپنی طرف سے معذرت پیش کریں تو اھل ھواء (معتزلہ) کے لئے شفاعت کا درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۳۹۔ ذلک الیوم سے اشارہ اسی مذکورہ یوم کی طرف ہے جس کی صفات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یہ مبتدا ہے الحق اس کی خبر ہے قصر کے بیان کے لئے خبر کو معرفہ ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو ثابت ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

مآب سے مراد لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے رسولوں کی اتباع اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والوں کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہے۔ جو راہنما جذب اور سلوک کی راہوں پر چلا کر اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں ان کے راستہ کو اپنا لے۔ یہاں فاء سببیہ ہے کیونکہ اس دن کا حق ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کو اپنایا جائے۔ الی ربہ یہ مآبا کے متعلق ہے یا یہ ظرف مستقر ہو کر مآبا کا حال ہے۔

إِنَّآ أَنذَرْنَٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ ٱلْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ ٱلْكَافِرُ يَٰلَيْتَنِى كُنتُ تُرَٰبًۢا ۝

"بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے، اس دن دیکھ لے گا ہر شخص (ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش میں خاک ہوتا ۱۔"

۱۔ کم ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ عذابا قریبا سے مراد آخرت کا عذاب ہے کیونکہ ہر آنے والا وقت قریب ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر اور موت کا عذاب جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

یوم یہ عذابا کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ عذاب تعذیب کے معنی میں ہے۔ ما قدمت میں ما استفہامیہ ہے اور قدمت کی وجہ سے منصوب ہے یا ما موصولہ ہے اور ینظر کی وجہ سے منصوب ہے صلہ کی ضمیر عائد محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ہر ایک آدمی قیامت کے روز اپنے عمل کو اپنے صحیفہ میں دیکھے گا یا آخرت میں اس عمل کی جزا دیکھے گا یا قبر میں اس کی جزا دیکھے گا۔ یہاں اعمال آگے بھیجنے کی نسبت ہاتھ کی طرف کی ہے کیونکہ (اعضاء کے) اکثر اعمال ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں) یا ہاتھ کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ ید لفظ قدرت اور قوت سے کنایہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر انسان اس سے نجات پا گیا تو بعد والا مرحلہ اس کے لئے آسان ہوگا۔ اگر وہ قبر کے مرحلہ سے نجات نہ پا سکا تو بعد کا معاملہ اس سے بہت مشکل ہوگا(1)۔ عذاب قبر کے بارے میں احادیث بے شمار ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے مگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ ایک کو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کیونکہ وہ بول سے پردہ نہیں کرتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ بول (پیشاب) سے نہیں بچتا تھا۔ دوسرے کو عذاب اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ چغل خوری کرتا تھا(2)۔ قبر

1۔ شعب الایمان: 10553، جلد 7، صفحہ 352 (العلمیہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 184 (وزارت تعلیم)

تیسرا قول: پہلے پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس روایت میں مومن کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ حد نظر تک اس کے لئے قبر کھول دی جائے گی۔ ایک خوبصورت انسان اس کے پاس آئے گا جس کا لباس بہت عمدہ اور خوشبو بہت اچھی ہو گی۔ تو وہ اس مومن کو کہے گا تجھے اس چیز کی بشارت ہو جو تجھے خوش کرے گی۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو مومن اس سے پوچھے گا تو کون ہے؟ تیرا چہرہ ایسے شخص کا چہرہ ہے جو بھلائی کرتا ہے۔ تو وہ جواب دے گا میں تیرا عمل ہوں۔ اس حدیث میں کافر کا ذکر ہے کہ اس پر قبر اتنی تنگ ہو جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی۔ ایک بدصورت شخص اس کے پاس آئے گا۔ اس کے کپڑے گندے اور اس سے بدبو آ رہی ہو گی۔ تو وہ کہے گا تجھے ایسی چیز کی بشارت ہو جو تجھے دکھ دے۔ یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ کافر پوچھے گا تو کون ہے؟ تیرا چہرہ ایسے شخص کے چہرے جیسا ہے جو برائی کرنے والا ہو۔ تو وہ جواب دے گا میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب قیامت کا دن ہو گا تو زمین کو یوں پھیلا دیا جائے گا جیسے ایک چمڑہ بچھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات یعنی انسانوں، جنوں، چوپاؤں اور وحشی جانوروں کو جمع کرے گا۔ جب وہ دن برپا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ چوپاؤں کے درمیان قصاص جاری فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا مٹی ہو جا۔ کافر یہ دیکھے گا تو کہے گا ہائے کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔(2)

دینوری نے یحییٰ بن جعدہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن جریر، ابن حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ کافر کہے گا ہائے کاش میں دنیا میں خنزیر کی صورت میں ہوتا اور آج میں مٹی ہو جاتا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیاد اور عبداللہ بن ذکوان رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا، جنتیوں کو جنت اور جہنمیوں کو جہنم کا حکم دے دے گا تو تمام امتوں اور مومن جنوں سے فرمائے گا سب مٹی ہو جاؤ۔ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا۔ ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ جنوں میں سے مومن مٹی ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہاں کافر سے مراد ابلیس ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ عیب لگایا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور اپنے پر یہ فخر کیا تھا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب قیامت کے روز اس ثواب اور رحمت کو دیکھے گا جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہو گی اور اپنی شدت اور عذاب کو دیکھے گا تو وہ کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مٹی کہے گی نہیں، تیرے لئے کوئی عزت نہیں، کس نے تجھے میری مثل بنایا ہے۔(3)

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 287-288 (صادر)　2۔ مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 619 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 169 (التجاریہ)

سورۃ النازعات

آیاتھا ۴۶ ‏ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ ‏ رکوعاتھا ۲

سورۃ النازعات مکی ہے، اس میں دو رکوع اور چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾

''قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں ۱؎ اور تیزی سے تیرنے والے ہیں ۲؎ پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں ۳؎ پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں ۴؎''

۱؎ واؤ قسمیہ ہے، جواب قسم محذوف ہے جو لتبعثن اور لتحاسبن ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ نازعات غرقا سے مراد ایسے فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو بڑی سختی سے نکالتے ہیں۔ غرقا قائم مقام مفعول مطلق ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح قعدت جلوسا میں جلوسا مفعول مطلق ہے۔ عرب کہتے ہیں اغرق النازع فی القوس، یعنی اس نے بڑی سختی اور پوری قوت سے کمان پر تیر چڑھا کر اسے کھینچا۔

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بڑی نرمی کے ساتھ مومنوں کی روحوں کو نکالتے ہیں۔ یہ نشط الدلو سے مشتق ہے جب اسے سختی کے بغیر نکالا جائے۔ یا یہ نشط الحبل سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے رسی کو اتنا لمبا کیا کہ وہ کھل گئی کیونکہ مومن دنیا کے مصائب میں گویا قید اور جکڑا ہوا تھا۔ ان فرشتوں نے اسے چھٹکارا دلایا اور اس کی گرہوں کو بڑی نرمی سے کھولا جس طرح اونٹ کے پاؤں کے ڈھنگے کو کھول دیا جاتا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مومن کی روح کی حالت یہ ہوگی گویا اسے ڈھنگے سے چھٹکارا ملا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ مومن جب دنیا سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے چہرے اتنے سفید ہوتے ہیں گویا وہ سورج ہو۔ ان کے پاس جنت کے کفن ہوتے ہیں اور خوشبو بھی جنت کی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ حد نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اور وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے رضوان کی طرف نکلو۔ تو وہ نکل پڑتا ہے۔ وہ یوں بہتا ہے جس طرح مشکیزہ سے قطرہ بہتا ہے۔ تو ملک الموت اسے

سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو خیر اور عمل صالح میں انسانوں پر سبقت لے گئے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت کی طرف جلدی لے جاتے ہیں (1)۔ میں کہتا ہوں کفار کی روحوں کو وہ عذاب کی طرف جلدی لے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مذکورہ آیت میں آیا ہے کہ جب ملک الموت کسی نفس کو پکڑتا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہتا یہاں تک کہ دوسرے فرشتے اسے پکڑ لیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سابقات سے مراد مومنوں کے نفوس ہیں جو ان فرشتوں کی طرف تیزی سے جاتے ہیں جو انہیں قبض کرتے ہیں۔ مومنوں کے نفوس کا یہ انداز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق، اس کی تعظیم اور حد درجہ خوشی کی بناء پر ہوتا ہے۔(2)

سے ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مدبرات امرا کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت کے ساتھ لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے وقت حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی تو اس کی روح کو آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے، کوئی دعا پر آمین کہتا ہے، کوئی میت کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور اسے قبر میں رکھا جاتا ہے(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ وہ فرشتے ہیں جن کے ذمہ امور کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ امور سرانجام دینے کا سلیقہ بتا دیا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن سابط رضی اللہ عنہ نے کہا دنیا میں چار فرشتے امور کی تدبیر کرتے ہیں جبرائیل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل۔ جبرئیل روحوں اور لشکروں کی تدبیر کرتے ہیں، میکائیل کے ذمہ بارش اور نباتات ہے، ملک الموت کے ذمہ نفوس کو قبض کرنا ہے، اسرافیل اللہ تعالیٰ کے احکام کو ان کی طرف پہنچاتا ہے(4)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مدبرات امرا کے علاوہ تمام کی تعبیر ستاروں سے کی گئی ہے کیونکہ وہ ایک افق (مشرق) سے دوسرے افق (مغرب) کی طرف تیزی سے چلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور ایک افق سے (شمال) سے دوسرے افق (جنوب) کی طرف آہستہ آہستہ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ اور وہ ستارے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ یہ کمزور قول ہے کیونکہ اس صورت میں نزع، نشط اور سبح میں کوئی فرق نہیں اور ایک چیز کو چار دفعہ ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نزع اور نشط میں فرق یہ ہے کہ مشرق سے مغرب کی طرف ان ستاروں کی حرکت تیز رفتاری سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ غائب ہو جاتے ہیں اور ایک برج سے دوسرے برج کی طرف ان کی حرکت بڑی ہلکی اور نرم ہوتی ہے۔ اس لئے اسے نشط سے تعبیر کیا جو فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان ایک دوسرے پر تہہ در تہہ ہیں اور ملے ہوئے ہیں اس لئے قسری حرکت کا تصور کیا جا سکتا ہے جبکہ شرع سے یہ ثابت ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک مسافت پانچ سو سال ہے۔ اس آیت کی تاویل میں اور بھی معانی ذکر کیے گئے ہیں جو عقلی توجیہات پر مبنی ہیں جبکہ ان کے بارے میں نقلی روایات نہیں ہیں۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ نفوس فاضلہ کی اس وقت کی صفات ہیں جب وہ اپنے بدنوں سے جدا ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بدنوں سے بڑی سختی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ یہ اَغْرَقَ النَّازِعُ فِي الْقَوْسِ سے مشتق ہے۔ پھر وہ عالم ملکوت کی طرف آہستہ آہستہ جاتے ہیں، اس میں وہ تیرتے ہیں۔ بارگاہ اقدس میں پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اپنے شرف اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 170 (التجاریہ)   2۔ ایضاً۔   3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 510 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 170 (التجاریہ)

نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دو نفخوں کے درمیان پانی کی ایک وادی بہے گی۔ دونوں نفخوں کے درمیان کا عرصہ چالیس سال ہوگا۔ ہر بوسیدہ مخلوق انسان ہو، حیوان ہو یا چوپایہ ہو وہ اٹھایا جائے گا۔ اگر ان پر اس سے پہلے کوئی آدمی گزرا ہو تو وہ اب اسے پہچان لے گا۔ پس وہ اگیں گے۔ پھر روحوں کو بھیجا جائے گا اور انہیں جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا یہی معنی ہے۔

ع قلوب مبتدا ہے۔ یومئذ ایک فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر واجفة دلالت کرتا ہے۔ واجفة مبتدا کی خبر ہے، یعنی دل تحت مضطرب ہوں گے۔ یہ واجف سے مستعار ہے جس کا معنی تیز رفتاری سے چلنا ہے۔ ایسے دل والوں کی آنکھیں خوف کی وجہ سے جھکی اور ذلیل ہوں گی۔ یہ جملہ خبر کے بعد خبر ہے یا یہ واجفة کی صفت ہے۔

ع یہ جملہ دلوں کے مضطرب ہونے اور آنکھوں کے جھکے ہونے کی علت ہے، یعنی انہیں اضطراب اور زلزلہ لاحق ہوگا کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے۔ وہ دنیا میں یہی بات کرتے تھے کیا ہمیں موت کے بعد پہلی والی زندگی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس جملہ میں استفہام انکاری ہے، یعنی ہمیں ہرگز نہیں لوٹایا جائے گا۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظوں میں ہمزہ استفہام کو حذف کیا ہے اور معنوں میں اس کا اعتبار کیا ہے۔ حافرہ سے مراد پہلے والی زندگی ہے۔ عرب کہتے ہیں رَجَعَ فُلَانٌ فِی الْحَافِرَةِ یعنی وہ اسی راستہ پر واپس لوٹا جس راستہ سے وہ آیا تھا یعنی اس نے راستہ میں اپنے نشان چھوڑے تھے جس طرح یہ لفظ ہے عیشة راضية، یعنی اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے یا اسم فاعل کو اسم مفعول سے تشبیہ دی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حافرہ سے مراد آگ ہے۔(1)

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

"(یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے ا۔ بولے یہ واپسی تو بڑی گھاٹے کی ہوگی ع (پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے ع۔ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ع"

ا نافع، کسائی، یعقوب، حمزہ اور عامر نے اسے اذا کنا ہمزہ استفہام کے بغیر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے۔ انکار کے بعد ہمزہ کا انکار کے لئے آنا تاکید ہے۔ ظرف محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے انبعث اذا کنا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مَرْدُوْدُوْنَ کے ساتھ متعلق ہو۔ نخرة کا معنی خشک ہے۔ ابوبکر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے اسم فاعل کے وزن پر ناخرہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے نخرة پڑھا ہے۔ سعید بن منصور نے محمد بن کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ءانا لمردودون في الحافرة نازل ہوا تو قریش کے کفار نے کہا اگر ہم موت کے بعد لوٹے تو ہم تو خسارہ پانے والے ہوں گے تو مابعد آیت نازل ہوئی۔(2)

ع اس جملے کا عطف یقولون پر ہے یا قد کے مضمر ماننے کے ساتھ یہ یقولون کے فاعل سے حال ہے لیکن اس آیت کا شان نزول جس طرح سعید بن منصور کی روایت جو محمد بن کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ اس کے حال ہونے سے انکار کرتی ہے۔

تلك اسم اشارہ کا مشار الیہ رجعة (لوٹنا) ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان ءانا لمردودون في الحافرة سے سمجھا جا رہا ہے۔ یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 171 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 511 (العلمیہ)

جبکہ اس سے پہلے قول محذوف ہوگا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾

"(کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے[1] پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے[2] اور (کیا تو چاہتا ہے) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے[3] پس آپ نے (جا کر) اسے بڑی نشانی دکھائی[4]"

[1] آپ کے جانے سے پہلے اس نے سرکشی کی۔

[2] قل کا عطف اذھب پر ہے۔ اہل حجاز اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے تزکی کی ذال کو مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کیا ہے، یعنی کیا تو میلان رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو شرک سے پاک کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تو لا الہ الا اللہ کہے۔(1)

[3] میں تجھے تیرے رب کی معرفت، ان کی عبادت اور اس کی توحید کی طرف راہنمائی کروں، اس کے نتیجہ میں تو اس کے عذاب سے ڈرتا تو اس کی وجہ سے فرائض بجا لاتا اور محرمات کو چھوڑ دیتا کیونکہ میں نے تیری راہنمائی کر دی ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ خوف معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت ہدایت کا نتیجہ ہے۔

[4] اس جملے کا عطف کلام محذوف پر ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے۔ آپ نے تبلیغ کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اپنی صداقت پر عظیم معجزہ دکھایا۔ آیۃ کو مفرد ذکر کیا ہے کیونکہ تمام معجزات دلالت کے اعتبار سے واحد ہیں۔ یا یہاں آیۃ سے مراد صرف عصا (چھڑی) کو سانپ بنانا ہے۔

فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

"پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی[1] پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا[2] پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا[3] اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں[4] آخرکار جکڑ لیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں[5]"

[1] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی جبکہ معجزات کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر ہو چکی تھی۔

[2] جب اس نے سانپ دیکھا تو اس جگہ سے تیزی کے ساتھ بھاگا۔ یسعیٰ یہ ادبر کے فاعل سے حال ہے یا اس کا معنی یہ ہے فرعون نے ایمان اور طاعت سے روگردانی کی جبکہ وہ خود زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

[3] فرعون نے اپنے لشکر اور جادوگر جمع کیے اور مجمع میں اعلان کیا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 172 (التجاریۃ)

حرف عطف مقدر ہے۔ دونوں قضیوں سے قیاس کے دونوں مقدمیں حاصل ہوتے ہیں۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: اِنَّ اللّٰہَ بَنَی السَّمَاءَ الَّتِیْ ھِیَ اَشَدُّ خَلْقًا مِّنْکُمْ وَکُلُّ مَنْ ھُوَ قَادِرٌ عَلٰی بِنَاءِ مَا ھُوَ اَضْعَفُ مِنْھَا یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا جس کا بنانا تمہارے پیدا کرنے سے مشکل ہے جو آسمان بنانے پر قادر ہے وہ آسمان سے کمزور چیز کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

۲؎ سمک کا معنی بلند ہونا ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے آسمان کی زمین سے بلندی کی ایک مقدار بنائی یا اس کا مطلب یہ ہے یا آسمان کی بلندی کی طرف حجم کو بلند کیا رفع سمکھا یہ جملہ بناھا کے جملہ کا بیان ہے یا اس سے بدل اشتمال ہے۔ فسوٰھا یعنی آسمانوں کو ہموار اور ہر قسم کے نقص سے پاک بنایا۔

وَاَغْطَشَ لَیْلَھَا وَاَخْرَجَ ضُحٰھَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا ﴿۳۰﴾

"اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو ۱؎ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا ۲؎۔"

۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کی رات کو تاریک بنایا۔ غطش اللیل اس وقت جملہ بولتے ہیں جب رات تاریک ہو جائے۔ رات کو آسمان کی طرف اس لئے مضاف کیا کیونکہ رات سورج کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے جو سورج آسمان میں ہے۔ سورج کی روشنی کو ظاہر فرمایا اور دن کو سورج کی وجہ سے بنایا۔

۲؎ الارض کا لفظ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر بعد والا فعل کرتا ہے۔ ذلک اسم اشارہ سے مراد آسمان کو بنانا ہے دحٰھا یعنی رہائش کے لئے اسے بچھا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان کی پیدائش سے پہلے زمین کو تمام چیزوں کے ساتھ دو دنوں میں پیدا کیا مگر اسے رہائش کے قابل نہ بنایا۔ پھر آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور دو دنوں میں اسے بنا دیا۔ اس طرح زمین اور اس میں جو کچھ ہے اسے چار دنوں میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں بعد، مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ میں بعد، مع کے معنی میں ہے (1)۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہاں بعد کا کلمہ اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ میں ثم کا لفظ تفاوت مرتبی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ تاہم پہلی تاویل کیونکہ اسلاف سے منقول ہے اس لئے وہ بہتر ہے۔

اَخْرَجَ مِنْھَا مَآءَھَا وَمَرْعٰھَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰھَا ﴿۳۲﴾

"نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ ۱؎ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے ۲؎۔"

۱؎ ھا ضمیر سے مراد زمین ہے، یعنی زمین سے چشمے اور گھاس نکالی مرعیٰ میں محل کا ذکر کیا مراد حال ہے یا یہ مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اخرج کا جملہ الارض والے جملے پر معطوف ہے۔ مابعد جملہ بھی اسی کی مثل ہے۔

مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی ﴿۳۴﴾

"سامان زیست ہے تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے ۱؎ پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت ۲؎۔"

۱؎ متاعا تمتیعا کے معنی میں ہے اور یہ مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کا عامل دحی ہے یا ارسل ہے۔

۲؎ فاذا میں فاء سببیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے خبر دینے، اس کے ممکن ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عالم کے ایجاد کرنے پر قدرت سے دوبارہ اٹھانے کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 173 (التجاریہ)

’’اور جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے ¹ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا ²‘‘

¹ قیامت کے روز اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس امارہ کو خواہش نفسانی سے روکا۔ صحاح میں ہے ھوی کا معنی نفس کا پسندیدہ چیز کی طرف مائل ہونا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسے ھوی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ دنیا میں انسان کو ہر مصیبت کی طرف اور آخرت میں ھاویہ میں ڈالتا ہے۔ ھوی کا لغوی معنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہے۔

تنبیہ:۔ خواہش نفس تمام ممنوعات اور محرمات کی بنیاد ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا اللہ تعالیٰ نے خواہش نفس سے بری کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی۔ میں کہتا ہوں ہوں عقل ونقل سے یہ بات ثابت ہے کہ خواہش نفس قبیح ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ اشیاء کی نفس الامر میں جو حقیقت ہے خصوصاً مبدا اور معاد کی حقیقت، اخلاق اور افعال وغیرہ، امور کے انجام عموماً رائے سے معلوم نہیں کئے جا سکتے ان میں سے اگرچہ بعض کا رائے سے ادراک کیا جا سکتا ہے مگر ان پر اس وقت تک اعتماد مناسب نہیں جب تک رسل کے واسطہ کے ذریعے علام الغیوب سے معلوم نہ ہوں۔ ورنہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ عقائد صحیحہ کا حصول، اعمال حسنہ اور قبیحہ کا علم، اعمال حسنہ اور اخلاق شریفہ اور رزیلہ کا علم یہ اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب خواہش نفس کے خلاف رسولوں کی اتباع کی جائے جبکہ خواہش نفس کی اتباع مطلقاً اس کی ضد ہے۔ جہاں تک شرعی دلیل کا تعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ صحاح میں عبودیت کا معنی عاجزی کا اظہار ہے جبکہ عبادت اس سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں تسخیر کے ذریعے عبادت جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا۔ دوسری قسم اختیار کے ذریعے عبادت ہے۔ جن وانس سے یہی مطلب ہے کیونکہ تسخیر اور اضطرار کی صورت میں انسان سے اسی چیز کا تصور کیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہو تو اختیار کی صورت میں بھی ایسا ہونا ضروری ہے دل اور اعضاء کے افعال اور نفس کی صفات میں سے کوئی بھی چیز اس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کا امر نہ ہو۔ اس میں خواہش نفس اور اس کی ضد کا تو کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہئے۔ خواہش کی اتباع تو عبودیت کے منافی ہے۔ ہر باطل قبیح ہے جو خواہش نفس اور فضول آراء سے جنم لیتا ہے۔ کفار نے اپنی فاسد رائے کی بناء پر کہا ہے اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے۔ کیا ہم اپنے میں سے ہی ایک انسان کی اتباع کریں۔ مجسمہ (جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں) نے کہا اللہ تعالیٰ موجود ہے ہر موجود جسم رکھتا ہے اور کسی مکان میں موجود ہوتا ہے۔ معتزلہ اور دوسرے باطل فرقوں نے کہا عذاب قبر، اعمال کا وزن، پل صراط اور اسی جیسے دوسرے امور کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فاسق جب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی اطاعت واجب ہے، وہ عذاب آخرت کا علم رکھتے ہیں، برے اخلاق اور برے اعمال کا بھی انہیں علم ہے، پھر بھی خواہش نفس اور شہوات کی اتباع کی وجہ سے وہ شریعت کے احکام پر ثابت قدم نہیں رہتے، واجبات کو چھوڑ دیتے ہیں، محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، ان میں سے ایک خواہش نفس ہے۔ وہ بندہ کتنا برا ہے جو نفس کی خواہش کی غلامی کرتا ہے۔ یہ خواہش اسے گمراہ کر دیتی ہے۔ اسے امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں (1) خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے (2) ایسا بخل جس کی اطاعت کی جائے (3) انسان کا اپنے آپ پر فخر

حالات کے بارے میں بیان فرمایا کہ میں بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ مجھ میں کچھ سستی اور اپنے اندر تاریکی محسوس ہوئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ کچھ دن روزے رکھوں تاکہ یہ سستی دور ہو جائے۔ میں نے روزے رکھے اور صبح شیخ اجل حضرت بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ مجھے فرمایا کھانا کھاؤ کیونکہ وہ انسان کتنا برا ہے جو اس خواہش کی پیروی کرے جو اسے گمراہ کر دے اور فرمایا بے شک کھانا روزے سے افضل ہے۔ اگر وہ روزہ خواہش نفس کی وجہ سے ہو۔ تو مجھے یہ بات سمجھ آ گئی کہ نفلی عبادت کے لئے بھی شیخ فانی فی اللہ اور خواہشات سے آزاد شیخ کی اجازت ضروری ہے۔ میں نے حضرت شیخ سے عرض کی اگر کسی کو اس قسم کا شیخ نصیب نہ ہو تو وہ انسان کیا کرے؟ فرمایا وہ کثرت سے استغفار کرے یا ہر نماز کے بعد بیس دفعہ استغفار پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے دل میں کچھ کدورت آ جاتی ہے تو میں روزانہ سو بار اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش طلب کرتا ہوں۔ خواہش نفس سے رکنے کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ انسان خواہش نفس کی مکمل طور پر نفی کر دے اس طرح کہ اس کا مقصود اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے صوفیا ءکثرت لا الٰہ الا اللّٰہ کا تکرار کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جب تک ایک انسان خواہش نفس کے تابع ہوتا ہے وہ اپنے نفس کا بندہ اور شیطان کا اطاعت کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ عظیم دولت یعنی خواہش نفس کی مکمل طور پر نفی ہی ولایت خاصہ، کامل فناء و بقاء کے ساتھ متعلق ہے۔

میں کہتا ہوں اسی مرتبہ پر صوفی کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضا نصیب ہوتی ہے اگرچہ تقدیر طبیعت کے خلاف بھی ہو وہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا تو کرتا ہے کیونکہ اسے دعا یا عافیت کو طلب کرنے کا حکم ہے مگر وہ دعا اس لئے نہیں کرتا کہ مقصود حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے سینے میں تنگی ہے۔ اس مرتبہ میں انسان اختیار کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا اسی طرح بندہ ہوتا ہے جس طرح تسخیر اور اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں شیطان اس تک بہت کم راہ پا سکتا ہے کیونکہ عمومی طور پر شیطان کی انسان تک رسائی خواہش نفس کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ آدمی جس کے مزاج میں گرمی ہو اور وہ مغلوب الغضب ہو تو شیطان اس کے لئے قتل اور ظلم جیسے افعال کو مزین کرتا ہے اور جس کا مزاج ٹھنڈا اور وہ کمزور دل والا ہو تو شیطان اسے جہاد سے گھر بیٹھ رہنے، حق اور نفاق میں غیرت چھوڑنے جیسے اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے امور کو قیاس کر لو۔ جب وہ اپنے آپ سے خواہش نفس کو دور کر دیتا ہے تو شیطان کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا کا یہی معنی ہے۔ اسی مقام کے متعلق شیخ اجل نے یعقوب کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک آدمی عظیم ہستیوں کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ خواہش نفس سے چھٹکارا نہ پا لے۔ اسی مقام پر فائز انسان کے لئے مومن حقیقی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى یَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ کا بھی یہی مطلب ہے۔ شرح السنہ میں بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

لے اس کے لئے جنت کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے، انہوں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا قیامت کب برپا ہو گی؟ ان کا یہ سوال استہزاء کے طور پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ

'' آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو۔[1] گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح۔[2] ''

[1] آپ کی بعثت کا مقصود قیامت کے وقت کو بیان کرنا نہیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصود یہ ہے کہ آپ اسے ڈرائیں جو قیامت کی سختیوں سے ڈرتا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے جو اس کا سبب ہیں۔ ایسے لوگوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ یہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جب یہ علم ہو کہ قیامت ضرور واقع ہوگی تو ڈرانے کے لئے یہی کافی ہے۔ اس کے واقع ہونے والے وقت کو جاننا کافی نہیں۔ یہ جملہ بھی سابقہ علت والے جملے کا بیان ہے۔

[2] یرونها میں ھا ضمیر سے مراد قیامت ہے۔ ظرف اس فعل کے متعلق ہے جو کان کے معنی سے سمجھا جا رہا ہے۔ لم یلبثوا یہ جملہ کان کی خبر ہے، یعنی وہ دنیا اور قبروں میں صرف ایک رات یا ایک دن ٹھہرے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے هل اتک حدیث موسیٰ سے لے کر آخر تک میں امالہ(۱) کیا ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے جن میں راء ہے اس میں امالہ کیا، باقی میں بین بین کیا، جبکہ باقی قراء نے سب میں فتحہ پڑھا ہے۔

ضحی کے لفظ کو عشیه کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ یہ ایک دن میں جمع ہوتے ہیں، یعنی وہ دنیا اور قبروں میں ٹھہرنے کی مدت اتنی ہی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ مدت ختم ہونے والی ہے۔ ختم ہونے اور معدوم ہونے کی وجہ سے گویا یہ مدت کچھ بھی نہ تھی جبکہ عذاب کا زمانہ بڑا طویل ہوگا۔ ساتھ ہی اس عذاب میں شدت ہوگی تو اس کے مقابلہ میں دنیا کا عرصہ بہت ہی قلیل نظر آئے گا۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ گویا یہ آیت ان کے سوال کا جواب ہے، یعنی قیامت کا وقت بہت قریب ہے۔

(۱) علم تجوید کی اصطلاح ہے۔

سورۃ عبس

ایاتھا ۴۲ | سورۃ عبس مکیۃ ۸۰ | رکوعھا ۱

سورۂ عبس مکی ہے اس میں ایک رکوع اور بیالیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جن کا نام عبد اللہ بن شریح بن مالک فہری تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، ابی، امیہ بن خلف سے گفتگو کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں دعوت دے رہے تھے اور ان کے اسلام لانے کی امید رکھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے پڑھائیے اور مجھے اس چیز کی تعلیم دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہے اور ساتھ ہی حضور ﷺ کو ندا دیتے گئے اور بار بار ندا دیتے اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ ﷺ کسی اور کی طرف متوجہ ہیں یہاں تک کہ ان کی قطع کلامی کی وجہ سے حضور ﷺ کے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہو گئے اور اپنے دل میں کہا یہ سردار کہیں گے اس کے پیروکار تو اندھے، غلام اور نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ کے چہرہ پر ترشی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے ام مکتوم سے رخ پھیر لیا اور آپ اسی قوم کی طرف متوجہ ہو گئے جن سے پہلے ہم کلام تھے(1) تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴

"چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا۔ (اس وجہ سے) کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزہ ہو جاتا یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت"

دونوں فعلوں میں ھو ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔

ان جاءہ محل نصب میں ہے کیونکہ تنازع فعلین کے قاعدہ کے مطابق دونوں فعلوں میں سے ایک کا مفعول بہ ہے یا اس سے پہلے لام جار محذوف ہے۔ جاءہ میں ضمیر سے مراد حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس میں ہے ابن ام مکتوم نے عرض کیا کیا میری گزارش میں کوئی حرج محسوس کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن ابی حاتم نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 174 (التجاریہ)

اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ جب بھی انہیں دیکھتے، ان کی عزت کرتے اور فرماتے اسے خوش آمدید جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے عتاب کیا ہے۔ آپ انہیں فرماتے کیا کوئی کام ہے؟ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دو غزوات کے موقع پر دو دفعہ انہیں مدینہ طیبہ پر اپنا نائب بنایا۔ اس آیت میں اعمی کا ذکر اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی گفتگو میں جو مداخلت کی تھی اس میں وہ معذور تھے۔

؎ اس میں ما نافیه ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کا معنی دے رہا ہے۔ یہاں اس کا معنی ادراک کی نفی ہے، یعنی آپ اس کی حالت کو نہیں جانتے اور کس چیز نے آپ کو اس کی حالت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے طرز عمل کے بارے میں بھی عذر پیش کیا جا رہا ہے، یعنی اگر آپ نابینا کی حالت سے آگاہ ہوتے تو ان سے اعراض نہ کرتے اور غیروں کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ اس آیت میں کئی طریقوں سے حضور ﷺ کی تعظیم کا ذکر ہے۔

1۔ کلام کے آغاز میں آپ کے اعراض اور ناپسندیدگی کو غائب کے صیغوں کے ساتھ ذکر کیا، مخاطب کے صیغوں کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ مقصود یہ وہم دلانا تھا کہ گویا جس سے یہ فعل صادر ہوا وہ آپ کی ذات نہیں، آپ کی یہ شان نہیں کہ آپ سے اس قسم کا فعل صادر ہو۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ حضور ﷺ کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ مطلق اعراض کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ یہ آدمی مومن ہے، اگر تعلیم دینے میں تاخیر بھی ہوگی تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس سے اعراض اور انحراف کا کوئی خطرہ نہیں جبکہ قریش کے سردار اعراض کی صورت میں چلے جاتے اور انتظار نہ کرتے، اگر یہ سردار ایمان لے آتے تو ان کی وجہ سے بے شمار لوگ مسلمان ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کا دین پھیل جاتا۔ اس غرض کی وجہ سے گویا حضور ﷺ سے نابینا کے لئے اعراض صادر ہی نہیں ہوا اگرچہ ظاہر میں اعراض واقع ہوا۔

2۔ حضور ﷺ کے عذر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نہیں جانتے تھے ورنہ آپ سے اس قسم کا عمل صادر نہ ہوتا۔

3۔ غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات کیا گیا ہے تا کہ انس پیدا ہو، وحشت دور ہو اور اعراض کے وہم کو دور کرنے کے لئے خطاب کے صیغوں کے ساتھ توجہ کی۔ عذر کا موجب مخاطب کے صیغہ کے ساتھ آپ کی طرف منسوب کیا تا کہ جو عمل آپ سے صادر ہوا ہے اس کے بارے میں آپ کا معذور ہونا صراحت سے ثابت ہو۔

4۔ یزکی اصل میں یتزکی تھا، یعنی شاید وہ شرک جلی اور شرک خفی، نفس کے رذائل اور اس کی خواہشات، دل کو غیر اللہ کے ساتھ وابستہ کرنے سے اپنے آپ کو پاک کرتا اور عالم امر کے تمام لطائف سے غفلت کو دور کرکے اور عالم خلق کے عناصر میں سے ہر عنصر کے حملہ کو زائل کر کے اپنے آپ کو پاک کرتا جبکہ اس نعمت کا حصول حضور ﷺ کے فیض صحبت، آپ کے انفاس شریفہ کی برکت اور آپ کے انوار ظاہرہ اور باطنہ کو حاصل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

؎ یذکر اصل میں یتذکر تھا، یعنی وہ اپنے آپ کو ایسی باتوں میں مشغول کرتا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے حضور میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر اور اس کے ثواب کی امید کو پیدا کرتا ہے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے لعل کے جواب میں فتنفعه کو منصوب پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یذکر پر عطف کرتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ صحاح میں ہے ذکری کا معنی کثرت ذکر ہے جو ذکر سے بلیغ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لعله یزکی۔ ابرار کی منزل کی انتہاء کا شعور دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا

فرما دینا کہ یہ نیک لوگوں کی ابتدائی منزل کا شعور دلاتا ہے۔ یہاں مقربین اور صدیقین کی جماعت کا ذکر نہیں ہے جو تقرب الٰہی کی محنت سے حاصل کرنے والے مقامات کا ذکر ہے۔ سب مقربین ان کے مقامات کا انحصار اجتباء (وہبی) پر ہوتا ہے جو اصل میں نبیوں کے ساتھ خاص ہے۔ تاہم ان کی وراثت اور طفیل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جسے عطا فرما دے۔ یہاں او کا کلمہ منع خلو (۱) کے قاعدہ پر ہے منع جمع کے طور پر نہیں۔ جس طرح ایک قول ہے جالس الحسن او ابن سیرین یعنی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھو یا حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ ہاں اگر دونوں کے پاس بیٹھو تو بہتر ہے۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔ اس میں وہی فوائد پائے جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ نیز اس کی وضاحت یعنی یہ کہ نابینا تو خطاب کے لائق ہے اور اس میں اشارۃً یہ بات کی گئی کہ قریش کے سردار اس کے اہل نہ تھے کہ ان سے آپ اس طرح مخاطب ہوں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ ان کے بارے میں جو ارادہ رکھتے ہیں اس کی امید نہیں۔ جس طرح ایک آدمی کی جو مسئلہ سمجھاتا ہے اور سننے والا اسے نہیں سمجھتا جبکہ اس کے پاس ایک اور ایسا آدمی موجود ہے جو اس کو سمجھ لیتا ہے تو سمجھانے والے کو جب جاتا ہے جو کچھ تم کہتے ہو یہ اسے سمجھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف لوٹ رہی ہو یعنی آپ کافر کے بارے میں طمع رکھتے ہیں کہ وہ اپنا تزکیہ کرے گا۔ مگر آپ کو کیا معلوم کہ جس کی آپ طمع کرتے ہیں وہ ضرور وہ کرے گا۔ اس صورت میں لعلہ یزکی یہ لیدریک کا دوسرا مفعول ہوگا۔

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ۝ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ۝ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۝ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝

"لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا[1] آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں[2] اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے[3] اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا[4] اور وہ ڈر بھی رہا ہے[5] تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں[6]"

1 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنے مال و اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور ایمان سے مستغنی ہو گیا۔

2 نافع اور ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تصدی میں صاد کو مشدد اور تاء تفعل کو صاد میں مدغم کر کے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر کے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی یہ ہوگا آپ اس کا سامنا کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ اس سے تزکیہ قوت پکڑے۔

3 اگر وہ تزکیہ نہ کرے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ اس کے اسلام لانے پر آپ کا حریص ہونا اس آدمی سے اعراض پر برانگیختہ کرے جو اسلام لا چکا ہے۔ بے شک آپ کے ذمہ پیغام حق پہنچانا ہے۔ یہ جملہ یا تو تصدی کا فاعل ہے یا جملہ معترضہ ہے۔

4 یسعی یہ جملہ جاءک کے فاعل سے حال ہے، یعنی جو بھلائی اور خیر آپ کے پاس موجود ہے وہ اس کی طلب کرنے والا اور اس کے لئے کوشش کرنے والا ہے۔

5 جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ یہ جملہ حال مترادفہ ہے یا حال متداخلہ ہے، یعنی یسعی کے فاعل سے حال ہے۔

6 حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورت کی ابتداء سے لے کر یہاں تک امالہ کیا ہے۔ ورش نے ذکری کے علاوہ میں بین بین پ

(۱) یعنی دونوں حالتوں سے خالی نہ ہوگا، کم از کم اسے ایک حالت تو حاصل ہو جائے گی۔ یہاں دونوں بھی ممکن ہیں، دونوں کا اکٹھا ہونا بھی ممنوع نہیں۔ مترجم

اور ذکریٰ میں امالہ کیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی آپ اس کی بجائے کسی اور کی طرف مشغول ہوتے ہیں عبس اور تولی میں جو اجمال تھا۔ یہ دونوں جملے اس کی تفصیل ہیں اور جس وجہ سے یہ عتاب ہے اس کا بیان ہے، وہ طالب کی طرف توجہ نہ کرنا اور غافل کے لئے تمام صلاحیتیں صرف کرنا ہے جب کہ مناسب یہ تھا کہ طرز عمل اس کے برعکس ہوتا۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

"ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے[1] سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے[2] یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں[3] جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں[4] ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں[5]"

[1] کلا جھڑکنے کے لئے ہے، یعنی اس جیسا عمل کبھی بھی نہ کریں۔ انھا میں ھا ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ خبر کے مونث ہونے کی وجہ سے ضمیر کو مونث ذکر کیا یا آیات کی تاویل کی بناء پر اسے مونث ذکر کیا، یعنی یہ سراپا نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا باعث ہے۔

[2] جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور اس کے ذکر کا طالب ہو تو وہ قرآن کو یاد کرے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ ذکر کو مشیت کے ساتھ مشروط کرنا صیغہ کے اعتبار سے تو تخییر ہے مگر اس میں اعراض کرنے والوں کو شرمندہ کیا جا رہا ہے اور جو اس میں مصروف رہتے ہیں اس کے لئے ثناء ہے۔

[3] جار مجرور شبہ فعل کے متعلق ہو کر تذکرہ کی صفت ہے یا یہ ان کی دوسری خبر ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھی ہے۔ صحف سے مراد لوح محفوظ ہے یا اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جنہیں ملائکہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں یا اس سے مراد انبیاء کے صحیفے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ، اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى یا اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جنہیں صحابہ نے حضور ﷺ سے لکھا تھا۔ وہ صحیفے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے معزز و محترم ہیں۔

[4] اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شان بڑی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ساتویں آسمان میں بلند ہیں۔ یہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت اور محدث کے چھونے سے پاک ہیں۔

[5] سفرہ یہ سافر کی جمع ہے جس کا معنی کاتب ہے۔ اسی وجہ سے کتاب کو سفر کہتے ہیں اور اس کی جمع اسفار آتی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔ اس سے مراد معزز فرشتے ہیں جو کاتب ہیں یا اس سے مراد انبیاء ہیں یا کاتبین وحی ہیں۔ دوسروں نے کہا یہ سفیر کی جمع ہے جس کا معنی قاصد ہے۔ جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرائے اسے سفیر القوم کہا جاتا ہے (1)۔ پس اس سے مراد فرشتوں اور بشر میں سے رسول ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی طرح کاتبین وحی اور امت کے علماء مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک رسول اور امت کے درمیان سفیر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس میں ماہر بھی ہے۔ وہ معزز اور نیک سفرہ کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ یہ عمل اس پر شاق ہوتا ہے تو اس کے لئے دوگنا اجر ہے (2)۔ اسے شیخین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے دو اجروں سے مراد ایک قرأت کا اجر اور دوسرا مشقت کا اجر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماہر کے لئے تو غیر متناہی اجر ہیں۔

كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 174 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 269 (قدیمی)

نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ

"جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں لے غارت ہو (منکر) انسان وہ کتنا احسان فراموش ہے ۲ے کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے ۳ے ایک بوند سے اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی ۴ے"

لے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز اور مومنین پر بڑے شفیق ہیں۔ یہ مومنوں کو کامل بناتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کے طلب گار ہوتے ہیں۔ وہ بڑے متقی ہیں۔ یہ سفرہ کی صفت کے بعد دوسری صفت ہے۔ علماء کی شان بھی اسی طرح ہونی چاہئے۔

۲ے یہ انسان کے لئے بدترین بددعا ہے اور اس کے کفر میں زیادتی پر انتہائی تعجب ہے جبکہ شکر بجالانے اور ایمان لانے کے بے شمار اسباب موجود ہیں۔ یہ کلام مختصر ہونے کے باوجود عظیم ناراضگی اور بلیغ مذمت پر دلالت کرتا ہے۔

ابن منذر نے عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے اور اسی طرح مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ اس نے کہا رب نجم کا انکار کرتا ہوں۔ جس طرح سیرت کی کتابوں میں ہے کہ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد نکاح عتیبہ سے کیا اور اس کے بھائی سے ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن کا عقد نکاح کیا۔ جب ابولہب کے حق میں سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا اگر تم دونوں محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو تو میرا سر تم پر حرام ہے۔ تو دونوں نے دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دی۔ یہ واقعہ رخصت سے پہلے کا ہے۔ عتبہ نے جب ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تو وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں نے تیرے دین کا انکار کیا۔ میں نے آپ کی بیٹی کو چھوڑ دیا۔ آپ پر حملہ کر دیا اور حضور ﷺ کی قمیص پھاڑ دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا تجھ پر مسلط کرے۔ وہ قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ بحیثیت تاجر شام کی طرف نکلا یہاں تک کہ وہ رات کے وقت شام کے علاقہ زورا میں ٹھہرے۔ اس رات شیر نے ان پر چکر لگایا۔ عتبہ کہتا ہلاکت ہو مجھے تو حضور ﷺ کی بددعا سے ڈر لگتا ہے۔ ان سب نے اپنے سامان جمع کیا۔ سب سے اونچی جگہ عتبہ کو سلایا اور خود اس کے ارد گرد سو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا شیر ان سے الگ تھلگ رہا یہاں تک کہ وہ سو گئے جبکہ عتبہ ان سب کے درمیان تھا۔ پھر شیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آیا اور انہیں سونگھنے لگا یہاں تک کہ اس نے عتبہ کو پکڑ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

میں کہتا ہوں جہاں تک عتیبہ اور معتب کا تعلق ہے جو ابولہب کے دونوں بیٹے تھے وہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غزوہ حنین کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور بھاگ جانے کے بعد آپ کی طرف لوٹ آئے تھے۔

۳ے ایمان اور شکر کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان ہے انسان کی تخلیق کے آغاز کو ذکر کیا کیونکہ یہ تمام نعمتوں میں سے پہلی نعمت ہے۔ خلقہ کے فاعل کی ضمیر اس مرجع کی طرف لوٹ رہی ہے جو تقدیراً مذکور ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے اور مخاطب کو اس بات پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ من نطفة یہ ما کا بیان ہے۔ یہ توجیہ ذہن میں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ اس میں انسان کی تحقیر بھی ہے جو تکبر کے منافی ہے۔

۴ے جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے جو خلق ہے پہلے جس چیز کا ذکر مبہم انداز میں تھا۔ اس کا بیان ہے پھر اس کی تخلیق سے لے کر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 175 (التجاریہ)

اس کی موت تک جو احوال وقتاً فوقتاً اس پر طاری ہوتے رہتے ہیں ان کو بیان فرمایا۔ رحم میں اسے نطفہ سے پیدا فرمایا اور موکل فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے چار چیزیں لکھ دیں، اس کا عمل، موت، رزق اور اس کا شقی یا سعید ہونا جس طرح ہم نے سورۂ مرسلات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ یہ تاویل ان تاویلوں سے بہتر ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ اعضاء اور اشکال بنائیں یا نطفہ سے لے کر تخلیق کے مکمل ہونے تک مختلف مراحل مقدر فرمائے۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿٢٢﴾

"پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی [1]۔ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا [2]۔ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا [3]۔"

[1] اضمار علی شرط التفسیر کی بناء پر السبیل کو نصب دی گئی۔ اس جملے کا عطف قدرہ پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ سے اس کے نکلنے کو آسان بنا دیا۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے یا اس کا معنی ہے حق اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ کو آسان بنایا(1)۔ اس کی صورت یہ بنائی کہ رسولوں کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ اسی کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى۔ یا اس کا معنی ہے اس کے لئے دنیا کی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے نتیجے کو آسان بنا دیا کیونکہ دنیا ایک راستہ ہے جو یا تو جنت تک لے جانا والا ہے یا جہنم تک لے جانے والا ہے۔ یہ مستقل رہنے کی جگہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو گویا تم اجنبی یا مسافر ہو(2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زائد ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو اصحاب قبور سے شمار کرو۔ مابعد فرمان اسی تاویل کے مناسب ہے۔

[2] موت عطا کرنے کو بھی نعمت میں شمار کیا ہے کیونکہ موت جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا تحفہ موت ہے(3)۔ اسے طبرانی، حاکم، بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شعب اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک اس کے جہنم کی طرف جانے کا تعلق ہے تو اس کے اپنے غلط انتخاب کی وجہ سے ہے اور اس پر کسی قسم کا جبر نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا ایک سردار ہے جس نے دعوت کا اہتمام کیا اس نے دعوت دینے کے لئے آدمی بھیجا جس نے دعوت کو قبول کر لیا وہ گھر میں داخل ہو گیا اور کھانا کھا لیا اور آقا بھی راضی ہو گیا جس نے دعوت کو قبول نہ کیا وہ گھر میں داخل بھی نہ ہوا اور کھانا بھی نہ کھایا اور آقا بھی اس پر ناراض ہو گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی مثال سید کی ہے، محمد ﷺ دعوت دینے والے ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانا جنت ہے۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ جرشی کی حدیث سے روایت کیا(4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا کہ وہ میت کو قبر میں دفن کر دیں تاکہ اس کا جسم درندوں سے محفوظ رہے۔ یہ دوسری نعمت ہے جس میں انسان کی تکریم کا اہتمام ہے۔ اسے دوسرے حیوانات کی طرح مردہ حالت میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 175 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 57 (وزارت تعلیم)
3۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 171 (العلمیہ)
4۔ سنن الدارمی، جلد 1، صفحہ 15 (المحاسن)

ہونے کا حکم نہیں دیا۔

۳؎ جب اللہ تعالیٰ اسے قبر سے باہر نکالنے کا ارادہ کرے گا تو باہر نکال لے گا کیونکہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری دفعہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانوں سے آگاہ کیا۔ اگر دوبارہ اٹھانا اور جزا و سزا کا سلسلہ نہ ہوتا تو شکر گزار بھی کافر کی طرح رہ جاتا اور یہ بہت قبیح عمل ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾

"یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔[۱] پس ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کی[۲] طرف کہ بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا۔[۳] پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو۔[۴]"

۱؎ وہ دلائل جو ایمان کو واجب کرتے تھے اور وہ نعمتیں جو شکر کا موجب تھیں ان کے باوجود کفار جو انکار اور ناشکری کی حالت میں تھے۔ اس پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ یعنی ان عظیم الشان نعمتوں اور واضح دلائل کا علم رکھنے کے باوجود انہوں نے آج تک اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا حق ادا نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور شکر بجا لانے کے بارے میں دیا۔

۲؎ اس جملے کا عطف سابقہ جملہ پر ہے یعنی انسان کو پہلے اپنی ذات پر غور کرنا چاہیے کہ اس کی تخلیق کے آغاز سے لے کر اس کی انتہا تک کس قدر احسانات فرمائے۔ پھر وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے کہ کیسے ہم نے تمہارے کھانے کو تخلیق فرمایا اور اسے کھانے سے لطف اندوز کیا۔

۳؎ ہم نے آسمان سے بارش کو نازل فرمایا۔ کوفیوں کی قراءت میں انا کو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ طعامہ سے بدل اشتمال ہے جو اس کھانے کی پیدائش کی کیفیت کو بیان کرتا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ صبا ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے۔

۴؎ زمین سے کھیتی کو نکال کر یا نرم نالوں کے ذریعے پھاڑا۔ اس صورت میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح ہے جس طرح فعل کی نسبت مسبب کی طرف ہو۔

فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

"پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ[۱] اور انگور اور ترکاریاں[۲] اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات[۳] اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس[۴] سامان زیست تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے۔[۵]"

۱؎ ھا ضمیر سے مراد زمین ہے حبا سے مراد گندم، جو اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔

۲؎ قضبا سے مراد ساگ ہے۔ قضبا یہ قضبہ کا مصدر ہے مصدر کے ساتھ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ انہیں بار بار کاٹا جاتا ہے۔ صحاح میں قضب کا لفظ سبزیوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قاموس میں قضب سے مراد ایسا درخت ہے جو لمبا ہو اور اس کی ٹہنیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

۳؎ غلب ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت گھنے ہوں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

۴؎ پھلوں سے ایسے پھل جنہیں محض لذت حاصل کرنے کے لئے کھایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فاکہہ نہیں کھائے گا تو وہ کھجور، انگور اور زیتون کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ ساتھ اس تعبیر کی وجہ یہ بھی ہے کہ عطف مغائرت کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہر وہ پھل جس سے غذا اور دوا کا ارادہ کیا جاتا ہے جس طرح انار ہے۔ ابّا سے مراد گھاس اور چراگاہ ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

۵؎ متاعا یہ انبتنا کا مفعول لہ ہے۔ گندم وغیرہ کو تمہارے لئے اور چراگاہوں کو تمہارے چوپاؤں کے لئے پیدا کیا تاکہ تم ان سے لطف اندوز ہو۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾

"پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا ۱؎ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے ۲؎ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کردے گی ۳؎"

۱؎ قاموس میں صاخہ سے مراد چیخ ہے جس میں شدت پائی جائے۔ یہاں اس سے مراد صور کا نفخہ ہے۔ صحاح میں ہے صاخہ سے مراد سخت آواز ہے جو بولنے والے کی طرف سے صادر ہو۔ اس تعبیر کی بناء پر صور پھونکنے کی اس کے ساتھ صفت لگانا بطور مجاز ہوگا کیونکہ اس نفخہ پر لوگ سخت چیخیں گے۔ یہ ایسی شرط ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ کے ساتھ متعلق ہے یا قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ وَّ عِظَةٌ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ یعنی اس کے ساتھ ایسے نصیحت حاصل کرنے والوں اور نصیحت حاصل نہ کرنے والوں کی حالت مختلف ہو جائے گی۔ وجوہ یومئذ اس کا بیان ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی جزاء وجوہ یومئذ ہو۔ دوسری تعبیر کی صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ یَرٰی جَزَآءَ كُفْرَانِهٖ یعنی جب صاخہ واقع ہوگا تو وہ اپنی ناشکری کی جزا دیکھ لے گا۔

۲؎ اس وقت وہ اپنی ذات کے بارے میں مشغول ہوگا اور اسے یہ بھی علم ہوگا کہ وہ اسے کچھ نفع نہ دیں گے یا ان کے کفر اور برے حال کے باعث وہ ان سے بغض کرے گا اور انہیں ناپسند کرے گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ان دو بچوں کے بارے میں پوچھا جو دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جہنم میں ہوں گے۔ جب حضور ﷺ نے ان کے چہرہ پر ناگواری کے آثار کو دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر تم ان کے مکان کو دیکھ لو تو تم ان سے بغض کرنے لگو۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ زیادہ محبوب کو موخر ذکر کرنا مبالغہ کے لئے ہے۔ گویا یہ فرمایا آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا نہیں بلکہ اپنے والدین سے بھاگے گا نہیں بلکہ اپنی بیوی سے بھاگے گا نہیں بلکہ اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا۔ یوم یفر یہ اذا سے بدل ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 134 (صادر)

لہ ہم ضمیر سے مراد لوگ ہیں۔ یومئذ شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ شان یہ شبہ فعل محذوف کا فاعل ہے یا یہ مبتدا ہے اور لکل امری اس کی خبر ہے۔ یغنیہ یہ شان کی صفت ہے، یعنی اس کی اپنی حالت دوسروں کی حالت سے اسے غافل کر دے گی۔ بغوی نے لکھا ہے۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنہ کے بغیر اٹھائے گا۔ پسینہ ان کے منہ اور کانوں کی لوؤں تک پہنچا ہو گا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے بعض بعض کی شرمگاہیں دیکھ رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگ مشغول ہوں گے۔ ہر ایک کی ایسی حالت ہوگی جو اسے دوسروں سے بے نیاز کر دے گی۔ اسے طبرانی، بیہقی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی کی مثل مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ان کا معاملہ اس دن اس سے بھی سخت ہوگا۔ یعنی وہ ایک دوسرے کی شرمگاہیں نہیں دیکھیں گے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

"کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے لہ ہنستے ہوئے خوش و خرم ہوں گے کے اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے سہ ان پر کالک لگی ہوگی ہے یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے ہے"

لہ اس سے مومنوں کے چہرے مراد ہیں یا کچھ چہرے مراد ہیں یا انہی لوگوں میں سے کچھ چہرے ہیں جو من کل امری سے مفہوم ہو رہے ہیں۔ یومئذ مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے۔ مسفرة کا معنی روشن ہیں۔ یہ اسفر الصبح سے مشتق ہے۔

کے یہ ترکیب میں وجوہ کی صفت ہے جبکہ حقیقت میں ان چہرے والوں کی صفت ہے۔ وجوہ کی طرف اس کی نسبت مجاز کے طور پر ہے۔

سہ یومئذ مابعد شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ جار مجرور بھی اسی شبہ فعل کے متعلق ہے۔ غبرة یہ ظرف کا فاعل ہے یا یہ مبتدا مؤخر ہے یعنی ان چہروں پر اس روز غبار یا کدورت ہوگی اور جملہ وجوہ کی خبر ہے۔

کے ان چہروں پر سیاہی اور تاریکی چھائی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ زمخشری نے غبرة اور قترة میں فرق کیا ہے اور کہا قترة سے مراد وہ غبار ہے جو بلند ہوا اور پانی کے ساتھ جا ملے اور غبرة سے مراد وہ غبار ہے جو بیچے جا کر زمین تک ہوتی ہے (2)۔ یہ جملہ غبرة کی صفت ہے یا وجوہ کی خبر کے بعد خبر ہے۔

ہے اسم اشارہ مبتدا ہے۔ ہم ضمیر فصل ہے۔ کفرة یہ کافر کی جمع ہے اور مبتدا کی خبر ہے۔ الفجرة یہ فاجر کی جمع ہے اور کفرة کی صفت ہے یا خبر ہے اور جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوگا من اصحاب تلک الوجوه فجور کا معنی پھاڑنا ہے، یعنی دین اور دیانت کو پھاڑ دینا۔ فجور کی کامل صورت کفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 7، صفحہ 176 (التجاریہ)
2۔ ایضاً

سورۃ التکویر

ایاتہا ۲۹ — سورۃ التکویر مکیۃ ۸۱ — رکوعہا ۱

سورۃ التکویر کی ہے، اس میں ایک رکوع اور انتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ بات اچھی لگے کہ وہ قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ سورۃ کورت (تکویر) پڑھے (1)۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے مگر اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾

"(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا [1] اور جب ستارے بکھر جائیں گے [2] اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا [3] اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی [4]"

1۔ اذا شرطیہ ہے۔ الشمس کو رفع اس فعل نے دیا جو اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر محذوف ہے جو اسماء، الشمس پر معطوف ہیں ان کی بھی یہی صورت ہے۔ کورت یعنی اس کی روشنی ختم ہو گئی اور سورج تاریک ہو گیا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوطلحہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یہ نقل کیا ہے کہ سورج تاریک ہو گیا (2)۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی دنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب فی البحر والاحوال اور ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں ان کی آیات کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو سمندر میں گرا دے گا تو اللہ تعالیٰ دبور ہوا بھیجے گا۔ وہ اس میں پھونک مارے گی تو وہ آگ بن جائے گا (3)۔ بعض نے کہا جب اسے سمندر میں پھینکا جائے گا تو اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور وہ آگ بن جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی مریم سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں فرمایا جب سورج کو جہنم میں گرا دیا جائے گا اور ستارے بھی جہنم میں ٹوٹ گریں گے۔ اسی طرح ان سب کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی جاتی تھی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے (4)۔ میں کہتا ہوں شاید سورج کو سمندر اور

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 168 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا۔ 3۔ ایضاً۔ 4۔ ایضاً

جہنم میں گرانے میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ سمندر جہنمیوں کے لئے دہکتی آگ بن جائے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز سورج اور چاند کو گرا دیا جائے گا (1)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں نقل کیا ہے اور آگ کے الفاظ کا اضافہ کیا یعنی انہیں آگ میں ڈال دیا جائے گا۔(2)

ہے ستارے ٹوٹ جائیں گے بکھر جائیں گے اور زمین کی طرف گر پڑیں گے۔ انکدر الطیر جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ نیچے گر جائے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روز آسمان ستاروں کو نیچے گرا دے گا تو کوئی ستارہ بھی باقی نہ رہے گا سب نیچے گر جائیں گے۔

ہے پہاڑوں کو زمین سے چلایا جائے گا تو وہ بکھرے ہوئے ذرات بن جائیں گے۔

ہے عشار سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جس کے حمل کے دس ماہ گزر چکے ہوں۔ یہ عشراء کی جمع ہے۔ اس اونٹنی کو عشار کہتے ہیں یہاں تک کہ اس کا پورا سال گزر جائے۔ عربوں کے ہاں یہ نفیس ترین مال ہوتا ہے اور وہ اس اونٹنی کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب قیامت کی ہولناکیاں ظاہر ہوں گی تو انہیں بھی آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ یا عشار سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے خالی کر دیئے گئے ہیں۔

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷

"اور جب وحشی جانور اکٹھا کر دیئے جائیں گے لے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے ہے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی ہے"

لے ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے ان میں ایک موج پیدا ہوگی اور بعض بعض میں گھس جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ بعث کے بعد جانوروں میں قصاص جاری کرنے کے لئے ان سب کو جمع کیا جائے گا جس طرح آیت يُحْشَرُوْنَ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جانوروں کے حشر سے مراد ان کی موت ہے۔ انسانوں اور جنوں کے علاوہ ہر چیز کا حشر اس کی موت ہے۔(3)

ہے ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے سجرت کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے کہ ان سمندروں کو روشن کیا گیا تو وہ دہکتی آگ بن گئے (4)۔ یہ ابی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب سمندروں کو بھر دیا جائے گا۔ مسجور اسے کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا میٹھے اور نمکین سمندر آپس میں مل گئے تو سارے سمندر جنتیوں کے ایک سمندر بن گئے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ بتلایا کہ سمندر خشک ہو گئے اور ان کا پانی ختم ہو گیا اور پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ میں کہتا ہوں ان اقوال کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان تمام سمندروں کو جمع کیا جائے گا اور ایک سمندر کی صورت میں اسے بھر دیا جائے گا۔ پھر اس میں سورج گرا دیا جائے گا اس وقت سمندر گرم ہو جائے گا اور وہ آگ بن جائے گا اور پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ بچے گا کیونکہ وہ سب جہنمیوں کے لئے آگ اور کھولتا ہوا پانی ہو جائیں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے چھ نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ ابھی لوگ بازاروں میں مصروف ہوں گے کہ سورج کی روشنی جاتی رہے گی وہ اسی حال میں ہوں گے (5) کہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 5۔ ایضاً

پہاڑ زمین پر آ گریں گے تو اس میں حرکت واقع ہو جائے گی، اس میں زلزلہ برپا ہو جائے گا۔ انسان اور جن خوفزدہ ہو جائیں گے۔ جن انسانوں سے کہیں گے ہم تم تک خبر لاتے ہیں وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ بن چکا ہوگا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر ایک ہوا چلے گی تو سب کو ہلاک کر دے گی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو العالیہ نے ابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے مگر اس روایت میں یہ زائد ہے جن سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ بن چکا ہوگا۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک ہی دفعہ ساتوں زمین سے لے کر آسمان تک زمینیں ایک ہی دفعہ پھٹ جائیں گی۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ان پر ہوا چلے گی تو سب کو ہلاک کر دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے یہ کل بارہ نشانیاں ہیں جن میں چھ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی اور چھ قیامت کے واقع ہونے کے بعد ظاہر ہوں گی جن کا ذکر مابعد آیات میں آ رہا ہے۔(1)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہر آدمی کو ایسی قوم کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس جیسا عمل کرتے تھے(2)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم تین جماعتوں میں ہو گے، ایک دائیں ہاتھ والے ہم کیا جانو کہ دائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ بائیں ہاتھ والے ہم کیا جانو کہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ سابقون سبقت لے جانے والے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا آپ ارشاد فرماتے کہ اذا النفوس زوجت کا مفہوم یہ ہے کہ دو آدمی ہوں گے جو ایک ہی عمل کرتے تھے اسی عمل کے باعث وہ جنت یا جہنم میں داخل ہوں گے(3)۔ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جن لوگوں نے ظلم کیا اور جو ان جیسے تھے انہیں اکٹھا کیا جائے گا۔ سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کا معنی بیان کیا ہے کہ نیک آدمی کو جنت میں نیک آدمی کے ساتھ ملایا جائے گا اور برے آدمی کو جہنم میں برے آدمی کے ساتھ ملایا جائے گا(4)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو جمع کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا نفوس کو اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ عطاء اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہما نے کہا مومن نفوس کو حورعین کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کفار کے نفوس کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نفوس کو جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔(5)

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىٕلَتْ ۪ۙ(۸) بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْۚ(۹) وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۪ۙ(۱۰)

"اور جب زندہ در گور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا[1] کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی[2] اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے[3]"

[1] موءدة سے مراد وہ بچی ہے جسے زندہ درگور کر دیا گیا ہو۔ اسے موؤدہ اس لئے کہا گیا کیونکہ اس پر مٹی پھینکی جاتی ہے۔ مٹی اس کو وزن کی وجہ سے دبا لیتی ہے یہاں تک کہ وہ بچی مر جاتی ہے۔ عرب شرمندگی کے ڈر اور فقر کے خوف سے بچیاں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ بچی سے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ زندہ درگور کرنے والے کو لاجواب کیا جائے جس طرح نصرانیوں کو لاجواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا 3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
4۔ ایضاً 5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

عنالوب۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ موءودۃ کی طرف قتل کی نسبت مجازا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ اصل میں مسئول سے مراد مسئول عنہ ہے یا موءودہ سے مراد وائدہ ہے۔ بعض اوقات اسم مفعول اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا یا موءودہ سے مراد وہ عورت ہے جس کی وجہ سے اسے زندہ درگور کیا گیا۔ جس طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُوْدَةُ فِي النَّارِ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس صورت میں وائدہ سے مراد دائی اور موءودۃ لہا سے مراد ماں ہے۔ اس حدیث میں یہی تاویل ممکن ہے۔(1)

فائدہ۔ وأد کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس میں ناحق نفس کا قتل ہے۔ اسی حکم میں اسقاط حمل بھی آتا ہے جب چار ماہ کے بعد اسے گرایا جائے کیونکہ اس وقت جنین کی تخلیق مکمل ہوجاتی ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اگر چار ماہ سے قبل اسقاط حمل ہو تو پہلی صورت کی بنسبت گناہ میں تو کم ہوگا لیکن یہ بھی حرام ہے۔ اسی وجہ سے جس نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی تو عورت نے مکمل جنین یا ناقص جنین گرا دیا تو بالاتفاق نابالغ غلام دینا لازم ہوگا۔ جب اس میں انسان کی تخلیق کی صورت پیدا ہوگئی ہو۔ جب وہ نکلے تو مرچکا ہو مگر جب وہ نکلے تو زندہ ہو پھر مر جائے تو اس میں پورے انسان کی دیت لازم ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بنی لحیان کی عورت کے جنین کے بارے میں نابالغ غلام یا باندی کا فیصلہ کیا جبکہ وہ جنین مرگیا تھا۔ متفق علیہ۔(2)

مسئلہ: لونڈی سے عزل کرنا جائز ہے مگر آزاد عورت سے اس کی مرضی کے بغیر عزل کرنا صحیح نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ مخفی زندہ درگور کرنا ہے(3)۔ واذا الموءودۃ سئلت سے بھی یہی مراد ہے۔ جواز کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ہم اس وقت بھی عزل کرتے تھے جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ متفق علیہ۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ نے اس سے منع نہ کیا(4)۔ حضور ﷺ سے ہی ایک روایت یہ مروی ہے لونڈی کے بارے میں اگر تم چاہو تو عزل کر لو جو چیز (روح) مقدر کی جاچکی ہے وہ ضرور آئے گی۔ ایک روایت میں ہے اگر تم ایسا نہ کرو تو تم پر کیا حرج ہے قیامت تک جس روح نے آنا ہے اس نے تو آنا ہے۔ متفق علیہ(5)۔ آزاد عورت کے بارے میں اجازت کی دلیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع کیا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔

قُتِلَتْ کی ضمیر سے مراد زندہ درگور کی جانے والی بچی ہے۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے مبالغہ کے لئے قُتِّلَتْ کو مشدد پڑھا ہے جبکہ جمہور نے مجرد سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

صحف سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں۔ انہیں حساب کے لئے پھیلایا جائے گا یا انہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ نافع، ابن عامر اور عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ نے شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے نشر میں مبالغہ کے لئے یا صحیفوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے یا اڑنے میں شدت کی وجہ سے مشدد پڑھا ہے۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾

1۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1020 (وزارت تعلیم) 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 276 (قدیمی)
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1458 (العلمیہ)

"اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی[1] اور جب جہنم دہکائی جائے گی[2] اور جب جنت قریب کر دی جائے گی[3]"

[1] آسمان کی چمڑی ادھیڑ دی جائے گی اور اسے اتار لیا جائے گا جس طرح مذبوحہ جانور کی جلد اتار لی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ صعق کے نفخہ سے پہلے ہوگا جس سورج کو بے نور کیا جائے گا، ستارے بکھر جائیں گے یا یہ سب اس نفخہ کے وقت ہی ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دو نفخوں کے درمیان ہوگا زمین اور آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔ آسمان کو ایک اور آسمان سے اور زمین کو ایک اور زمین سے بدل دیا جائے گا۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صاحب افصاح نے اخبار میں تطبیق دی ہے۔ فرمایا آسمانوں اور زمین کی تبدیلی دو دفعہ واقع ہوگی ایک صفات کی تبدیلی ہوگی۔ یہ صعق کے نفخہ سے پہلے ہوگی۔ اس وقت ستاروں کو بکھیر دیا جائے گا، سورج اور چاند کو بے نور کر دیا جائے گا، آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا، اسے سروں سے ہٹا دیا جائے گا، پہاڑ چل پڑیں گے، سمندر آگ بن جائیں گے، زمین نشیب و فراز کا شکار ہو جائے گی اور وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ ان کی ہیئت پہلی والی نہ رہے گی۔ پھر دونوں نفخوں کے درمیان آسمان اور زمین کو لپیٹ دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا۔

[2] نافع، حفص اور ابن ذکوان رحہم اللہ تعالیٰ نے عین کی تشدید کے ساتھ سعرت پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے مخفف پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے اسے سخت بھڑکایا جائے گا۔

[3] متقین کے قریب کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾

"(تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے[1] پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی[2] (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے، رک کے رہنے والے تاروں کی[3]"

[1] ہر نفس نے اچھا یا برا جو بھی عمل کیا ہوگا اسے جان لے گا۔ یہ جملہ اذا شرطیہ کا جواب ہے جو اذا الشمس کورت اور اس کے معطوف میں ہے۔ اس زمانہ سے مراد وسیع زمانہ ہے جو نفخہ اولیٰ سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک کے تمام مراحل کو شامل ہے۔

[2] یہاں کلام بھی اسی طرح ہے جس طرح سورۂ قیامت کے آغاز میں ہوئی تھی۔ فاء یہاں اس لئے ذکر کی کیونکہ تقدیر کلام یوں ہے جب ہم نے تم پر قیامت کے بارے میں آیات کو نازل فرمایا تو جان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کوئی جھوٹا کلام نہیں ہے۔

خنس خنوس سے مشتق ہے جس کا معنی لوٹنا ہے۔ جہاں اس کا سفر ختم ہوا تھا اس سے اس جگہ کی طرف واپس لوٹتا ہے جہاں سے اس نے سفر شروع کیا تھا اس سے پانچ ستارے مراد ہیں۔ جنہیں متحیرہ کہتے ہیں۔ اس سے مراد عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ اور زحل ہے کیونکہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ مغرب سے مشرق کی طرف رواں دواں ہیں۔ پھر یہ مغرب کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ کبھی یوں دکھائی دیتے ہیں کہ یہ ساکن ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں متحیرہ کہتے ہیں علم ہیئت کے علماء کے ہاں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ چھوٹے افلاک میں مرتکز ہیں جن افلاک میں خلا نہیں ان افلاک کو تدویرات کہتے ہیں۔ ان تدویرات کی اپنی حرکت بھی ہوتی ہے اور ان کے اوپر والے حصہ کی حرکت اپنے افلاک کے مطابق ہوتی ہے جو مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے اور ان تدویرات کے نیچے والے حصہ کی حرکت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ جب یہ ستارے تدویرات کے بالائی حصہ میں ہوتے ہیں تو حرکت تدویر اور حرکت

فلک کے باہم معاون ہونے کی وجہ سے وہ تیزی سے مشرق کی طرف متحرک نظر آتے ہیں۔ جب وہ ستارے تدویرات کے نچلے حصہ میں ہوتے ہیں تو دو حرکتوں کے مزاحم ہونے یا باہم ایک دوسرے کے مددگار نہ ہونے کی وجہ سے وہ مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی رجوع اور خنوس ہے اور کبھی یہ ساکن دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تمام ستارے فلک میں تیرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے آسمانوں کے پھٹنے اور ملنے سے کوئی امتناع لازم نہیں آتا۔ ان پانچوں متحیرہ ستاروں کی حرکت کبھی مشرق کی طرف ہوتی ہے اور کبھی مغرب کی طرف ہوتی ہے کبھی آہستہ ہوتی ہے اور کبھی تیز ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہو۔ باقی تمام ستاروں کی حرکات ہمیشہ ایک ضابطہ اور طریقہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے خنس سے مراد وہ تمام ستارے ہیں جو رات کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور دن کے وقت چھپ جاتے ہیں(1)۔ اس صورت میں خنوس سے مراد چھپنا ہے۔ یہ رجوع کا لازمی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا خنوس سے مراد اس کا غائب ہونا ہے۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں خنس اور کنس دونوں مترادف ہیں تو پھر تکرار کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔

کے جو افلاک میں چلتے رہتے ہیں۔ کنوس کا معنی یہ ہے کہ خرگوش اور ہرن نے اپنے مکان میں پناہ لے لی یہاں کنس سے مراد غروب ہونے کے وقت چھپ جانا ہے یا جب انہیں نابود کر دیا جائے گا اس وقت ان کا چھپ جانا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کے مکان سے مراد تحت کے نیچے اس کا ٹھکانہ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سورج غروب ہوتا ہے تو کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔(2)

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

"اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے[1] اور صبح کی جب وہ سانس لے[2] کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے[3] جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے[4] (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے[5]"

1۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جب تاریکی کے ساتھ رات آگئی اور یہ بھی معنی کیا کہ جب رات پلٹ گئی۔ یہ اضداد میں سے ہے۔

2۔ اس کے پہلے حصہ کا آغاز ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی روشنی طویل ہوگئی اور بلند ہوگئی۔

3۔ یہ جملہ جواب قسم ہے ضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یہ حضور ﷺ کی طرف سے بنایا گیا کلام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے اسے بھیجا ہے۔ رسول سے مراد جبرئیل امین یا حضور ﷺ کی ذات ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے معزز ہیں۔ کریم یہ رسول کی صفت ہے۔

4۔ اس سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ اس کی قوت یہ ہے کہ اس نے قوم لوط کی بستیوں کو حجر اسود سے اپنے پروں پر اٹھایا آسمان کی طرف لے گئے پھر ان بستیوں کو الٹ دیا۔ حضرت جبرئیل نے قوم ثمود پر ایک چیخ ماری تو انہوں نے مردوں کی حالت میں صبح کی۔ حضرت

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 709 (وزارت تعلیم)

جبرئیل امین آسمان سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمان کی طرف آنکھ جھپکنے میں بلند ہو جاتے ہیں یا اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو لوگوں کو ہدایت دینے اور جذب الی اللہ میں آپ کی قوت کا اندازہ اس چیز سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تقریباً ساڑھے نو سو سال دنیا میں رہے مگر قوم کے بہت تھوڑے افراد ایمان لائے۔ حضور ﷺ اپنی امت میں اعلان نبوت کے بعد تیئس سال تک رہے تو آپ کا دین جہاں بھر میں پھیل گیا لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہوتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ تھے۔ آپ ﷺ نے ساتویں آسمان سے بھی اوپر کی طرف عروج فرمایا جبکہ جبرئیل امین اس سے اوپر نہ جاسکے۔ پھر ایک لحہ سے بھی کم عرصہ میں زمین کی طرف پلٹ آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا مگر کوئی اور اس کی طاقت نہ رکھ سکا جبکہ اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے جاہ و مرتبہ والے ہیں۔ عند ظرف مابعد شبہ فعل کے متعلق ہے۔

ﷺ تمام عالم کے لوگ آپ کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ اس سے بڑھ کر وہ وحی پر امین ہیں۔ ثم ظرف ظاہر میں یہ امین کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مطاع کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ ملاء اعلیٰ میں اطاعت کئے گئے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فرشتوں نے جبرئیل امین کی اطاعت کی کیونکہ فرشتوں نے جبرئیل امین کے کہنے پر حضور کے لئے معراج کی رات آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور جنت کے خازنوں نے جنت کے دروازے کھول دیئے۔

میں کہتا ہوں یہ بعینہٖ حضور ﷺ کے لئے بھی اطاعت ہے۔ اطاعت سے یہ مراد لینا بھی صحیح ہے کہ پہلے احکام الٰہیہ آپ (جبرئیل امین) پر نازل ہوتے۔ پھر آپ کے واسطہ سے دوسرے فرشتوں تک احکام پہنچائے جاتے۔ نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی امر کے بارے میں وحی کا ارادہ کرتا تو وحی سے تکلم فرماتا تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے آسمانوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا جب آسمان کے مکین اسے سنتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے سب سے پہلے فرشتوں میں سے جبرئیل امین سر اٹھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ کیا ہوتا وہ جبرئیل کی طرف وحی کرتا۔ پھر جبرئیل امین کا گزر فرشتوں کے پاس سے ہوتا جس آسمان کے پاس سے بھی گزرتے تو ملائکہ ان سے پوچھتے اے جبرئیل ہمارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے تو جبرئیل امین کہتے اس نے حق فرمایا وہی بلند شان والا ہے تو جو بات جبرئیل امین کہتے وہی سب فرشتے کہتے (1)۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جبرئیل امین مطاع ہیں۔ جہاں تک حضور ﷺ کے فرشتوں میں مطاع ہونے کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اہل تحقیق کے نزدیک حقیقت محمدیہ ہی وجود کے فیوض اور قرب کے مراتب کے لئے تعین اول ہے۔ ان مراتب میں سے ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور حقیقت محمدیہ کے واسطہ کے بغیر کسی تک کوئی وحی نہیں پہنچتی۔ یہ کشفی امر ہے۔ نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور حضور ﷺ کا ارشاد آسمان میں میرے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین میں میرے دو وزیر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم ہیں تو اس اعتبار سے جبرئیل امین بدرجہ اولیٰ مطاع ہوئے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾

"اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔ اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب

1۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 213 (الفکر)

عتاب نے میں ذرا بخل نہیں ہے اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے"

لے صاحب سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اس کا عطف انہ لقول رسول کریم پر ہے۔ یہ بھی جواب قسم ہے اگر سابقہ کلام میں رسولوں سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو تو اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ اس لئے رکھا تا کہ اس بات پر آگاہی ہو کہ اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال تک آپ سے کمال عقل کا ہی ظہور ہوا ہے۔ اس لئے ان پر جنون کی تہمت لگانا محض بہتان ہے یا اس کلام میں کافروں کے قول کا رد ہے جو یہ کہتے اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ۔

ے رأی کی ضمیر مرفوع صاحبکم کی طرف لوٹ رہی ہے اور منصوب ضمیر یا تو ذی العرش کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں بالافق المبین ظرف مستقر ہوگی اور ضمیر مرفوع سے حال ہوگی۔ معنی یہ ہوگا کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جب حضور ﷺ عالم کے افق پر تھے تا افق ساتوں آسمانوں کی انتہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے معراج کے قصہ میں حضرت شریک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رب العزت قریب ہوا، وہ مزید قریب ہوا یہاں تک کہ قاب قوسین یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے اور اس قول کے قائلین نے باہم اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا آپ ﷺ کی آنکھ آپ کے دل میں رکھ دی گئی تو آپ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کے بارے میں کہا آپ نے دو دفعہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا(1)۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ یہ حضرت انس، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا اور حضور ﷺ کو دیدار کے لئے منتخب کیا(2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا آپ نے جواب دیا وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھتا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ (اس حدیث کے الفاظ میں شارحین نے اختلاف کیا ہے۔ اس لئے ایک معنی یہ یا وہ نور ہے میں اسے دیکھتا ہوں و اللہ اعلم بالصواب)

میں کہتا ہوں کہ افق مبین اور افق اعلیٰ سے مراد سالکوں کا انتہائی درجہ ہو، عابدیت کی حقیقت کی انتہا، حقیقت احمدیت ہے جسے خالص محبوبیت کے درجہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے آگے لاتعین کا مرتبہ ہے۔ لاتعین کے مرتبہ میں سیر اور سلوک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مرتبہ علیا میں صرف سیر نظری ہو سکتی ہے اتنی ہی بات کافی ہے۔ یہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ ضمیر منصوب رسول کریم کی طرف راجع ہے اور رسول سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا افق مبین سے مراد افق اعلیٰ ہے جو مشرقی جانب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین سے کہا میں تجھے اس صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں جس صورت میں تو آسمانوں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 98 (قدیمی) 2۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 629 (العلمیہ) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 99 (قدیمی)

میں تھا تو جبرئیل امین نے کہا آپ ایسا نہ کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا میں کیوں نہ دیکھ سکوں۔ جبرئیل امین نے پوچھا پھر آپ کہاں چاہتے ہیں کہ میں اس صورت میں آپ کے سامنے آؤں فرمایا ابطح میں۔ عرض کی میں ابطح میں نہیں سما سکتا۔ فرمایا منیٰ میں۔ عرض کی میں اس میں بھی نہیں سما سکتا۔ فرمایا عرفات میں۔ عرض کی میں اس میں بھی نہیں سما سکتا۔ فرمایا حراء میں۔ عرض کی اگر اس کی اطراف وسیع ہو جائیں۔ حضور ﷺ وقت مقررہ پر تشریف لائے تو جبرئیل امین موجود تھے۔ وہ عرفات کے پہاڑوں کی جانب سے اسلحہ کی جھنکار اور زوردار آواز کے ساتھ نمودار ہوئے۔ انہوں نے مشرق و مغرب کو بھر دیا تھا۔ ان کا سر آسمان میں اور پاؤں زمین میں تھے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ پر دہشت طاری ہو گئی اور بے ہوش کر زمین پر گر گئے۔ جبرئیل امین نے اپنی صورت بدل لی اور آپ ﷺ کو سینے سے لگا لیا اور کہا اے محمد ﷺ آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ اگر آپ اسرافیل کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا کیا حال ہوتا۔ ان کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں ساتویں زمین میں ہے۔ عرش ان کے کندھے پر ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ اتنے سمٹ جاتے ہیں کہ وہ چڑیا جتنے ہو جاتے ہیں اس وقت تیرے رب کے عرش کو اس کی عظمت ہی اٹھائے ہوتی ہے۔ یہی قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا اس نے جھوٹ بولا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتی ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمان ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ۔

اس باب میں زیادہ مناسب ان لوگوں کا قول ہے جو دیدار الٰہی کے اثبات کا قول کرتے ہیں۔ ان کا قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لا تدرکہ الابصار یہ آخرت میں دیدار الٰہی کی نفی نہیں کرتا۔ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اسی طرح جب معراج کی رات حضور ﷺ دنیا کی حدود سے نکل گئے، جنت اور جہنم کو دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جبرئیل امین کو دیکھنے کا جو واقعہ ذکر کیا ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت سے مراد بھی وہی قصہ ہے۔ یہ کیسے مراد ہو سکتا ہے جب یہ آیت حضور ﷺ کی عظمت، آپ کے کمال کے بیان کے لئے چلائی گئی۔ جہاں تک جبرئیل کا تعلق ہے وہ تو بالاجماع نبی کریم ﷺ سے مفضول ہیں تو اس کا دیدار حضور ﷺ کی فضیلت کیسے بن سکتا ہے یہ معنی کیسے لیا جا سکتا ہے جبکہ عند ذی العرش مکین یہ حضور ﷺ کے کمال قرب پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر مقام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ جبرئیل امین کی رؤیت نہیں اگر ذی العرش مکین جبرئیل کی صفت ہو اور جبرئیل امین کی رؤیت حضور ﷺ کی صفت ہو تو فضیلت میں معاملہ الٹ ہو جائے گا۔

۱؎ حضور ﷺ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی تبلیغ کرنے میں وہ بخیل نہیں۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ظنین ظاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ ان پر اس بارے میں تہمت نہیں لگائی جاتی جبکہ باقی قراء نے اسے ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲؎ یہ قرآن شیطان رجیم کا قول نہیں۔ یہ نہیں کہ شیطان نے اسے چوری چھپے سنا ہو پھر اپنے کاہن دوست پر القاء کر دیا۔ ہو یہ کفار کے اس قول کا رد ہے۔ انه كاهن یہ جملہ اور سابقہ جملے اپنے معطوفات سے مل کر جواب قسم ہیں۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾

"پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لئے ۔ (لیکن ہدایت وہی

سورۃ الانفطار

اٰیاتہا ۱۹ سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ ۸۲ رکوعہا ۱

سورۃ الانفطار مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾

"جب آسمان پھٹ جائے گا[1] اور جب ستارے بکھر جائیں گے[2] اور جب سمندر بہنے لگیں گے[3] اور جب قبریں زیروزبر کر دی جائیں گی[4] (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا[5]"

[1] جب آسمان پھٹ جائے گا۔

[2] جب ستارے الگ الگ ہو کر گر پڑیں گے۔

[3] جب سمندروں میں سے بعض کو بعض کی طرف کھول دیا جائے گا۔ میٹھا سمندر نمکین سمندر میں مل جائے گا تو تمام سمندر ایک سمندر ہو جائیں گے۔

[4] جب قبروں کی مٹی الٹ دی جائے گی اور مردوں کو نکال لیا جائے گا۔

[5] یہ جملہ اذا کا جواب ہے۔ یہ بعینہٖ اسی کی مثل ہے جو اذا الشمس کورت میں گزرا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد جو اس نے اچھا یا برا عمل کیا اور ما اخرت سے مراد جو اس نے اچھی یا بری سنت چھوڑی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ما قدمت سے مراد جو اس نے عمل کیا اور ما اخرت سے مراد جو اس نے عمل چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ماقدمت سے مراد اس کے صدقات ہیں اور ما اخرت سے مراد اس کی زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ معنی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو آخرت پر مقدم کیا یا آخرت کو دنیا پر مقدم کیا۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں گزری ہے یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۙ﴿۷﴾ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾

"اے انسان کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں[1] جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے

کرلے۔ اس عورت نے کہا اے قاضی اگر حجاب اور حیاء مانع نہ ہوتا تو میں تیرے لئے حسن کو ظاہر کرتی اور تجھ سے پوچھتی کہ جس کی بیوی اتنی خوبصورت ہو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف متوجہ ہو۔ یک صاحب دل نے اس عورت کی بات سنی تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش کر زمین پر گر گیا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو اس نے کہا میں نے ہاتف غیبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کیا تو نے اس عورت کی بات نہیں سنی اگر کبریائی اور عظمت کا حجاب نہ ہوتا تو میں اپنا جلال اور جمال ظاہر کرتا جس کا سامنا کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہوتی اور میں تجھ سے پوچھتا کون ہے جو مجھ جیسی ذات سے غافل ہوا، کیا مجھے چھوڑ کر کسی اور میں مصروف ہونا جائز ہے۔ میری مثل کون ہوسکتا ہے، میری مثل کہاں ہوسکتا ہے؟ میرا جیسا کوئی نہیں تو مجھے تلاش کر مجھے پالے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب بندہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو کس کی طرف متوجہ ہوتا ہے؟ مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف متوجہ ہو۔ جب دوبارہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا ہے۔ جب وہ تیسری دفعہ متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے توجہ ہٹا لیتا ہے(1)۔ اسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

ے تمہیں منی پھر نطفہ سے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا اور تجھے مکمل انسان بنا دیا۔ تسویہ سے مراد اعضاء کو سالم اور منافع کے قابل بنانا ہے۔ کوفیوں نے عدلک کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی جیسی صورت میں چاہا تجھے پھیر دیا یا تیری تخلیق کو دوسروں کی تخلیق سے مختلف بنایا یہاں تک کہ تو ممتاز ہو گیا اور تمام حیوانات سے تو الگ تھلگ ہو گیا یا بعض اجزاء کی طبیعت کو دوسرے اجزاء کی طبیعت کی طرف پھیر دیا یعنی صفراء کی گرمی اور خشکی کو بلغم کی ٹھنڈک اور اس کی تری سے توڑ دیا اور اسی طرح اس کے برعکس کیا سوداء کی خشکی اور ٹھنڈک کو خون کی رطوبت اور حرارت سے توڑ دیا یہاں تک کہ ان میں اعتدال پیدا ہو گیا اور تو مزاج کے اعتبار سے معتدل حیوان گیا جبکہ باقی قراء نے عدلک کو مشدد پڑھا ہے، یعنی تیرے جسم کو متناسب اعضاء والا بنایا تو ان کے اندر اپنے فرائض کی بجا آوری کی استعداد پیدا ہو گئی۔

ے اس میں ما زائدہ ہے جو نکرہ کی تاکید کے لئے ہے اور نکرہ کثرت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ ماشاء یہ صورۃ کی صفت ہے۔ مجاہد، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ماں، باپ، خالو اور چچا جس کی شبیہ چاہی اس پر اسے پیدا کیا۔ حدیث میں ہے نطفہ جب رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے تو اس سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک صورتوں کو حاضر کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فی ای صورۃ ماشاء رکبک کی تلاوت کی(2)۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ موسیٰ بن علی بن رباح سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی ای صورۃ یا تو یہ رکبک کے متعلق ہے۔ یا یہ ظرف مستقر ہے اور رکبک کے مفعول سے حال ہے۔ اس میں شرط اور جزاء کے معنی موجود ہیں۔ یہ جملہ عدلک کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے اسم موصول کو صلہ کے ساتھ اس پر عطف نہیں کیا۔ یا یہ ربک کی ایک اور صفت ہے جو صفت ربوبیت کو ثابت کرتی ہے اور کرم کی وضاحت کرتی ہے اور اس بات پر آگاہ کرتی ہے کہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ دوسری دفعہ بھی اس پر قادر ہے۔ نیز ان کے کرم سے دھوکہ کھانے اور ناشکری کرنے پر جو ناپسندیدگی کا اظہار کیا

1۔ مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 232 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

"داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکیں گے۔[1] اور آپ کو کیا علم کہ روز جزاء کیا ہے[2] پھر آپ کو کیا علم کہ روز جزاء کیا ہے[3] (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا[4]"

[1] وہ روز جزاء کو جہنم میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے کی وجہ سے جہنم سے غائب نہ ہوں گے۔ هم ضمیر بعض فجار کے لئے ہے جس سے مراد کفار ہیں۔ یا فجار سے مراد کفار ہیں۔ عنها میں ھا ضمیر سے مراد جہنم ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہوگا وہ اس سے پہلے بھی جہنم سے غائب نہ تھے یا وہ اس کی زہریلی ہوا قبروں میں بھی پاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنتیوں والا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جہنمی ہوتا ہے تو جہنمیوں والا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اٹھائے گا۔ متفق علیہ (1)۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے قبر میں کافر کی حالت کا ذکر کیا کہ اس سے اس کے دین کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ھاہ ھاہ میں نہیں جانتا تو آسمان سے ندا کی جاتی ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے، اس کا بستر جہنم میں لگا دو، اسے جہنم کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دو۔ (2)

[2] آیت میں استفہام تعجب اور توبیخ کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ دن عظیم مصیبت اور شدید تختی کا ہوگا تم اس کی عظمت اور شدت کو نہیں جان سکتے کیونکہ کوئی بھی اپنی عقل سے اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔

[3] جہنم کی عظمت شان کی تاکید بیان کی جارہی ہے۔

[4] ابن کثیر، ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے یوم کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ما یوم الدین کے یوم سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے مبتدا ھو ہے جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ یصلونھا یوم الدین سے بدل ہے۔ یا یہ کلام محذوف کے متعلق ہے جو یجزی یا اذکر ہے۔ یا یہ مبنی بر فتحہ ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اور یہ محل رفع میں ہوگا۔ کوئی نفس بھی کافر نفس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس دن معاملہ محض اللہ کے قبضہ میں ہوگا۔ دنیا میں جس طرح لوگ چیزوں کے مالک تھے اس روز اس طرح کوئی مالک نہ ہوگا۔ جہاں تک مومنوں کو شفاعت کے اذن کا تعلق ہے یہ تملیک نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن معاملہ ظاہر و باہر ہوگا اور ہر کوئی جان لے گا کہ امر اسی کا ہے جبکہ اہل بصیرت پہلے بھی یہی جانتے تھے کہ دنیا میں بھی حقیقت میں امر اس کا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 385 (قدیمی) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 306 (امدادیہ)

؎ ضمیر منصوب الناس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی یہ ہوگا جب وہ لوگوں کے لئے کیل اور وزن کریں۔ یہاں حرف جار لام کو حذف کر دیا گیا اور فعل کے عمل کو براہ راست مفعول تک پہنچا دیا گیا۔ ایک تقدیر یہ بھی ذکر کی گئی کالوا مکیلھم یعنی مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ یہاں ضمیر منفصل کے ساتھ ضمیر متصل کی تاکید نہیں لگائی گئی کیونکہ کلام کا مقصود یہ ہے کہ لینے اور دینے میں ان کی حالت کے اختلاف کو ذکر کیا جائے نہ کہ یہ مقصود ہے۔ جب وہ خود عمل کریں اور خود عمل نہ کریں تو ان کی حالت کے اختلاف کو ذکر کرنا ہے۔ کتابت کا اسلوب بھی اس تاویل کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ تقاضا ہوگا کہ درمیان میں واؤ جمع کے بعد الف ہو۔

؎ جب وہ دوسرے کے لئے کیل اور وزن کرتے ہیں تو کمی کرتے ہیں۔ عرب یہ کہتے ہیں خسر المیزان و اخسرہ یعنی مزید فیہ متعدی استعمال ہوتا ہے۔ اس عمل کو تطفیف اس لئے کہتے ہیں کیونکہ کیل اور وزن میں جو کمی کی جاتی ہے وہ حقیر ہوتی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تھوڑی سی چیز کی بھی کمی ہلاکت اور عذاب کا سبب بنتی ہے تو زیادہ کی کمی تو بدرجہ اولیٰ عذاب کا سبب بنے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا پانچ مصیبتیں پانچ اعمال کی وجہ سے لازم ہوں گی جو قوم بدعہدی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلے کرے اللہ تعالیٰ ان میں فقر کو عام کر دیتا ہے۔ جب قوم میں بے حیائی عام ہو جائے تو ان میں موت عام ہو جاتی ہے۔ جب کوئی قوم کیل میں کمی کرتی ہے تو ان سے نباتات کو روک لیا جاتا ہے اور خشک سالی آلیتی ہے۔ جب وہ زکوۃ دینا چھوڑتی ہے تو ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے (1)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بریدہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی قوم میں خیانت ظاہر نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے۔ کسی قوم میں سود عام نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ ان میں موت کو عام کر دیتا ہے۔ کوئی قوم کیل اور وزن میں کمی نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان سے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ کوئی قوم ناحق فیصلے نہیں کرتی مگر ان میں قتل و غارت عام ہو جاتا ہے اور کوئی قوم بدعہدی نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے (2)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موقوف روایت نقل کی ہے۔ ختر کا معنی دھوکہ دینا ہے۔ میں کہتا ہوں رزق کا انقطاع کبھی تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اسے فقیر بنا دیا جاتا ہے وہ کسی چیز پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس سے رزق روکنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قادر ہونے کے باوجود وہ اسے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس طرح ہمارے ملک میں بنئے ہندوؤں کا حال ہوتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سامان بیچنے والے کے پاس سے گزرتے فرماتے اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیل اور وزن پورا رکھو کم تولنے والوں کو قیامت کے روز یوں ٹھہرایا جائے گا کہ پسینہ ان کی لگام بنا ہوگا اور نصف کانوں تک پہنچ رہا ہوگا۔

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ﴿۴﴾ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ﴿۵﴾ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ﴿۶﴾

''کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ؎ ایک بڑے دن کے لئے ؎ جس دن لوگ (جواب دہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے ؎''

؎ یقین کی جگہ ظن کا لفظ ذکر کیا مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جو آدمی اس بات کا گمان رکھتا ہے اسے بھی نہیں چاہئے کہ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 203 (الفکر) 2۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 459 (وزارت تعلیم)

ان عیوب کے اسباب کا ارتکاب کرے۔ جو اس کا یقین رکھتا ہے اسے یہ کیسے زیبا ہو سکتا ہے۔ اس میں استفہام انکاری ہے اور اس میں حالت پر تعجب کا اظہار ہے اور ان کے لئے توبیخ ہے۔ اولٰئک اسم اشارہ سے مراد کم تولنے والے ہیں۔ یہ اسم اشارہ یظن کا پہلا مفعول ہے۔ انھم مبعوثون یہ جملہ یظن کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ یہ مبعوثون کے متعلق ہے اور علت بیان کر رہا ہے۔ یعنی انہیں یوم عظیم کے حساب کے لئے اٹھایا جائے گا۔ یہ لام فی کے معنی میں ہے۔ یوم عظیم سے مراد یوم قیامت ہے۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہوں گے اس لئے عظیم کے ساتھ اس کی صفت ذکر کی۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تمہارے سامنے ایسی قومیں آئی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی سنگریزوں کے برابر بھی خرچ کرتا تو اسے ڈر رہتا کہ وہ اس عظیم دن سے نجات نہ پا سکے گا۔

یَّوۡمَ جس روز لوگ اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور جزاء کے لئے قبروں سے اٹھیں گے۔ یوم کا لفظ مبعوثون کی ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یا یہ یوم عظیم سے بدل ہے مگر اس صورت میں اس پر فتحہ اس وجہ سے ہے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حساب کے لئے کھڑے ہوں گے جبکہ ان کا پسینہ ان کے کانوں کے نصف تک پہنچا ہو گا(1) متفق علیہ۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو پسینہ آئے گا یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر باع تک چلا جائے گا اور یہی پسینہ ان کی لگام بن رہا ہو گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچے گا(2)۔ طبرانی، ابویعلیٰ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز کافر کو پسینہ کی لگام دی جائے گی یہاں تک کہ وہ کہے گا اے میرے رب مجھے راحت پہنچا اگرچہ جہنم میں ہی ڈال دے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کو موقف میں پسینے کی لگام دی جائے گی یہاں تک وہ کہے گا اے میرے رب تیرا مجھے جہنم میں بھیج دینا میرے لئے اس مصیبت سے زیادہ آسان ہے جبکہ اسے علم ہو گا کہ جہنم میں کتنی شدت کا سامنا کرنا ہو گا(3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان یوم یقوم الناس لرب العلمین کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ کعب الاحبار کہا کرتے تھے کہ لوگ تین سو سال تک وہاں کھڑے رہیں گے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا قیامت کے روز سورج مخلوق کے قریب ہو گا یہاں تک کہ وہ ایک میل کی مقدار تک پہنچ جائے گا۔ سلیم بن عامر نے کہا اللہ کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں۔ یہاں میل سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد زمین کی مسافت ہے یا سرمہ لگانے والی سلائی۔ لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ ان میں سے کچھ ٹخنوں تک پسینے میں ہوں گے، کچھ گھٹنوں تک، کچھ کمر تک پسینے میں ہوں گے اور بعض کو پسینے کی لگام دی جائے گی۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا(4)۔ امام احمد، طبرانی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام احمد اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہما نے ابو امامہ باہلی سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی گرمی میں اتنا اتنا اضافہ کیا جائے گا [illegible]

1۔ [illegible] زیر آیت ہذا
2۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 357 (التراث الاسلامی)
3۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 409 (الفکر)
4۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا

کھوپڑی یوں جوش مارے گی جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے مرفوع روایت ذکر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا ہے اس نے موت سے سخت چیز سے ملاقات نہیں کی جبکہ یہ بعد والے مراحل سے بہت آسان ہے (1)۔ لوگ اس دن کی ہولناکی کو پائیں گے یہاں تک کہ انہیں (پسینے کی) لگامیں دی جائیں گی۔ اگر لوگوں کے پسینے میں کشتیاں چلائی جائیں گی تو وہ ضرور چل پڑیں گی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس دن کی مصیبت بہت سخت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو حساب سے پہلے پسینے کے ساتھ لگام دی جائے گی۔ ان سے کہا گیا مومن کہاں ہوں گے تو جواب دیا وہ سونے کی کرسیوں پر ہوں گے اور بادل ان پر سایہ فگن ہوں گے۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مومنوں پر یہ دن دن کے ایک پہر جتنا طویل ہوگا۔ ہناد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمان سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز سورج مخلوقات کے سروں کے قریب ہوگا وہ قاب قوسین جتنا ہوگا۔ اور دس سال کی گرمی دے رہا ہوگا اس روز لوگوں کے جسموں پر کوئی پردہ نہ ہوگا، کسی مومن مرد اور مومن عورت کی شرمگاہ دکھائی نہ دے گی۔ مومن مرد اور مومن عورت اس کی گرمی کو نہ پائے گا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ انہیں خود پکائے گی یہاں تک کہ ان کے پیٹوں سے عق عق کی آواز سنائی دے گی۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍؕ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌؕ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌؕ ۝

"یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ہے"

ل کلا کا لفظ کلی میں کمی کرنے سے جھڑ کنے کے لئے ہے اور بذات خود مکمل کلام ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا جب کلا کا لفظ مابعد کلام کے ساتھ متصل ہو تو یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے۔ کتاب الفجار سے مراد ان کے اعمال کے صحیفے ہیں جنہیں کراما کاتبین نے لکھا اور فجار سے مراد کفار ہیں۔ سجین یہ سجن سے مشتق ہے جس کا معنی قید کرنا ہے۔ قاموس میں ہے سجین جس کا وزن سکین ہے۔ اس کا معنی دائمی سخت قید ہے۔ اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجن سے فِعّیل کے وزن پر ہے جس طرح فسیق اور شریب ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سخت قید میں ہوں گے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ وہ خست اور گمراہی میں ہوں گے (2) کیونکہ کفار کی کتابوں میں جو کچھ ہے وہ کفار کی قید، ذلت اور گمراہی کا سبب ہے کتاب کی طرف نسبت مجازا ہے۔ احادیث اور آثار کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ سجین جگہ کا نام ہے جس میں فاجروں کی کتاب ہوگی۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ اسی جگہ میں کتاب کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کے صحیفے وہاں رکھے جائیں گے یا وہاں ایک ایسی کتاب ہوگی جو جن و انسان میں سے فاجروں کے نامہ اعمال کو جامع ہوگی۔ اس جگہ کو سجین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کفار کی روحوں کو قید کیا جائے گا۔ وہ جگہ ساتویں زمین ہے یا وہ ساتویں زمین کے نیچے جگہ ہے۔ ابن مندہ، طبرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حمزہ بن حبیب سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مومن روحوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ سبز پرندوں میں ہوں گی جو جنت میں جہاں جائیں گے گھومتے رہیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کفار کی روحیں کہاں ہوں گی؟ فرمایا وہ سجین میں محبوس ہوں گی۔ ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 59 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سے اور انہوں نے سلمان سے روایت نقل کی ہے کہ کافر کا نفس سجین میں ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمرو، قتادہ، مجاہد اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا سجین سے مراد ساتویں زمین ہے جس میں کفار کی روحیں ہوں گی(1)۔ میں نے کہا ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سجین ساتوں زمینوں میں سے سب سے نچلی زمین میں ہے اور علیین سب سے اوپر والے آسمان میں ہے جو عرش کے نیچے ہے(2)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل مرفوع حدیث ہے جس میں مومنوں اور کفار کی موت کا ذکر ہے۔ کفار کی موت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی کتاب سب سے نچلی زمین میں سجین میں رکھو۔ تو اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شمر بن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب الاحبار کے پاس آئے، پوچھا مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان ان کتاب الفجار لفی سجین کے بارے میں بتاؤ تو کعب الاحبار نے جواب دیا کہ فاجر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہے آسمان اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ پھر اسے زمین کی طرف اتارا جاتا ہے تو زمین اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ تو اسے ساتوں زمینوں سے نیچے داخل کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سجین تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ابلیس کے لشکروں کی جگہ ہے۔ ابلیس کے لشکروں کے نیچے سے سجین سے ایک ورق نکالا جاتا ہے اس پر لکھا جاتا ہے۔ اور مہر لگائی جاتی ہے اور ابلیس کے لشکروں کے نیچے سے رکھ دیا جاتا ہے چونکہ قیامت کے روز اس کی ہلاکت معلوم و معروف ہے۔(3)

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ساتویں زمین کے نیچے ایک سبز چٹان ہے۔ آسمان کی سبزی اسی چٹان کی وجہ سے ہے۔ فجار کی کتاب اس کے نیچے رکھی جاتی ہے۔ ابن جریج نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ سجین سب سے نچلی زمین کے نیچے ایک چٹان ہے۔ سے اٹھایا جاتا ہے اور فجار کی کتاب اس میں رکھی جاتی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے فلق جہنم کا ایک گڑھا ہے جس کو ڈھانپا گیا ہے۔ سجین بھی جہنم میں ایک گڑھا ہے جسے کھلا رکھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں ان دونوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور وہ جہنم میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے العظمۃ میں ذکر کیا اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزعراء کے واسطے سے انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے اور جہنم ساتویں زمین میں ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور جہنم زمین میں ہے۔ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے روز جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا ساتویں زمین سے اسے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی۔ ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ جب وہ بندوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر ہوگی تو وہ ایک سانس لے گی تو کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل نہیں بچے گا مگر وہ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جائے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب مجھے بچا، اے میرے رب مجھے بچا۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً

۲؎ استفہامیہ انداز اس کی عظمت بیان کرنے اور ہولنا کی بیان کرنے کے لئے ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے یہ وہ چیز نہیں جسے تم اور تیری قوم جانتی ہے۔(1)

۳؎ ان کے اعمال اس میں چھپا دیئے گئے ہیں۔ وہ یوں ثبت ہیں جیسے کپڑے میں نقش ہوتے ہیں، نہ انہیں بھلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مٹایا جا سکتا ہے یہاں تک کہ انہیں اس کی جزا دی جائے گی یا اس کا معنی ہے وہ جانے پہچانے ہیں، جو بھی اسے دیکھے گا اسے پہچان لے گا کہ اس میں کوئی خیر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حمیر کی لغت میں اس کا معنی ہے کہ اس پر مہر لگا دی گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجین کی تفسیر نہیں بلکہ یہ اس مذکورہ کتاب کا بیان ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سجین کا بیان ہے۔ اس کتاب کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ قید کرنے کا سبب ہے اور کہا یہ کتاب سجین کا ظرف ہے کیونکہ یہ جن وانس میں سے جو فاجر ہیں ان کی کتابوں کو جامع ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سجین میں کفار کی روحوں اور ان کے اعمال کے صحیفے رکھے جائیں گے۔ کلام میں مضاف محذوف ہے یا تو یہ حذف ما سجین میں ہوگا، یعنی اصل کلام یوں تھی ما کتاب سجین یا کتاب مرقوم میں حذف ہوگا، یعنی اصل کلام یوں تھی محل کتاب مرقوم۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾

"تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ۱؎ جو جھٹلاتے ہیں روز جزاء کو ۲؎"

۱؎ جو حق کو جھٹلاتے تھے اس روز ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے۔

۲؎ یہ المکذبین کی صفت موضحہ ہے یا صفت ذامہ ہے یا صفت مخصصہ ہے یا المکذبین سے بدل ہے۔ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ کا جملہ جملہ معترضہ ہے مقصود مذمت بیان کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ مرقوم محل رفع میں ہونے کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ معنی یہ ہوگا اس میں ہلاکت لکھی گئی ہے یا یہ الکتاب کی صفت ہے، یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو ویل کا باعث ہے جبکہ پہلی تاویل لفظ کے اعتبار سے اور دوسری معنی کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کتاب مرقوم ہونا یہ فاجروں کی کتاب کے خصائص میں سے نہیں بلکہ کتاب الابرار کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ اس کا ما سجین کا جواب ہونا بھی صحیح ہے۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾

"اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے ۱؎ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۲؎"

۱؎ بہ میں ضمیر سے مراد روز جزاء ہے۔ مُعْتَدٍ سے مراد جہالت میں حد سے تجاوز کرنے والے اور جاہل آباء کی تقلید کرنے والے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دوبارہ اٹھانے کی قدرت کا انکار کیا اور وہ شہوات میں منہمک ہیں۔ اس چیز نے اسے دوسری چیزوں سے غافل کر دیا اور ماسوی کے انکار پر اسے برانگیختہ کیا۔

۲؎ آیات سے مراد قرآن ہے اس نے اپنی جہالت کی زیادتی اور اس کے معجز ہونے سے غافل ہونے کی وجہ سے یہ کہا یا اپنے کندذہن

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

ہونے اور حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے بطور سرکشی یہ کہا کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

اساطیر الاولین یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھی ہے۔ اساطیر اسطور اسطار یا اسطر کی جمع ہے جس کا معنی ایسی باتیں ہیں جن میں کوئی نظم وضبط نہ ہو۔ قاموس میں اسی طرح ہے صراح میں اس کا معنی ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جسے جھوٹ سے لکھا گیا ہو۔ یہ جملہ شرطیہ معتد کی صفت کے بعد صفت ہے۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اسے دلائل عقلیہ اور دلائل نقلیہ میں سے کوئی چیز بھی نفع نہ دے گی اور ما یکذب به والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

"ہرگز نہیں، درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا یہی وہ (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

یعنی آیات کو جھٹلانے اور جو بات انہوں نے کی تھی اس پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بل جھڑکنے سے اضراب کے لئے ہے، یعنی حق قبول کرنے اور اسے باطل سے ممتاز کرنے کے لئے ان کے دلوں میں صلاحیت کی نفی کو بیان کرتا ہے۔ حفص نے بل پر سکتہ کیا ہے جبکہ دوسرے قراء نے اس (راء) میں ادغام کیا ہے۔ ابوبکر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے راء کے فتحہ کے ساتھ جبکہ باقی قراء نے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ رین کا معنی غلبہ ہے۔ ران الخمر علی قلبه جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب نشہ اس کے دل پر غالب آجائے۔ اس کا معنی یہ ہوگا جو نافرمانیاں وہ کرتے رہتے ہیں ان کے باعث ان کے دلوں پر تاریکیوں کا غلبہ ہو چکا ہے یہاں تک کہ ان کے دل حق اور باطل میں امتیاز کرنے سے عاجز آگئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے، ندامت کا اظہار کرے اور استغفار کرے تو اس وجہ سے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ گناہوں میں اضافہ کرے تو اس کے نقطوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے دل پر غالب آجاتے ہیں۔ یہی وہ رین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ میں فرمایا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح نقل کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز اسے امام نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ بعض روایات میں الفاظ مختلف ہیں۔ مومن کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کے دل کی سیاہی بہت زیادہ ہوگی۔

یعنی گناہ کرنے سے جھڑکنے کے لئے ہے جو اس زنگ کا باعث ہیں یا یہ حقاً کے معنی میں ہے جو اس زنگ کو ثابت کرتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کریں گے۔

قیامت کے روز جب مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اس دن کفار کو ان کے گناہوں کی تاریکیوں کی وجہ سے رب کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا اور وہ اپنے رب کا دیدار نہ کریں گے جس طرح وہ دنیا میں حق و باطل میں فرق نہیں دیکھ سکتے تھے۔ حضرت حسن

بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اگر زاہدوں اور عابدوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے رب کا دیدار نہیں کریں گے تو وہ دنیا میں مر جائیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جب اس کے دشمنوں کو دیدار سے روک دیا جائے گا اور وہ اسے نہیں دیکھیں گے تو وہ اپنے دوستوں کے لئے ظاہر ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت میں یہ دلالت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اپنے رب کا دیدار کریں گے۔(1)

۲؎ انہیں ایک طرف دیدار الٰہی سے محروم رکھا جائے گا تو دوسری طرف انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

۳؎ پھر جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یہ وہی عذاب ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّیُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

"یہ حق ہے نیکو کاروں کا صحیفۂ عمل علیین میں ہوگا ۱؎ اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے ۲؎ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ۳؎ (حفاظت کے لئے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین ۳؎"

۱؎ یہ پہلے کلّا ہی کا تکرار ہے تاکہ اس کے بعد ابرار کے وعدے کو ذکر کیا جائے جس طرح پہلے کلا کے بعد فجار کی وعید کو ذکر کیا گیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ کم تولنا فجور ہے جس طرح پورا تولنا نیکی ہے یا یہ عذاب کو جھٹلانے پر جھڑکنے کے لئے ہے یا یہ حقا کے معنی میں ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے جس عذاب میں وہ داخل ہوگا اس پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔(2)

علیین کے متعلق بعض علماء نے کہا اس سے شرف کے بعد شرف مراد ہے۔ اسی وجہ سے اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ ذکر کی۔ فراء نے کہا یہ جمع کے وزن پر ایک جگہ کا نام ہے۔ لفظوں میں اس کا واحد نہیں جس طرح عشرین۔ بعض محققین نے کہا یہ عِلّی کی جمع ہے جو علو سے فعیل کے وزن پر ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث گزر چکی ہے کہ علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان میں ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے جس میں مومنوں اور کفار کی موت کا ذکر ہے کہ مومن کا نفس بلندی کی طرف لے جایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک جا پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد، حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علیین سبز زبرجد کی تختی ہے جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہے نیک لوگوں کے اعمال اس میں لکھے ہوتے ہیں(3)۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا یہ وہ کتاب ہے جو فرشتوں اور جن وانس کے مومنوں کے اچھے عمل کو اپنے اندر جمع کئے ہوتی ہے۔ کعب اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ عرش کا دایاں پایہ ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس سے مراد جنت ہے عطاء اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد سدرۃ المنتھی ہے۔(4)

۲؎ کتٰب مرقوم میں وہی گفتگو ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

۳؎ یہ جملہ کتٰب کی صفت ہے جس طرح ویل یومئذ للمکذبین وہاں اسی لفظ کی صفت تھی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقربین سے مراد فرشتے لئے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے انبیاء، صدیقین اور شہداء کی ارواح بھی مراد ہیں کیونکہ یہ اپنی عزت اور شرف کی وجہ سے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا | 2۔ ایضاً | 3۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا | 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

بال ہوں گی۔ جس طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی، جہاں چاہیں گی جنت میں گھومتی پھرتی رہیں گی۔ پھر عرش کے نیچے لٹکی قندیلوں میں جا کر ٹھہر جائیں گی(1)۔ سعید بن منصور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ہناد بن سری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھے گا جو ان قندیلوں میں ہوں گی جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہوں گی۔

ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندے میں ہوں گی جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہوں گی جو صبح کو جنت کے باغوں کی طرف جاتی ہیں۔ پھر واپس آ جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہر روز صبح ظہور فرما کر انہیں سلام فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو درداء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہوں گی جو قندیلوں میں رہتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جنتی ہے، وہ فردوس اعلیٰ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب نجار کے بارے میں فرمایا قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي الآیۃ ان کے جنت میں ہونے اور عرش کے نیچے قندیلوں میں ہونے کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ عرش جنت کے لئے آسمان کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حکم شہداء کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ انبیاء اور صدیقین ان سے بھی درجہ میں بلند ہیں۔ حدیث میں مومنین کا لفظ مطلق آیا ہے۔ امام مالک اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ کعب بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مومن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درخت کے ساتھ آویزاں ہوتی ہے، قیامت کے روز جسم میں واپس لوٹائی جاتی ہے(2)۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے روح پرندے کی شکل میں ہوتی ہے اور درخت کے ساتھ لٹک رہی ہوتی ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر روح جسم میں داخل ہو جائے گی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ان احادیث میں مومنوں سے مراد کامل مومن ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان يُشْهِدُهُ الْمُقَرَّبُونَ دلالت کرتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مومنوں کی روحوں کا ٹھکانہ ساتویں آسمان میں ہوتا ہے۔ وہ جنت میں اپنی منازل کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ وہب بن منبہ سے بھی نقل کیا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جسے بیضاء کہتے ہیں جس میں مومنوں کی روحیں جمع ہوتی ہیں۔ بعض احادیث میں ہے جب روح کو جسم سے نکالا جاتا ہے تو وہ زمین و آسمان کے درمیان ہوتی ہے۔ اسے سعید بن منصور نے سلمان سے روایت کیا ہے۔ ابن مبارک، حکیم ترمذی، ابن ابی الدنیا اور ابن مندہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین برزخ میں ہوتی ہیں، جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافر کی روح سجین میں ہوتی ہے۔ اس حدیث میں مومنوں کی حالت کا بیان ہے کہ ان کے درجے مختلف ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الکلام میں کہا روحوں کی چار قسمیں ہیں۔ انبیاء کی روحیں ان کے جسموں سے نکلتی ہیں اور مشک و کافور

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 135 (قدیمی)   2۔ سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 292 (وزارت تعلیم)

کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، وہ جنت میں ہوتی ہیں، وہ کھاتی پیتی ہیں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور رات کے وقت قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں اور شہداء کی روحیں جسموں سے نکلتی ہیں اور جنت میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں جو کھاتے پیتے ہیں، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور رات کے وقت ان قندیلوں میں پناہ لیتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوتی ہیں، مطیع مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں، نہ کھاتی ہیں اور نہ لطف اندوز ہوتی ہیں لیکن جنت میں نظارہ کرتی ہیں۔ گناہ گار مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ھواء میں ہوتی ہیں۔ کفار کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں سیاہ پرندوں کے اندر ہوتی ہیں۔ میں کہتا ہوں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انبیاء کی روحیں مشک اور کافور کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا انسانوں کے جسم کی طرح جسم ہوتا ہے۔ اسے مشک سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کی خوشبو بہت عمدہ ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں موہبی جسموں سے تعبیر کیا ہے۔ یہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں یعنی صدیقین کے لئے ہوگا۔ ان دونوں طبقات کو یہ جسم موت سے پہلے دے دیا جاتا ہے۔

شبہ:۔ اگر یہ سوال کیا جائے بعض صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنین یہاں تک کہ انبیاء اور اسی طرح کفار کی روحیں قبروں میں ہوتی ہیں، جس طرح براء کی طویل حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے حق میں ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسی سے انہیں پیدا کیا اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ اٹھاؤں گا تو اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔ کافر کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اس کی روح قبر میں لوٹا دی جاتی ہے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے متعلق جو روایات مروی ہیں۔ ان میں سے یہی صحیح ترین ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں دیکھا کہ وہ معراج کی رات اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور ﷺ کا بھی یہ فرمان ہے، جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا میں اسے سنتا ہوں اور جو اس حالت میں درود پڑھتا ہے جو یہاں سے غائب ہوتا ہے اس کا سلام مجھ تک پہنچایا جاتا ہے تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی۔ ہم کہتے ہیں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ مومنوں کی روحوں کا ٹھکانہ علیین میں یا ساتویں آسمان میں ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور کفار کی روحوں کا ٹھکانہ سجین میں ہوتا ہے۔ ہے اس کے باوجود ہر روح کا اپنی قبر میں اپنے جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، جس تعلق کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی اتصال اور تعلق کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ روح اور جسم کے مجموعے پر جنت یا جہنم کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ انسان لذت اور دکھ محسوس کرتا ہے، قبر کی زیارت کرنے والے کا سلام سنتا ہے، منکر اور نکیر کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے تمام امور متحقق ہوتے ہیں جو کتاب و سنت میں ثابت ہیں، جس طرح جبرئیل امین ساتویں آسمان میں ہوتا ہے جبکہ وہ حضور ﷺ کے اتنے قریب ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ حضور ﷺ کے گھٹنوں پر رکھتا ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الکلام میں کہا روحیں جسموں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے، جس سے جسم بھی دکھ محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح سورج آسمانوں میں ہے جبکہ اس کا نور زمین میں ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾

''بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے 1؎ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے 2؎ آپ

كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾

''اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی [1] یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے [2] جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے [3]''

[1] اس خالص شراب (رحیق) میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے تسنیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا یہ ایسی شراب ہوگی جو ان پر اوپر سے ان کے کمروں اور گھروں میں انڈیلی جائے گی۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ شراب ان کی طرف عرش سے انڈیلی جائے گی کیونکہ عرش جنت کے لئے چھت کے قائم مقام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ شراب ہوا میں رواں دواں ہوگی اور جنتیوں کے برتنوں میں ان کی گنجائش کے مطابق ڈالی جائے گی۔ جب برتن بھر جائیں گے تو اسے روک لیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ تسنیم کا اصل معنی بلندی ہے۔ بلند جام کو سنام کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اونٹ کی کوہان کو سنام کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسی شراب ہے جس کا نام تسنیم ہے۔ یہ جنت کی بہترین شراب ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مقربین کے لئے خالص ہوگی وہ اسے خالص پئیں گے۔ باقی جنتیوں کے لئے کسی دوسری شراب میں تسنیم کو ملایا جائے گا اور انہیں پلائی جائے گی۔ (1)

[2] عینا یہ مدح کے طور پر منصوب ہے یا اس سے پہلے اعنی کا لفظ محذوف ہے یا یہ تسنیم سے حال ہے۔ بھا میں باء من کے معنی میں ہے۔ باء حرف جار اس لئے ذکر کیا کیونکہ یشرب یلتذ کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ یشرب بھا والا جملہ عینا کی صفت ہے۔ مقربون سے مراد وہ افراد ہیں جو کمالات نبوت کے اصل کے اعتبار سے یا وراثت کے طریقہ پر مالک ہوتے ہیں۔ یہ صدیقین ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے تسنیم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (2)۔

[3] اسم موصول سے مراد قریش کے کفار ہیں جیسے ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور مکہ مکرمہ کے دوسرے مشرک۔ الذین امنوا سے مراد حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دوسرے فقراء صحابہ کرام ہیں۔ کفار مکہ مومنوں پر بطور استہزاء ہنستے تھے۔

وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾

''اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے [1] اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے [2] اور جب مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں [3] حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے [4]''

[1] واؤ ضمیر سے مراد مومنین ہیں۔ ھم ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ کفار استہزاء کے طریقہ پر مومنوں کی طرف پلکوں اور آبروؤں سے اشارہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

سورۃ الانشقاق

اٰیاتھا ۲۵ — سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ ۸۴ — رکوعھا ۱

سورۃ الانشقاق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پچیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ؕ﴿۵﴾

"(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا[1] اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے[2] اور جب زمین پھیلا دی جائے گی[3] اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی[4] اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے[5]"

1۔ السماء کو فعل مقدر کے ساتھ رفع دیا گیا ہے جس فعل کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔

2۔ وہ اپنے رب کا حکم سنے گا اور پھٹ جانے کے حکم کی اطاعت کرے گا۔ اطاعت کرنا اس کا حق بنتا ہے کیونکہ ممکن کے لئے اس امر کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے کیونکہ ممکن فی نفسہ کسی چیز کا کوئی تقاضا نہیں کرتا۔

3۔ زمین کی وسعت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زمین کو یوں برابر کر دیا جائے گا کہ وہ چمڑے کی طرح پھیل جائے گی۔ اس میں کوئی پہاڑ اور عمارت نہیں رہے گی (1)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو چمڑے کی طرح زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور مخلوقات کو جمع کیا جائے گا۔ (2)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جس طرح چمڑا پھیلایا جاتا ہے۔ پھر انسان کے لئے اس میں سے قدم رکھنے کی جگہ کے سوا کوئی جگہ نہ ہوگی (3)۔ پھر مجھے تمام لوگوں سے پہلے بلایا جائے گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھے اجازت دی جائے گی تو میں عرض کروں گا۔ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی تھی کہ تو نے اسے میری طرف بھیجا تھا۔ جبرئیل امین اس وقت رحمٰن کی دائیں جانب ہوگا ۔ اللہ کی قسم جبرئیل امین نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا ہوگا۔ جبرئیل امین خاموش رہیں گے، وہ کوئی بات نہ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ارشاد فرمائے گا جبرئیل امین نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا تو میں عرض کروں گا اے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدرالمنثور زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً

اس صورت میں معنی یہ ہوگا جس روز لوگ حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا یا یہاں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فملاقی حساب ربک اور یا ایھا الانسان والا جملہ جملہ مستانفہ ہوگا اور وعدہ اور وعید کا فائدہ دے گا۔ جب پہلے اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر لوگوں کا ذکر کیا کہ وہ اپنی جزاء کو پائیں گے تو اب اس کی تفصیل بیان کی۔

۱۔ کتاب سے مراد عمل کا دیوان ہے۔ اسم موصول سے مراد مومن ہیں۔

۲۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جب وہ کوئی ایسی بات سنتیں جسے نہ پہچانتیں تو اس کے بارے میں پوچھتیں یہاں تک کہ اسے سمجھ لیتیں۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ۔ حضرت عائشہ نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ پیشی کے وقت ہوگا مگر جس کا حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حساب یسیر کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کتاب دیکھے گا اور درگزر فرمائے گا جس کے حساب کے بارے میں مناقشہ شروع ہو گیا وہ مارا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں یَوْمَئِذٍ هَلَكَ یعنی اس روز وہ ہلاک ہو گیا۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾

"اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ عمل پس پشت دیا گیا ۱ تو وہ چلائے گا ہائے موت ہائے موت ۲ اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں ۳ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا ۴"

۱۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ اس کی پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا اور وہ اس ہاتھ میں اپنی کتاب پکڑے گا۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا بایاں ہاتھ اس کے سینے سے پشت کی جانب موڑا جائے گا۔

۲۔ ثبور کا معنی ہلاکت ہے، یعنی وہ اپنی ہلاکت کی آرزو کرے گا اور کہے گا واثبورا۔

۳۔ عاصم، حمزہ اور ابو عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ نے یاء کے فتحہ اور صاد کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ضمہ، صاد کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ تصلیہ مصدر سے مجہول پڑھا ہے، یعنی اسے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴۔ وہ دنیا میں مال اور مرتبہ کی وجہ سے خوش تھا اور آخرت سے غافل تھا اسے کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فسوف یدعو ثبورا کی علت ہے۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّیْلِ وَ مَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

"وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا ۱ کیوں نہیں اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا ۲ پس

کے مواقف میں ایک معاملہ کے بعد دوسرے معاملہ کا سامنا کرنا ہوگا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے پہلے تمہیں موت کا سامنا کرنا ہوگا پھر زندگی کا سامنا کرنا ہوگا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تمہیں مختلف احوال کا سامنا کرنا ہوگا کبھی تم فقیر ہو گے اور کبھی غنی ہو گے۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے تمہیں مختلف مصیبتوں، ہولنا کیوں، موت، دوبارہ اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا سامنا کرنا ہوگا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے مختلف حالتیں یہ ہیں کبھی تم دودھ پیتے بچے، کبھی دودھ چھوڑنے کی حالت، کبھی لڑکپن کبھی جوان اور کبھی بوڑھا ان حالتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تم پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلتے رہو گے (1)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں تم پہلے لوگوں کے راستوں پر ہی چلو گے کچھ فرق نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی گوہ کی بل میں داخل ہوا تھا تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ اگر ان میں سے کسی نے راستہ پر اپنی بیوی سے جماع کیا ہوگا تو تم بھی ضرور ایسا کرو گے (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

یہ اس میں استفہام تعجب اور انکار کے لئے ہے اور اس سے پہلے جو وعدہ اور وعید گزر رہا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کا تعلق ہے فلا اقسم والا جملہ جملہ معترضہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لترکبن طبقا عن طبق کے ساتھ متصل ہو، یعنی ان کا ایک حالت سے دوسری حالت میں پھرنا اس بات پر دلیل ہے کہ حالات بدلنے والی ذات موجود ہے تو پھر انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ لا یومنون والا جملہ ضمیر مجرور سے حال ہے۔ اس میں عامل فعل کا معنی ہے فعل ما یصنعون ہوگا۔

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۞ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۞

''اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں''

اذا کا تعلق یسجدون کے ساتھ ہے اور جملہ شرطیہ کا عطف لا یؤمنون پر ہے۔ یہ اس کا حال مرادف ہوگا۔ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ قرآن سننے پر سجدہ واجب ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو قرآن سنے اور سجدہ نہ کرے یا یہاں سجود سے مراد مجازاً عاجزی کرنا ہے یہی معنی ظاہر ہے۔ کیونکہ قرآن کا اطلاق ہر آیت پر ہوتا ہے اگرچہ وہ آیت سجدہ نہ بھی ہو جبکہ مطلق قرآن سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا یا پھر سجدہ سے مراد سجدہ تلاوت ہے اور قرآن میں الف لام عہدی ہے۔ اس صورت میں قرآن سے مراد آیت سجدہ ہے۔ اس صورت میں یہ آیت کریمہ سجدہ تلاوت کے واجب ہونے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہو گی اس سجدہ کو فرض قرار نہیں دیا کیونکہ تاویل میں شک ہے اور مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ شک کی وجہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ وجوب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب کوئی انسان آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان روتے ہوئے بھاگ جاتا ہے اور کہتا ہے بلاکت ہو ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ثابت ہوگئی؟ مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا تو میرے لئے جہنم مقدر کر دی گئی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ استدلال کی صورت یہ بنتی ہے جب حکیم کسی غیر حکیم سے کلام کی حکایت بیان کرتا ہے اور اس پر ناپسندیدگی اور انکار کا اظہار نہیں کرتا تو یہ اس کلام کی صحت کی دلیل ہوتی ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 502 (العلمیہ) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 61 (قدیمی)

نے اپنی مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا سجدہ سننے والے پر ہوتا ہے۔ جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو سورۂ نجم سنائی تو آپ نے سجدہ نہ کیا۔ اسے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے۔ [illegible] دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور یہ الفاظ بھی زائد ذکر کئے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے بھی سجدہ نہ کیا۔ یہ حدیث سجدہ کے واجب نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ ایک حالت کا بیان ہے۔ ممکن ہے یہ جائز ہے کہ سجدہ اس لئے ترک کیا گیا ہو کہ تلاوت مکروہ وقت میں ہوئی ہو یا وضو کے بغیر ہو یا سجدہ اس لئے نہ کیا ہو کہ فوری طور پر سجدہ واجب نہیں۔ ہم اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ سجدہ ان امور میں سے کسی ایک وجہ سے نہ کیا جاتا تو ضرور اس کی وضاحت کی جاتی تا کہ ضرورت کے وقت مجمل کے بیان کا [illegible]۔

نیز جمہور نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جب آپ جمعہ کے روز منبر پر جلوہ افروز تھے آپ نیچے اترے سجدہ کیا لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی سجدہ کیا پھر آپ نے اگلے جمعہ پھر آیت سجدہ کو تلاوت کیا لوگ سجدہ کے لئے تیار ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے واجب نہیں کیا۔ ہاں اگر انسان چاہے تو سجدہ کرے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حمیدی نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات میں سے ہے انہیں وہم ہوا ہے اسے بیہقی اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس روایت میں اس بات کا بیان ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے حاضر تھے لیکن کسی نے بھی انکار نہیں کیا جو یہ روایت آئی ہے کہ شیطان نے کہا ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے [illegible] وہاں سجدہ سے مراد جنس سجدہ ہے تلاوت کے وقت مخصوص سجدہ نہیں مخصوص سجدہ کیسے مراد ہو سکتا ہے شیطان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے اللہ کو سجدہ کرے جبکہ اس سے پہلے آیت سجدہ کی تلاوت نہیں ہوئی تھی۔

مسئلہ: مفصل کے سجدہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا سورۂ نجم، اذا السماء انشقت اور سورۂ [illegible] میں سجدہ تلاوت ہے۔ ان کے نزدیک قرآن حکیم میں چودہ یا پندرہ سجدے ہیں کیونکہ علماء کا سورۂ حج کے دوسرے سجدہ اور سورۂ ص کے سجدہ میں اختلاف ہے۔ اس مسئلہ کو ان شاء اللہ وہاں ذکر کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں ذکر کیا مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ہے آپ ﷺ نے مفصل میں سجدہ نہیں کیا (2)۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابو علی بن سکن نے اپنی مسند میں حارث بن عبید کی سند سے [illegible] انہوں نے مطر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابوقدامہ اور مطر دونوں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں لیکن دونوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابوقدامہ [illegible] ہوتی ہے۔ یحییٰ نے کہا وہ کچھ بھی نہیں اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور [illegible] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا مفصل میں سجدہ ہے؟ فرمایا نہیں۔ ہماری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے اذا السماء انشقت اور اقرأ میں سجدہ کیا۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ صحیح میں ایک اور سند سے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 147 (وزارت تعلیم)
2۔ حاشیہ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (وزارت تعلیم)

آپ نے سورۂ اذا السماء انشقت کی تلاوت کی۔ آپ نے سجدہ کیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا؟ یہ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ابو القاسم ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا۔ میں یہاں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ سن چھ ہجری میں اسلام لائے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا (2)۔ اسے امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے قرآن میں پندرہ سجدے کئے ان میں تین مفصل میں اور دو سجدہ سورۂ حج میں کئے (3) اسے ابو داؤد، ابن ماجہ، دار قطنی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ منذری اور نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حسن قرار دیا اور عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی سند میں محمد بن راشد ہے جسے محدثین نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ اسی ضمن میں عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو دس مرتبہ دیکھا کہ آپ نے سورۂ اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا۔ اسے بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جائے گا، سننے والے کا ارادہ تھا یا ارادہ نہیں تھا، کیونکہ سجدہ ترک کرنے پر مذمت کا سبب مطلق ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک جب تک سامع کا سننے کا ارادہ نہ ہو تو سجدہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت مروی ہے کہ آپ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جائیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سجدہ اس پر لازم ہوتا ہے جو ارادہ سے آیت سجدہ سنے۔ پھر آپ سجدہ کئے بغیر چلے گئے۔ اسے عبد الرزاق نے معمر رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور معمر نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تعلیق کی صورت میں ذکر کیا ہے مصنف ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سجدہ اس سننے والے پر لازم ہوگا جو سننے کے لئے بیٹھا (4) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی حدیث ہے کہ سجدہ اس سننے والے پر لازم ہوگا جو اس سجدہ کے لئے بیٹھا (5)۔ اسے امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاری اگر سجدہ نہ کرے تب بھی سننے والے پر سجدہ واجب ہو جائے گا جبکہ جمہور کے نزدیک جب تک قاری سجدہ نہ کرے سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ زید بن اسلم کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کے پاس آیت سجدہ کی تلاوت کی تو حضور ﷺ نے سجدہ کیا پھر ایک اور نے آپ کے پاس آیت سجدہ کی تلاوت کی تو حضور ﷺ نے سجدہ نہ کیا تو اس نے عرض کی فلاں کی قرأت پر تو آپ نے سجدہ کیا لیکن میری قرأت پر سجدہ نہ کیا تو آپ نے فرمایا تو امام تھا اگر سجدہ کرتا تو ہم بھی سجدہ کرتے۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مراسیل میں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع نقل کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قرۃ نے زہری سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جبکہ قرۃ ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمۃ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 146 (امدادیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 206 (امدادیہ) 4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 367 (دار التاج) 5۔ ایضاً

سورۃ البروج

آیاتھا ۲۲　سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ مَکِّیَّۃٌ ۸۵　رکوعھا ۱

سورۃ البروج مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾

"قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے[1] اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے[2] اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے[3]"

[1] برج کا معنی قلعہ ہے۔ قلعہ کو برج اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ نمایاں ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں تبرجت المرأۃ عورت پردہ سے نکل آئی۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ آسمان میں گھر ہیں جنہیں بروج کہتے ہیں۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بروج سے مراد محلات ہیں جن میں پہرے دار ہوتے ہیں۔ صحیحین میں معراج کے متعلق حدیث آئی ہے۔ پھر مجھے بیت المعمور کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان میں کعبہ کے بالکل مقابل ہے۔ سورۃ مطففین میں وہب بن منبہ کا قول گزرا ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے بیضاء کہتے ہیں جس میں مومنوں کی روحیں ہوتی ہیں۔ یا بروج سے مراد آسمان کے دروازے ہیں کیونکہ زمین پر آنے والے فرشتے انہیں دروازوں سے نیچے آتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں۔

فلاسفہ کی اتباع میں عوام کا یہ خیال ہو گیا کہ آسمان بارہ موہومہ حصوں میں منقسم ہے، ان میں سے ہر حصہ کو برج کہتے ہیں جس میں ثوابت ہوتے ہیں اور وہاں متحرک ستارے بھی آتے رہتے ہیں۔ ان بروج کو حمل، ثور اور جوزاء وغیرہ کا نام دیا گیا۔ یہ نام ان ستاروں کی شکل وصورت کی بناء پر رکھا گیا جو ستارے وہاں ہی ثابت رہتے ہیں۔ جبکہ اس قول کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ آسمان ہمیشہ متحرک رہتے ہیں اور ستارے ان میں مرکوز ہیں جبکہ یہ سب باطل ہے۔ کتاب وسنت سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ تمام ستارے افلاک میں تیر رہے ہیں، آسمان میں کوئی ستارہ بھی ثابت نہیں کہ ان ثابت ستاروں کی وجہ سے آسمان کے اس حصہ کو برج کہا جائے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ کلام اللہ کی وہ مراد ہو جو کافر فلاسفہ کی اصطلاح ہے تو ان موہومہ حصوں کو کیسے برج کہا جا سکتا ہے جس کا اصل اور وضعی معنی ظہور ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ انہیں بروج ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں (1)۔ حسن، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

[2] یوم موعود سے قیامت کا دن مراد ہے۔

[3] شاھد سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ یا شاھد کی جنس مراد ہے جو حق کی گواہی دیتا ہے اور مشھود سے مراد یوم عرفہ ہے یا اس کی

1۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا

عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۞

''مارے گئے کھائی کھودنے والے ۱؎ (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی ۲؎ جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے ۳؎ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ۴؎ ''

۱؎ کھائی والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس جملہ کے جواب قسم ہونے کا قول ضعیف ہے کیونکہ جواب قسم لام کے بغیر شاذ و نادر ہی آتا ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے جواب قسم محذوف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتا ہے جس کی تقدیر یہ ہو سکتی ہے کہ بے شک کفار مکہ ملعون ہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے پاس ایک نوجوان بھیجو جسے میں جادو سکھا دوں تو بادشاہ نے ایک نوجوان بھیج دیا جس راستہ سے وہ نوجوان جادوگر کے پاس جاتا تھا۔ اس پر ایک عبادت گزار آدمی بھی رہتا تھا۔ جب وہ وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی باتیں سنتا۔ یہ باتیں نوجوان کو بہت اچھی لگتیں۔ ایک روز جب وہ جادوگر کے پاس آیا تو راہب کے پاس سے گزرا کچھ دیر وہاں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جب جادوگر کے پاس آیا تو جادوگر نے اسے مارا۔ جب جادوگر کے پاس سے واپس ہوا تو پھر راہب کے پاس بیٹھ گیا اس کی گفتگو سنی۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے بھی اسے مارا تو لڑکے نے راہب کے پاس اس کی شکایت کی۔ تو راہب نے کہا جب تجھے جادوگر سے مار کا خوف ہو تو کہہ دیا کر کہ گھر والوں نے مجھے روک لیا تھا۔ جب گھر والوں سے مار کا خوف محسوس ہو تو کہہ دینا۔ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ اسی اثناء میں ایک روز اپنے راستہ پر آ رہا تھا۔ تو اس نے ایک بہت بڑا جانور دیکھا جس نے لوگوں کو روک رکھا تھا۔ تو لڑکے نے کہا آج مجھے معلوم ہو جائے گا کہ راہب افضل ہے یا جادوگر افضل ہے۔ اس نے پتھر اٹھایا اور کہا اے اللہ اگر راہب جادوگر کی بہ نسبت تجھے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو مار ڈال تاکہ لوگ اس راستہ سے گزر سکیں۔ لڑکے نے اس جانور کو پتھر مارا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگ چلے گئے۔ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے واقعہ کی خبر دی۔ راہب نے کہا اے میرے بیٹے آج تو مجھ سے افضل ہو گیا ہے تو اس مقام پر پہنچ گیا ہے جس کا تو نے خود مشاہدہ کیا تجھے آزمائش میں ڈالا جائے گا اگر تجھے آزمائش میں ڈالا جائے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔ وہ لڑکا مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے لگا اور لوگوں کو مختلف دوائیں دیتا بادشاہ کے ایک دوست نے اس لڑکے کے بارے میں سنا وہ اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے لڑکے کی طرف بے شمار تحائف بھیجے اور کہا اگر تو مجھے شفا دے تو یہ سب تیرے لئے ہیں تو لڑکے نے کہا میں شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کروں گا تو وہ تجھے شفا دے دے گا۔ بادشاہ کا درباری ایمان لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ درباری بادشاہ کی خدمت میں آیا اور مجلس میں بیٹھ گیا۔ جس طرح پہلے مجلس میں بیٹھتا تھا۔ بادشاہ نے اسے کہا کس نے تیری نظر واپس لوٹائی؟ تو درباری نے کہا میرے رب نے میری نظر لوٹائی۔ تو بادشاہ نے پوچھا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ تو درباری نے کہا میرا اور تیرا رب اللہ ہے تو بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے اس وقت تک اذیتیں دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس لڑکے کے بارے میں بتا دیا۔ اس لڑکے کو بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا اے بیٹے کیا تو جادو میں اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ تو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینے لگا ہے اور تو وہ کچھ کرنے لگا جو کچھ کر رہا ہے۔ لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ تو بادشاہ نے اسے بھی پکڑ لیا۔ پھر اسے لگاتار عذاب دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے

خون پھوٹ پڑتا جب ہاتھ کو چھوڑا جاتا تو ہاتھ اپنی جگہ واپس آ جاتا۔ ان کے ہاتھ میں لوہے کی ایک انگوٹھی تھی جس پر ربی اللہ لکھا ہوا تھا۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے یہ پیغام لکھ بھیجا کہ عبد اللہ اور انگوٹھی کو اسی حال میں رہنے دو جس پر تم نے اسے پایا ہے (1)۔ اصحاب اخدود کے بارے میں اور روایات بھی آئی ہیں جو قوت میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جیسی نہیں۔ اس لئے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

۲ النار کا لفظ الاخدود سے بدل اشتمال ہے۔ ذات الوقود کے ساتھ النار کی صفت ذکر کی گئی کیونکہ آگ بہت تیز تھی۔ الوقود پر الف لام جنسی ہے۔ ربیع بن انس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آگ میں پھینکے جانے والے مومنوں کو اس طرح نجات عطا فرمائی کہ آگ میں پہنچنے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا۔ آگ خندقوں کے کناروں کی طرف نکل آئی اور کفار کو جلا دیا۔

۳ ھا ضمیر سے مراد خندقوں کے کنارے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ خندقوں کے کنارے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے (2) اور ظرف قعود کے متعلق ہے۔

۴ وہ سب حاضر تھے اور یہ عذاب ان کی غفلت کی صورت میں نہیں دیا جا رہا تھا یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض بادشاہ کے پاس بعض کے حق میں گواہی دیتے کہ اسے جو کچھ حکم دیا گیا تھا اس نے کچھ کوتاہی نہیں کی۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنے خلاف گواہی دیں گے۔ جب ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ جملہ یا تو ھم علیھا قعود پر معطوف ہے یا قعود کے فاعل سے حال ہے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِۙ۝۸ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ١ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌؕ۝۹

”اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے ۱۔ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ۲۔“

۱ کفار نے مومنوں کے ایمان لانے کے علاوہ کسی اور بات کو ناپسند نہیں کیا۔ اس تعبیر کی صورت میں ان یومنوا مفعول لہ ہے اور مضارع کا صیغہ ماضی کے معنی میں ہے جو نقموا کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ بنے گی لان امنوا باللہ یعنی عجیب بات ہے جو چیز حسن لذاتہ اور کمال شرف کا باعث تھی انہوں نے اپنی جہالت اور بدبختی کی وجہ سے عیب سمجھا جو عذاب کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے ملک میں غالب ہے، اس کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے، وہ محمود اور احسان کرنے والا ہے، اس کے ثواب کی امید رکھی جاتی ہے۔

۲ یہ بیان کرنے کے لئے کہ خوف و رجا کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو اپنی صفت کے طور پر ذکر کیا تاکہ اس بات پر دلالت ہو کہ مومن اپنے ایمان میں حق ہیں اور ثواب کے مستحق ہیں اور کافر باطل پرست، اپنے اعمال میں ظالم اور لعنت و عذاب کے مستحق ہیں۔ انسان نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اسی کے حساب سے اسے بدلہ دے گا یہ جملہ تذییل (۱) ہے۔ یا یؤمنوا کے فاعل سے حال ہے اور ما نقموا کا جملہ جملہ معترضہ ہے یا یہ شہود سے حال ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　　2۔ ایضاً

(۱) ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو۔ مقصود پہلے جملے کی تاکید ہوتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: دوسرا جملہ مستقل ہو اور ماقبل سے مستغنی ہو، دوسرا جملہ مستقل نہ ہو، مترجم۔

محبوب ہے۔

۴۔ ذو العرش کا معنی مالک اور ہر شے پر غالب ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے المجید کو العرش کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے۔ اس کی مجد سے مراد اس کی عظمت ہے۔ وہ ایسی رحمانی تجلیات فرماتا ہے جو اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہیں۔ جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ خبر کے بعد خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مجد سے مراد اس کا ذات وصفات میں عظیم ہونا، واجب الوجود ہونا اور مکمل قدرت والا اور مکمل حکمت والا ہونا ہے۔

۵۔ جس چیز کا وہ ارادہ کرلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی اور نہ ہی وہ چیز اس پر ممنوع ہوتی ہے۔ یہ ھو کی خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ یا یہ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہے اور انه ھو يبدء ويعيد جملہ معترضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدح بیان کرتا ہے۔ مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو مغفرت اور محبت فرماتا ہے اور کافروں کو جو مختلف قسم کے عذاب دیتا ہے اس کی یہ جملہ وضاحت کرتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

"کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر ۱۔ (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی ۲۔ بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں ۳۔"

۱۔ استفہام تقریری ہے معنی بنے گا یقیناً آپ تک ان لشکروں کی خبر پہنچی ہے جو انبیاء کے خلاف جنگ کرتے تھے۔

۲۔ فرعون سے پہلے جنود کا لفظ مضاف کے طور پر محذوف ہے اور الجنود سے بدل ہے، یعنی ان کو غرق، چیخ اور اسی جیسے دوسرے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ پھر انہیں آگ میں داخل کیا گیا۔ اس لئے آپ کی قوم جو آپ کی تکذیب کرتی ہے اس پر صبر کیجئے اور انہیں اس عذاب سے ڈرایئے جو ان سے پہلے لوگوں کو پہنچا۔

۳۔ آپ کی قوم کے کفار ان لشکروں اور سابقہ اقوام کی نسبت اس عذاب کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے سابقہ قوموں کے واقعات سن رکھے ہیں اور ان کی ہلاکت کے آثار دیکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا قرآن عظیم کو جھٹلانا ان کے جھٹلانے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کا کلام سابقہ کتب کے کلام سے زیادہ اعجاز والا ہے۔ تکذیب کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ اس کی شدت کا بیان ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں بل اضراب (۱) کے لئے نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے جو لکن کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ استدراکیہ (ب) ہے۔ اس کا تعلق جواب قسم کے ساتھ ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہیں۔ ان کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ جب قسم کے ساتھ جواب قسم واضح ہو گیا تو کفار میں سے جو سامعین تھے ان کی طرف سے بھی تصدیق پیدا ہو گئی۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ جملہ استدراکیہ ذکر کیا اور کہا لیکن کافر شدید جھٹلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان في تكذيب اعتباری ظرف ہے۔ تکذیب نہ زمان ہے نہ مکان کیونکہ صفت میں جب مبالغہ کا اعتبار کیا جائے تو وہ موصوف کو احاطہ میں لئے ہوئے ہوتی ہے۔

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

"حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ۱۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے ۲۔ اسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے ۳۔"

(۱) کلام کا رخ پھیرنے کے لئے نہیں۔ مترجم۔

(ب) جو سابقہ کلام سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کر دے۔ مترجم۔

کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس کی طرف سے احاطہ ذاتیہ ہے لیکن اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ تاہم اس کے لئے قرب اور غلبہ لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہ ہے اور ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کی گرفت سے بھاگ جائیں۔ یہ جملہ بطور وعید جملہ معترضہ کے طور پر ذکر کیا گیا۔ یا فی تکذیب جس شے کی تحقیق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن معجزہ ہے، کتابوں میں اس کا مقام بلند ہے، نظم و معنی میں یکتا ہے۔ اس جملہ کا معنی بل الذین کفروا فی تکذیب کے ساتھ متصل ہے یعنی ان کی تکذیب حق میں کسی شبہ کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ آدمی جو نظم و معنی کا تھوڑا سا بھی شعور رکھتا ہے اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس قرآن کو جھٹلائے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سفید موتی سے پیدا کیا، اس کے صفحات سرخ یاقوت سے بنائے، اس کا قلم نور ہے، اس کی کتابت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اس میں نظر فرماتا ہے، پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، موت عطا کرتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے، عزت عطا کرتا ہے، ذلت عطا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوح محفوظ کے سینہ میں لا الٰہ الا اللہ وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ ورسولہ فمن امن باللہ عزوجل وصدق بوعدہ واتبع رسلہ ادخلہ الجنۃ لکھا ہوا ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک ہے، اس کا دین اسلام ہے، حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، اس کے وعدہ کی تصدیق کی، اس کے رسولوں کی پیروی کی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ لوح محفوظ سفید موتی سے بنی ہے، اس کی لمبائی زمین و آسمان کے درمیان موجود مسافت جتنی ہے، اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیان کی مسافت ہے، اس کی دونوں اطراف موتی اور یاقوت کی ہیں، اس کی جلدیں سرخ یاقوت کی ہیں، اس کا قلم نور کا ہے، اس کی کتابت نور ہے، عرش سے ملی ہوئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا اوپر والا حصہ عرش کے ساتھ باندھا گیا ہے اور اس کا نچلا حصہ فرشتے کی گود میں ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے(1)۔ جمہور نے محفوظ کو مجرور پڑھا ہے یہ لوح کی صفت ہے کیونکہ یہ شیاطین اور زیادتی و کمی سے محفوظ ہے۔ اسی وجہ سے اسے لوح محفوظ کہتے ہیں، یہ ام الکتاب ہے۔ اسی سے قرآن نقل کی گئی ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ قرآن کی صفت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔ اس میں کسی لفظ کا لاحق ہونا ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔ نیز اس کی نظم میں اعجاز پایا جاتا ہے۔ اس میں تحریف اور حذف بھی ممکن نہیں۔ رافضیوں نے کہا قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں شامل کر دی گئیں جو اس میں نہیں تھیں، اس کا چوتھائی حصہ حذف کر دیا گیا۔ باقی ماندہ تیس پارے تبدیل اور تحریف شدہ رہ گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر یہ آیت صادق آتی ہے بل الذین کفروا فی تکذیب کہ مصحف میں جو کچھ ہے اس کی یہ تکذیب کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے واللہ من ورائھم محیط بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورۃ الطارق

آیاتہا ۱۷ — سورۃ الطارق مکیۃ ۸۶ — رکوعہا ۱

سورۃ الطارق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابوطالب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو روٹی اور دودھ پیش کیا۔ اسی اثناء میں کہ آپ بیٹھ کر اسے تناول کر رہے تھے کہ ایک ستارہ گرا۔ اس نے ہر چیز کو روشن کر دیا۔ ابوطالب گھبرا گئے۔ پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ستارہ تھا جو ایک شیطان کو مارا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابوطالب یہ سن کر متعجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔(1)

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾

"قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی [1] اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ [2] ایک تارا نہایت تاباں [3] کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو [4]"

[1] طارق اصل میں مسافر کو کہتے ہیں۔ عرف عام میں رات کے وقت آنے والے مسافر کو طارق کہتے ہیں۔ پھر ہر وہ چیز جو رات کو ظاہر ہوا سے طارق کہا جانے لگا۔ اس کلام میں اجمال ہے جس کی وضاحت مابعد کلام کرتی ہے۔

[2] یہ کلام بھی مجمل ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ استفہام اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہو کیونکہ اس ستارے کے بے شمار فائدے ہیں۔ شیاطین کو اس کے ساتھ بھگایا جاتا ہے۔ یہ آسمانوں کی زینت کا باعث ہے۔ بندوں کو اس کے ذریعے ڈرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے کئی فوائد ہیں۔ ما الطارق والا جملہ ترکیب کلام میں ادرک کا مفعول ثانی ہے۔ پھر اس اجمال کی تفسیر مابعد کلام کرتا ہے۔

[3] النجم پر الف لام جنس کے لئے ہے اور اس سے تمام ستاروں کی جنس مراد ہے یا اس سے مراد شہابیوں کی جنس ہے جن کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے یا الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور نجم سے مراد ثریا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ عرب اسے نجم کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد زحل ستارہ ہے(2)۔ جنہوں نے نجم سے مراد زحل لیا ہے۔ انہوں نے اس نام کی یہ وجہ بیان کی کہ یہ بہت بلند ہے۔ وہ پرندہ جو بہت بلندی میں اڑ رہا ہو محسوس یوں ہو کہ وہ آسمان تک پہنچ چکا ہے تو عرب کہتے ہیں قد ثقب یعنی وہ بہت بلندی میں چلا گیا اور اس نے آسمان کو پھاڑ دیا۔ یہ تعبیر حکماء کے قول کے مطابق درست ہو سکتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ

1۔ تفسیر بغوی آغاز سورۃ طارق　　2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہے، یعنی دافق مدفوق کے معنی میں ہے۔ دفق کا معنی ایک ہی دفعہ بہانا ہے۔

۳؎ یہ جملہ ماء کی دوسری صفت ہے۔ صلب سے مراد مرد کی پشت ہے۔ صراح میں صلب کا معنی سختی ہے۔ پشت کو سختی کی وجہ سے ہی صلب کہتے ہیں۔ ترائب سے مراد عورت کی سینے کی ہڈیاں ہیں۔ قاموس میں ترائب سے مراد سینے کی ہڈیاں ہیں یا اس سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جو ہنسلی کی ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا دونوں پستانوں اور ہنسلی کی ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یا سینے کی دائیں اور بائیں جانب کی چار پسلیاں مراد ہیں یا اس سے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں ہیں یا ہار لٹکانے کی جگہ کو ترائب کہتے ہیں۔ بیضاوی میں ہے نطفہ ہضم رابع سے پیدا ہوتا ہے یہ تمام اعضاء سے کشید ہوتا ہے تا کہ اس نطفہ میں صلاحیت پیدا ہو جائے کہ اس سے اس جیسے اعضاء پیدا ہو سکیں۔ اس کی قرارگاہ خصیتین کے نزدیک ایک دوسرے سے الجھی ہوئی رگیں ہیں۔ اس مادہ کی پیدائش میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر دماغ میں کمزوری ہو تو انسان کو سرعت انزال کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ دماغ کا ایک نائب بھی ہوتا ہے جو پشت میں ہوتا ہے۔ اس حرام مغز سے بہت زیادہ رگیں سینے کی طرف آتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں منی کے ذخیرہ ہونے والے برتن کے قریب ہیں۔ اس لئے انہیں خاص طور پر ذکر کیا۔

۴؎ ہ ضمیر خالق کی طرف لوٹ رہی ہے جو خلق من ماء سے سمجھا جا رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے کیونکہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو جب اس ہستی نے دوبارہ اٹھانے پر خبر دی جس کی صداقت کا اظہار معجزہ سے ہوا اب اس کا انکار کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۵؎ اس جملے کا تعلق یا تو رجعہ کے ساتھ ہے یا ایسے مضمر فعل کے ساتھ ہے جس پر رجعہ دلالت کرتا ہے۔ وہ مضمر فعل یبعث ہے، یعنی انسان کو اس دن اٹھایا جائے گا۔ جب اعمال، عقائد، نیات اور پوشیدہ راز سب ظاہر ہو جائیں گے اس دن سے مراد یوم قیامت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر فرما دے گا تو وہ راز چہروں پر زینت بن جائے گا۔

۶؎ وہ انسان جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا۔ اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اسے عذاب سے بچا سکے۔ اس جملہ میں فاء مقدر شرط کی وجہ سے ہے جو یہ ہے فاذا رجع۔ قوت اس چیز کو کہتے ہیں جو اس کی ذات میں ہو جس کے ساتھ وہ عذاب سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

''قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے ۱؎ اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے ۲؎ بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے ۳؎ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے ۴؎ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں ۵؎ اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں ۶؎ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں ۷؎''

۱؎ یہ دوسری قسم ہے جس کا سابقہ قسم پر عطف ہے۔ رجع سے مراد بارش ہے اسے رجع اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ ہر سال پلٹ کر آتی ہے۔ آسمان کو اس صفت سے اس لئے متصف کیا ہے کیونکہ ستارے جس جگہ سے حرکت شروع کرتے ہیں ایک رات دن یا مہینہ یا سال کے بعد اسی جگہ واپس آ جاتے ہیں۔

سورۃ الاعلیٰ

اٰیاتھا ۱۹ ۔ سورۃ الاعلیٰ مکیۃ ۸۷ ۔ رکوعھا ۱

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪ۙ﴿۳﴾

"(اے حبیب) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا[1] اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی[2]"

[1] اپنے رب کے نام میں الحاد کرنے اور اس کے نام کو کسی غیر پر بولنے سے اس کی پاکی بیان کریں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کریں۔ اس کی صورت یہ ہو جب بھی تو اس کا ذکر کرے تو تو اس کی عظمت بیان کرنے والا ہو اور تو اس کا اپنی طرف سے کوئی نام نہ رکھ بلکہ ایسے نام سے اسے یاد کر جو اس نے اپنی کتاب میں اپنے لئے ذکر کیا یا حضور ﷺ کی زبان پر وہ جاری ہوا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم سے مراد وہ ذات ہے جس کا یہ نام رکھا گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسم بمعنی مسمی ہے مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ۔ اس میں بھی اسماء سے مراد ذاتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم کا لفظ زائد ہے۔ پھر معنی یہ ہوگا اپنے رب کی زبان سے پاکی بیان کرو اور ملحد جو اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں اس سے اس کی پاکی بیان کرو یہ زبانی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے کا حکم ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت بھی اسی طرف گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سبح اسم ربک الاعلیٰ آیت پڑھی۔ فرمایا سبحان ربی الاعلیٰ۔ ایک قوم نے کہا یہ حکم مطلق ہے جو قول واعتقاد اور عمل سب کو شامل ہے۔ یہاں اسے قول کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ حدیث زبانی تسبیح کے لئے بطور دلیل مناسب نہیں بلکہ زبان کے ساتھ ایسی تسبیح کا تقاضا کرتی ہے جس میں زبان دل کی موافقت کرے۔ یہ بھی اس کا ایک معنی ہو سکتا ہے۔ یہ قول کہ دل کا زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے عظیم رب کے حکم کے مطابق نماز پڑھو۔ اس میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نماز میں زبان سے تسبیح بیان کرنے کے حکم پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہم نے سورۃ حاقہ میں عقبہ بن عامر سے روایت کی تھی کہ اسے تم اپنے سجدہ میں رکھ لو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ ہم نے رکوع وسجود کی تسبیحات کے مسئلہ کو وہاں ذکر کر دیا تھا۔ ہم دوبارہ اسے نہیں ذکر کریں گے۔

کے بجز اس کے جو اللہ چاہے کے بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے ۵ ''

لہ مرعی سے مراد وہ نباتات ہیں جسے چوپائے چرتے ہیں۔

لہ پھر اس کی سرسبزی و شادابی کے بعد سیاہ خشک ٹوٹا ہوا بنا دیا۔ احوی غثاء کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مرعی سے حال ہے، یعنی اس کھیتی کو سیاہ پیدا کیا کیونکہ وہ انتہائی سبز ہے اس لئے سیاہ کہہ دیا۔ جب جبرئیل امین حضور ﷺ کے پاس وحی لاتے ابھی وہ آیت سے فارغ نہ ہوتے تو حضور ﷺ آیت کا پہلا حصہ شروع کر دیتے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی کہ کہیں اس میں سے کوئی چیز بھول ہی نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔ تاہم اس کی سند میں جو یبر ہے جو بہت زیادہ ضعیف ہے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔

لہ اور کہا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کبھی نہ بھولے (2)۔ معنی یہ ہوگا جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے آپ پر نازل کیا ہے ہم قرأت کے الہام کے ساتھ آپ کو اس کا قاری بنا دیں گے ایک قول یہ کیا گیا کہ اصل میں یہ لاتنس نھی کا صیغہ ہے۔ اس کے آخر میں الف فاصلہ کے لئے ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کو یاد رکھنے کا اہتمام کرو، قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قرآن حافظ سے اتنی تیزی سے نہیں نکلتا (بھول جاتا) ہے جتنا اونٹ بھی اپنے ڈھنگے سے نہیں بھاگتا، متفق علیہ (3)۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حافظ قرآن کی مثال اس اونٹ کے مالک کی طرح ہے جس نے اونٹ کو ڈھنگا باندھا ہوا ہوا، گر وہ اس کا دھیان رکھے تو اسے روکے رکھتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو اونٹ بھاگ جاتا ہے، متفق علیہ (4)۔ حضرت سعد بن مسعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جو انسان بھی قرآن یاد کرے۔ پھر اسے بھول جائے تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور کوڑھی کی حیثیت میں حاضر ہوگا (5)۔ اسے ابو داؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

لہ شاء کا مفعول به ان ینساہ ہے جو محذوف ہے۔ یہ استثناء مفرغ ہے اور محل نصب میں ہے۔ جمہور کی تاویل کے مطابق اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کی تلاوت اور اس کا حکم منسوخ کر دیا۔ جس طرح اس آیت کا ظاہر معنی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا کیونکہ بھلا دینا بھی ایک طرح کا نسخ ہے۔

آیت کی اگر یہ تاویل کی جائے تو آیت میں دو طرح کا معجزہ ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ بھول جاتا ہے جبکہ حضور ﷺ سے بعد میں مطلقاً نسیان ثابت نہ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح خبر دی مستقبل میں اسی طرح واقع ہوا وہ بھی معجزہ ہے۔ جو یہ تعبیر کی گئی تھی لاتنس نھی ہے تو اس صورت میں استثناء کا معنی یہ ہوگا کہ بشری طاقت کے مطابق قرآن کو یاد رکھنے کا اہتمام واجب ہے اگر انسان کے اس اہتمام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اسے بھلا دے تو پھر انسان معذور ہوگا۔

۵ ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ قول اور فعل میں سے جو ظاہر ہے اسے بھی جانتا ہے اور اس میں سے جو مخفی ہے اسے بھی جانتا ہے۔ آپ جبرئیل امین سے بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے اور اس کے سبب یعنی بھول

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی)
4۔ ایضاً، صفحہ 267
5۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 315 (المحاسن)

[illegible] کے خوف کو بھی جاتا ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝

"اور ہم آپ کو بنا دیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل لہٰذا آپ نصیحت کرتے رہئے اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔ سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہو گا اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو (بڑی آگ) میں داخل ہو گا پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جئے گا بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔"

[illegible] ہم تمہیں توفیق دیں گے اور تم پر جنت کے عمل کو آسان کر دیں گے اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس [illegible] قرآن [illegible] فرمایا ہے اس کے مطابق اسے پڑھنے اور اسے یاد رکھنے اور اس کے مضمون کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اس کلام [illegible] قلب کا قاعدہ جاری ہو رہا ہو۔ تقدیر کلام یوں ہے نیسر الیسری لک۔ اس میں مبالغہ ہے کیونکہ آسانی حضور ﷺ کا مطلوب تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یسری کا مطلوب بنا دیا۔

میں کہتا ہوں یہی تو خالص شان محبوبی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الیسری بھلائی کا عمل ہے۔ ایک قول یہ ہے [illegible] اس کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو خفیف شریعت کی توفیق دیں گے (1)۔ اس جملہ کا عطف سنقرئک پر ہے اور انہ یعلم الجہر و ما یخفی جملہ معترضہ ہے جو درمیان کلام میں ذکر ہو رہا ہے۔ اس میں فاء کا ذکر سببیت کے لئے ہے، یعنی جب ہم نے آپ کو قرآن اور [illegible] آسان شریعت کی توفیق دی تو اس لئے اس کے مطابق نصیحت کیجئے۔

[illegible] یہ شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ پہلے ایسا کلام موجود ہے جو اس جزاء پر دلالت کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جب حضور ﷺ نے انہیں بار بار نصیحت کی اور بعض لوگوں سے مایوسی ثابت ہو گئی تو اس وقت یہ حکم نازل ہوا کہ آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں خود اپنے آپ کو نہ تھکاتے رہیں اور ان کی حرص نہ کرتے رہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَآ اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِجَبَّارٍ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ظاہر میں تو یہ شرط ہے تاہم مطلب یہ ہے کہ ان میں نصیحت کوئی نفع نہیں دے گی۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی مذمت کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دوسروں کو نصیحت اور نیکی کا حکم اسی وقت واجب ہے جب نفع کا گمان ہو۔ اسی وجہ سے جو مطلق منہ پھیر لیتے ہیں ان سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جملہ کا ایک حصہ محذوف ہے۔ اس سے مراد یہ ہے آپ نصیحت کریں خواہ نصیحت نفع دے یا نفع نہ دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے سرابیل تقیکم الحر۔ حالانکہ مراد صرف گرمی نہیں بلکہ گرمی اور سردی دونوں ہی ہیں۔ پھر اس کے بعد ان کا ذکر کیا جنہیں ذکر فائدہ دیتا ہے۔

[illegible] میں سے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ وہی قرآن میں غور و فکر کرتا ہے اور اس سے [illegible] کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

---

(1) [illegible]

۱۱ اس ذکر سے کافر اعراض کرتا ہے کیونکہ وہ فاسق سے زیادہ شقی ہے یا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو کافروں میں سے زیادہ شقی ہے کیونکہ وہ کفر میں غلو کرتا ہے۔ اس صورت میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہوگا یا عتبہ بن ربیعہ ہے۔

۱۲ جو جہنم کی آگ میں داخل ہوگا یا اس کے سب سے نچلے گڑھے میں داخل ہوگا۔

۱۳ پھر وہ جہنم میں مرے گا نہیں کہ عذاب سے راحت پائے اور نہ ہی اچھی زندگی پائے گا۔ ثم کے ساتھ صلی پر عطف کیا کیونکہ عذاب میں ہمیشہ کے لئے رہنا۔ یہ عذاب میں داخل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ یہ شدت کے مراتب اور وجود میں ان سے موخر ہے۔

۱۴ جس نے اپنے باطن کو شرک اور ظاہر کو نجاست سے پاک کیا تاکہ نماز پڑھ سکے اور اپنے مال کو زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ میل سے پاک کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دل کو اور [illegible] چیزوں میں مشغول ہونے سے پاک کیا۔ نفس کو رذائل سے اور اعضاء کو معاصی سے پاک کیا یہ زکوٰۃ سے مشتق ہے جس طرح تصدق صدقہ سے مشتق ہے۔ قد افلح والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے جو سوال یہ ہے کہ اس جہنم سے کس نے نجات پائی۔

۱۵ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قد افلح من تزکی کا معنی یہ ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی، شرک کا قلادہ گلے سے اتار پھینکا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں، ان کی محافظت اور ان کا اہتمام ہے۔ (۱)

احناف رحمۃ اللہ علیہم نے کہا اس سے مراد تکبیر تحریمہ کہنا اور نماز پڑھنا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا پہلی تکبیر نماز کا رکن نہیں بلکہ یہ شرط ہے کیونکہ یہاں فاء عاطفہ ہے جو مغایرت اور تعقیب پر دلالت کرتی ہے، یعنی معطوف اور معطوف علیہ مختلف چیزیں ہوتے ہیں اور معطوف کا بعد میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔

اعتراض

اس امر پر علماء کا اجماع ہے کہ عام کا خاص پر عطف جائز ہے جبکہ عام خاص پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح کل کا جزء پر عطف بھی جائز ہوگا۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں عام کا خاص پر عطف ایک بلاغی نکتہ کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ کل کا جب جزء پر عطف کیا جائے تو یہ چیز ثابت نہیں ہوتی جبکہ لغت عرب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا فرضوں پر نفلوں کی بناء درست ہے۔ اسی طرح نفلوں پر نفلوں کی بناء بھی درست ہے۔ ابو یسر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ نفل نماز پر فرض کی بناء بھی درست ہے جبکہ جمہور احناف رحمۃ اللہ علیہم نے اس سے منع کیا ہے۔ اسی طرح ایک فرض کے بعد دوسرے فرض کی بنا سے بھی منع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا شرط ہونا اس امر کا تقاضا نہیں کرتا کہ اقتداء درست ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ نیت شرط ہے لیکن ایک نیت کے ساتھ دو نمازیں صحیح نہیں۔ وضو شرط ہے ابتدائی دور میں ہر نماز کے لئے نیا وضو واجب تھا مگر نفلوں کی فرضوں پر تبع کے طور پر بناء درست ہے جس طرح ایک آدمی نے بھول کر ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھ دیں۔ وہ آخری قعدہ بیٹھا تو وہ ساتھ ہی چھٹی رکعت ملا لے اور سجدہ سہو کرے۔ یہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ رکن ہے کیونکہ اس کے لئے بھی وہ تمام چیزیں شرط ہیں جو دوسرے ارکان کے لئے شرط ہیں۔ یہی اس کے رکن ہونے کی نشانی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے

۱۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

پس تکبیر کہ یہ ان شرطوں کی رعایت اس قیام کی وجہ سے ہے جو اس تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہے؟ یا تکبیر تحریمہ کی وجہ سے شرط ہیں۔ اس بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی نے تکبیر تحریمہ کہی اور اس کے اول جزء میں اس کے جسم پر نجاست لگی ہوئی تھی یا شرمگاہ ننگی تھی یا سورج نہیں ڈھلا تھا یا قبلہ کی طرف رخ نہ تھا اس نے عمل یسیر کے ساتھ اس نجاست کو زائل کر دیا، پردہ ڈال دیا، سورج ڈھل گیا یا اس کا رخ قبلہ کی طرف ہو گیا جبکہ ان حالات میں تکبیر تحریمہ کا آخری جزء ادا کیا تو اس کے لئے نماز کا شروع کرنا جائز ہوگا۔

کافی میں اس نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک یہ تکبیر تحریمہ رکن ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس قول کی صورت میں یہ مذکورہ جزئیات درست نہ ہوں گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں ذکر اسم ربه سے مراد اذان اور اقامت ہے یعنی اس نے اذان اور اقامت کہی پھر اس نے نماز پڑھی۔ اس صورت میں تکبیر تحریمہ کو رکن ماننا ضروری نہیں۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تزکی کا معنی صدقہ فطر ادا کرنا ہے اور ذکر اسم ربه سے مراد عید کے روز تکبیرات کہنا ہے اور فصلی سے مراد عید کی نماز ادا کرنا ہے۔ عطا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے صدقہ فطر ادا کیا پھر نماز پڑھی۔ پھر بطور دلیل اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول مبارک یہ تھا جب عید کا روز ہوتا تو آپ فرماتے اے نافع کیا تم نے صدقہ فطر ادا کر دیا ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دیتا کہ میں نے صدقہ فطر ادا کر دیا ہے تو آپ عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے اگر وہ جواب میں صدقہ فطر ادا نہیں کیا تو آپ فرماتے ابھی اسے نکالو کیونکہ یہ آیت کریمہ اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربه فصلی الآیۃ کی تلاوت کرتے۔ ابو العالیہ، ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے میں اس کی وجہ نہیں جانتا کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ مکہ مکرمہ میں نہ عید تھی، نہ زکوٰۃ تھی اور نہ ہی صدقہ فطر (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جائز ہے کہ آیت کا نزول حکم سے پہلے ہو گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ یہ سورت مکی ہے جبکہ اس کا ظہور فتح مکہ کے روز ظاہر ہوا اسی طرح مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہوئی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ کونسا لشکر ہے جسے شکست دی گئی۔ جب غزوہ بدر کا دن تھا تو حضور ﷺ زرہ پہنے ہوئے تیز چل رہے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

میں کہتا ہوں سیھزم الجمع زمانہ مستقبل کے لئے آتا ہے۔ اس لئے حکم سے پہلے اس کے نزول میں تو کوئی منافات نہیں مگر یہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وذکر اسم ربه فصلی۔ یہ ایسا جملہ ہے جس میں کسی شے کے موجود ہونے سے پہلے اس کی حکایت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں صلوۃ سے مراد دعا ہے کیونکہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس اثنا میں کہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا کی اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ جا اللہ تعالیٰ کی اس حمد کے جس کا وہ مستحق ہے وہ اس کی حمد کر پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دعا کر۔ پھر ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا تو حضور ﷺ نے فرمایا اے نمازی اب دعا کر، اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول فرمائے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ

1۔ [illegible]

اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے نماز پڑھی جبکہ حضور ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی پھر حضور ﷺ پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا تو سوال کر تجھے عطا کیا جائے گا اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ شیخ اجل یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس آیت میں سلوک کی منازل کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی منزل توبہ وتزکیہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا فرمان قد افلح من تزکی اشارہ کرتا ہے۔ دوسری منزل زبان، دل، روح اور سر سے دائمی ذکر کرنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان و ذکر اسم ربہ دلالت کرتا ہے۔ تیسری منزل مشاہدہ کی ہے جس پر فصلی دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز مومنوں کی معراج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اسے امام احمد، امام نسائی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں ذکر کا تزکیہ پر واؤ سے عطف اور نماز کا اس پر فاء کے ساتھ عطف اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے طریقہ کے اذکار کی ترتیب میں بیان کیا ہے۔ آپ نے مبتدی کے لئے اسم ذات کا ذکر معین کیا، تزکیہ نفس میں نفی اور اثبات کو معین کیا اور فرمایا کہ نماز نفس کے تزکیہ کے بعد ہی مکمل فائدہ دیتی ہے اور فرمایا تجلیات ذاتیہ اور ان میں ترقی نماز سے ہی ممکن ہے، واللہ اعلم۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

"البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو[1] حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے[2] یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے[3] (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں[4]"

[1] ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تؤثرون کو یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر اشقیاء کی طرف لوٹے گی جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یا انہیں التفات کے طریقہ پر خطاب ہے یا اس سے پہلے قل کا لفظ محذوف ہے، یعنی وہ بدبخت اپنا تزکیہ نہیں کرتے اور تم اشقیاء بھی اپنا تزکیہ نہیں کرتے اور اپنے رب کا ذکر نہیں کرتے اور نہ تم نماز پڑھتے ہو بلکہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

[2] آخرت کی نعمتیں ہی حقیقت میں نعمتیں ہیں جو ہر خرابی سے پاک ہیں اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار، وصال اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ دنیاوی نعمتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ جملہ تؤثرون کے فاعل سے حال ہے۔

[3] ھذا کا مشار الیہ قد افلح سے لے کر آخر تک کی آیات ہیں۔ صحف اولی سے مراد سابقہ سماوی کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں کیونکہ قرآن تمام دینی امور کو جامع ہے اور تمام کتابوں کا خلاصہ ہے۔

[4] یہ الصحف سے بدل بعض ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے آیات کے اواخر میں امالہ کیا ہے جبکہ ورش نے بین بین پڑھا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے ذکری اور یسری میں امالہ کیا ہے جبکہ باقی میں بین بین

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 20 (العلمیہ)   2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 63

پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ان هذا لفي الصحف الاولى تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سب کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں تھا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اشارہ سورت میں بیان کردہ تمام احکام کے متعلق ہے۔ بعض احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں فارسی زبان میں قراءت جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جتنا آسان ہو قرآن سے اتنا ہی پڑھو پھر فرمایا یہ سب کچھ صحف اولیٰ میں موجود تھا اور فرمایا وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ جبکہ پہلے صحیفوں میں یہ نظم کلام موجود نہ تھا بلکہ اس کا معنی تھا۔ میں کہتا ہوں یہ استدلال ہوتی چیز نہیں کیونکہ قرآن نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تو اس سے مراد سورت کی نظم ہے کیونکہ یہی معجز ہے۔ اسی وجہ سے محدث اور جنبی کے لئے ترجمہ قرآن کو چھونا جائز ہے اور جو نفس سے فارسی میں ترجمہ پڑھنا جائز ہے۔ اس آیت میں معنی کی طرف اشارہ کرنا اور اسی طرح ضمیر کو قرآن کی طرف لوٹانا مجاز کے طور پر ہے۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قرآن صرف معنی کو کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اس سورت سے محبت کرتے تھے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سبح اسم ربک الاعلىٰ، قل يا ايها الكافرون اور آخری رکعت میں سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ الناس کی قراءت کرتے(2)۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو ابوداؤد، نسائی، امام احمد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، جب آپ ﷺ تین وتر ادا کرتے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلىٰ دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص کی تلاوت کرتے(3)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلىٰ اور هل اتىك حديث الغاشية کی تلاوت کرتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نماز میں سبح اسم ربک الاعلىٰ اور هل اتىك حديث الغاشية کی قراءت کرتے۔

فائدہ۔ اس سورت کا عروج میں بہت بڑا اثر ہے جس طرح سورۃ الم نشرح کا نزول میں بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ البدر المنثور، زیر آیت ہذا	2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 61 (وزارت تعلیم)
3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 61	4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 288 (قدیمی)

سورۃ الغاشیہ

اٰیاتھا ۲۶ — سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۸۸ — رکوعھا ۱

سورۃ الغاشیہ مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵

"کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر ۱؎ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے ۲؎ مشقت میں مبتلا تھکے ماندے ۳؎ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں ۴؎ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے ۵؎"

۱؎ یہاں استفہام تقریر کے معنی میں ہے، یعنی یقیناً آپ کو غاشیہ کی خبر پہنچی غاشیہ سے مراد وہ ساعت ہے جو اپنی سختیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ ہر چیز پر غالب آجاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا غاشیہ سے مراد آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ لیکن اس کے بعد کفار اور مومنین کا ذکر وجوہ یومئذ کے ساتھ آیا ہے جو پہلی تاویل کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۲؎ وجوہ کی تنوین کثرت بیان کرنے کے لئے ہے یا یہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وجوہ کثیرۃ یا وجوہ الکفار اسے مبتدا بنانا صحیح ہے کیونکہ یہ نکرہ مخصوصہ ہے یا یہ معرفہ کی قوت میں ہے۔ اس سے مراد چہرے والے ہیں اس صورت میں مضاف کو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا اور مضاف الیہ کو مضاف کا اعراب دیا گیا اور اس کی ایسی خبر ذکر کی جو مضاف کی خبر آتی ہے۔ یومئذ غاشیہ کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی يَوْمَ اِذَا كَانَتِ الْغَاشِيَةُ وُجُوْهٌ۔ اس روز چہرے حزن اور ذلت کی وجہ سے اترے ہوئے ہوں گے۔

۳؎ نصب کا معنی تھکنا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے کام نہیں کیا اب اللہ تعالیٰ جہنم میں ان سے کام لے گا اور انہیں زنجیریں اور بیڑیاں ڈال کر مشقت میں ڈالے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ جہنم میں یوں دھنس جائے گا جس طرح اونٹ کیچڑ میں دھنس جاتا ہے۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہیں جہنم میں منہ کے بل چلایا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ جہنم میں لوہے کے ایک پہاڑ پر چڑھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں کام کئے اور اپنے آپ کو تھکاتے رہے مگر وہ دین حق پر نہ تھے جیسے بتوں کے پجاری اور اہل کتاب میں سے کافر جیسے راہب وغیرہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی کے بارے میں ان کے اجتہاد کو قبول نہیں کرے گا بلکہ وہ قیامت کے روز جہنم میں داخل ہوں گے۔ سعید بن جبیر اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ

میں خشک کانٹے کو ضریع کہتے ہیں جس کے پتے نہیں ہوتے آخرت میں آگ کے کانٹے کو ضریع کہیں گے(1)۔ مفسرین نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا ہمارے اونٹ کو ضریع کھا کر موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایسی ہی ہوگی کیونکہ جب تک یہ تر ہو تو اونٹ اسے کھاتے ہیں۔ خصوصاً جب تک وہ شبرق رہے۔ جب وہ خشک ہو جائے تو پھر اسے کوئی چیز نہیں کھاتی تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

۲؎ یہ ضریع کی صفت ہے۔ کھانے کے بھی دو مقصد ہوتے ہیں کہ جسم کو تقویت پہنچائے اور بھوک مٹائے۔ یہاں اس سے یہی مراد ہے کہ ان کے لئے ضریع اور اس جیسی چیز کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا۔ یہ نہ موٹا کرے گا اور نہ ہی ان کی بھوک مٹائے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یعنی حضور ﷺ نہ کاہن ہیں نہ شاعر اور نہ ہی کسی ایسے وصف کے حامل جو رسالت کے منافی ہو۔ یہاں اس سے مراد بعض کافر ہیں جن کی ضریع غذا ہوگی۔ ضریع اور زقوم دونوں غذائیں دو دوسرے کفار کے لئے ہوں گی۔

۳؎ وجوہ کی یا تو کثیرۃ صفت محذوف ہے یا اس کا مضاف الیہ مؤمنین محذوف ہے وجوہ مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے یعنی اس روز بے شمار چہرے ایسے بھی ہوں گے جو خوش و خرم اور بارونق ہوں گے۔

۴؎ جب آخرت میں اپنے اعمال کا بدلہ دیکھیں گے تو دنیا کی اپنی سعی پر راضی ہوں گے۔ لسعیھا یہ راضیۃ کے ساتھ متعلق ہے۔

۵؎ جنت کی عالیۃ صفت اس وجہ سے ہے کہ جنت بلند جگہ پر واقع ہے اور اس کی شان بھی بڑی بلند ہے۔

۶؎ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے واحد مذکر مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور لاغیۃ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ نائب فاعل ہوگا اور یہ مونث غیر حقیقی ہے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لاغیۃ کو مرفوع ہی پڑھا ہے مگر صیغہ واحد مونث کا پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ واحد مونث غائب معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور ضمیر وجوہ کی طرف لوٹے گی یا واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے اور خطاب حضور ﷺ کو ہے یا مخاطب معین نہیں اور لاغیۃ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ آپ لغو یا باطل (ا) نہ سنیں گے یا لغو کلمہ (ب) نہ سنیں گے یا ایسے شخص (ج) کو نہیں سنیں گے جو لغو بات کر رہا ہو کیونکہ جنتیوں کا کلام سراپا ذکر اور حکمت ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں کہا لا تسمع جنۃ کی دوسری صفت ہے۔

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝

"اس میں چشمہ جاری ہوگا ۱؎ اس میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے ۲؎ اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے ۳؎ اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے ۴؎ اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے ۵؎"

۱؎ اس کا بہنا ختم نہ ہوگا اس کو نکرہ تعظیم کے لئے ذکر کیا۔ ابن حبان، حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی نہریں مسک کے پہاڑ سے نکلتی ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(ا) اس صورت میں لاغیۃ مصدر ہے۔ (ب) اس صورت میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور کلمہ کی صفت ہے۔

(ج) اس صورت میں بھی لاغیۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور نفس کی صفت ہے۔ مترجم۔

نہیں دیکھتے۔ اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے۔ فاء عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اتعجبون ویغفلون فلا ینظرون۔ یعنی وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کتنا طویل پیدا کیا گیا۔ جب اس پر سواری کا ارادہ کیا جائے تو یہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ پلنگ ہوں گے۔ وہ مومنوں کے لئے اسی طرح مسخر ہوں گے جیسے اونٹ انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

۲۔ کیا وہ آسمان کو نہیں دیکھتے اسے کتنا بلند بنایا گیا اور اس کے ستاروں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کتنے زیادہ ہیں، مخلوق کے حساب و کتاب میں نہیں آسکتے۔ اسی طرح جنت کے پیالوں کی تعداد ہوگی۔

۳۔ پہاڑ کتنے مضبوط ہیں جو اتنے طویل ہونے کے باوجود وہ ایک طرف جھکتے نہیں۔ اسی طرح ان گھروں کی حالت ہوگی۔

۴۔ جس طرح زمین پھیلا دی گئی ہے۔ اسی طرح قالین بچھے ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مرکب اور بسیط مخلوق کو نہیں دیکھتے جو خالق کی کمال قدرت پر دال ہیں تو اس کے ذریعے دوبارہ اٹھانے کی قدرت پر وہ استدلال کر سکیں اور اس مخبر صادق کی باتوں کو سنیں جس کی صداقت پر معجزات کی گواہی ہے اور اس پر ایمان لائیں اور اپنے مقصد و مدعا کے لئے تیاری کریں۔

یہاں مرکبات میں سے اونٹ اور بسائط میں سے تین چیزیں ذکر کیں کیونکہ یہ خطاب عربوں کو تھا۔ مقصود یہ تھا کہ جس چیز کا وہ اکثر مشاہدہ کرتے ہیں اس سے استدلال کیا جائے۔ عرب کیونکہ صحراؤں میں رہتے تھے، وہ آسمان کو دیکھتے یا زمین کو، پہاڑوں کو دیکھتے یا اونٹوں کو جبکہ اونٹ ان کے نزدیک قیمتی مال تھا اور تمام حیوانات سے زیادہ اسی کو وہ استعمال کرتے تھے اور حیوان سے نسل، دودھ، بار برداری، سواری اور گوشت کا جو مقصود ہوتا ہے وہ سب اس میں جمع ہیں جبکہ کوئی اور جانور ان تمام چیزوں کو جامع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے تخلیق کیا گیا کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور حسن تدبیر پر دلالت کرتی ہے کہ اتنا عظیم الجثہ ہونے کے باوجود وہ بوجھ لادنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، سامان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے، جو بھی اس کی نکیل پکڑے اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اس کی گردن لمبی ہے تا کہ درختوں سے پتے کھا لے اور ہر زمین کی جڑی بوٹی میں چر لے، وہ دس یا اس سے زائد دن بھی پیاس برداشت کر لیتا ہے تا کہ اس کے لئے جنگل و بیابان کو طے کرنا ممکن ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ابل سے مراد بادل ہے۔ قاموس میں ہے ابل جس کے پہلے دو حرف مکسور یا باء ساکن ہوتی ہے اس کو بادل کہتے ہیں جو بارش کا پانی اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان آیات کا معنی یہ ہے کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی ایسا ہے جو اونٹ جیسی چیز پیدا کرے آسمان جیسی بلند چیز بنائے پہاڑوں کو گاڑھے اور زمین کو ہموار بنا دے(1)۔

فَذَكِّرْ ۟ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۟ؕ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَۜیْطِرٍ ۟ۙ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَكَفَرَ ۟ۙ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۟ؕ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ۟ۙ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ۟

"پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے ۱۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں ۲۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا ۳۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے ۴۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے ۵۔"

۱۔ انہیں دلائل یاد کراتے رہیں تا کہ وہ ان میں سوچ و بچار کرتے رہیں۔ انما انت مذکر یہ ذکر فعل کی علت بیان کر رہا ہے، یعنی

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۂ فجر

اٰیاتھا ۳۰ ۔ سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۸۹ ۔ رکوعھا ۱

سورۂ فجر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ۚ﴿۴﴾ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ؕ﴿۵﴾

"قسم اس صبح کی [1] اور ان (مقدس) دس راتوں کی [2] اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی [3] اور رات کی جب گزرنے لگے [4] یقیناً اس میں قسم ہے عقل مند کے لئے [5]"

[1] اللہ تعالیٰ نے صبح کے طلوع ہونے کی قسم اٹھائی ہے۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی نقل کیا ہے۔ یہی عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فجر سے صبح کی نماز مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے محرم کی پہلی صبح مراد ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے ذی الحجۃ کا پہلا دن مراد ہے کیونکہ دس راتوں کو اس کے ساتھ ملایا گیا ہے۔(1)

[2] لیالی کو تعظیم کے لئے نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ذی الحجۃ کے دس دن مراد ہیں۔ یہی قتادہ، مجاہد، سدی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے جن دنوں میں عبادت کی جاتی ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ان دنوں میں ہر دن کا روزہ سال کے برابر ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہوتا ہے(3)۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا۔ ابو روق نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ ماہ رمضان کی پہلی دس راتیں ہیں۔

ابو ظبیان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یہ رمضان شریف کا آخری عشرہ ہے(4)۔ ہم نے رمضان شریف کے فضائل سورۂ بقرہ میں ذکر کئے ہیں۔ اسی آخری عشرہ میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ ہم اس کا ذکر لیلۃ القدر میں کریں گے، ان شاء اللہ۔ ایمان بن رباب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ محرم کا پہلا عشرہ ہے جس کا دسواں روز عاشورہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان شریف کے بعد افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نمازوں کے بعد افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(5)

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا — 2۔ ایضاً — 3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 354 (العلمیہ)

4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا — 5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 368 (قدیمی)

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا رات نہیں چلتی بلکہ اس میں چلا جاتا ہے۔ جب نسبت میں یہ تبدیلی کی گئی تو اعراب میں اسے اس کی صفت پر رکھا گیا۔ جس طرح عرب کہتے ہیں وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔ یہاں اسے بغیة نہیں فرمایا کیونکہ اسے باغية سے پھیر کر بنایا گیا ہے۔

۵۔ اسم اشارہ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ذکر ہو چکی ہیں۔ قسم کو تعظیم کی وجہ سے نکرہ ذکر کیا گیا۔ اس میں استفہام تقریری ہے۔ جملہ استفہامیہ کو درمیان میں اس لئے ذکر کیا تا کہ جن چیزوں کی قسم اٹھائی جارہی ہے ان کی عظمت شان کا ذکر ہو کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے عجائب میں سے ہیں اور حکمت کی بدیع چیزوں میں سے ہیں۔ عقل کو حجر کا نام دیا کیونکہ عقل انسان کو قبیح چیزوں سے روکتا ہے۔ جواب قسم اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو جواب کی تاکید کے لئے آیا ہے یا جواب محذوف ہے جو یہ ہو سکتا ہے لَاُهْلِكَنَّ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارَ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا یعنی میں ان کفار کو ضرور ہلاک کر دوں گا اگر یہ ایمان نہ لائے۔ جس طرح ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کر دیا اور مابعد کلام اسی پر دلالت کرتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝

"کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد[1] ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے[2]۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں[3] اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں[4]"

۱۔ نفی کے انکار کے لئے حرف استفہام آیا ہے۔ پس یہ اثبات کی وضاحت اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔ یہاں رؤیت کا لفظ یقین کے معنی میں ہے۔ بعد والا جملہ استفہامیہ مفعول بہ کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ قوم عاد کے افراد طویل عمریں رکھتے اور ان کفار سے زیادہ قوی تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ایسی ہوا ان پر مسلط کر دی جس نے انہیں نیست و نابود کر دیا تو ان کی حالت کیا حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ ارم یہ عاد کا بدل ہے یا اس سے عطف بیان ہے۔ علمیت عجم اور تانیث کی وجہ سے عطف بیان ہے۔ یہ عاد کے ایک قبیلہ کا نام تھا۔ حکومت انہیں میں ہوتی تھی۔ ارم قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور اس کا نسب یوں ذکر کیا گیا ہے ارم بن عاد بن سام بن نوح علیه السلام۔

محمد بن اسحق نے کہا ہے ارم عاد کا دادا تھا۔ اس صورت میں عاد قوم ارم کی ایک شاخ ہوگی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ارم وہی ہے جس پر عاد، ثمود، اہل سواد اور اہل جزیرہ کا نسب اکٹھا ہوتا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے عاد ارم اور ثمود ارم۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے عاد کو ہلاک کیا پھر ثمود کو ہلاک کیا۔ اہل سواد اور اہل جزیرہ باقی رہے۔ ان اقوال کی روشنی میں ارم ایک امت کا نام ہے جو بڑی تعداد اور طویل قدوں کے مالک تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کہا ہے، یعنی ان کے قد بھی عماد جیسے طویل تھے(1)۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے قد بارہ ہاتھ تھے۔ ہاتھ سے مراد حضور ﷺ کا ذراع مراد ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ان کے قد اس سے بھی زیادہ طویل تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس امت کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ وہ پختہ مکانوں اور خیموں والے تھے اور ان کے جانور تھے جنہیں وہ موسم بہار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چرنے کے لئے لے جاتے تھے۔ جب لوٹنا مناسب سمجھتے تو اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔ ان کے باغات، کھیتیاں اور گھر وادی قریٰ میں تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں ذات عماد کا نام اس لئے دیا گیا کہ وہ مکانوں

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا

ہلاک ہو۔ فرعون کی بیٹی نے کہا کیا میرے باپ کے علاوہ بھی کوئی تیرا معبود ہے؟ تو اس عورت نے کہا میرا، تیرے باپ کا، زمین و آسمان کا معبود ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون کی لڑکی اٹھی اور روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس گئی۔ تو فرعون نے اس سے پوچھا تو کیوں روتی ہے؟ تو لڑکی نے کہا تیرے خازن کی بیوی جو میرے سر کو کنگھی کرتی ہے وہ گمان کرتی ہے کہ تیرا، اس کا اور زمین و آسمان کا ایک ہی معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے اسے بلا بھیجا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو عورت نے جواب دیا تو ستر سال تک مجھے ذبح کرتا رہے میں اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کروں گی۔ اس عورت کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس کی بڑی بیٹی لائی گئی۔ فرعون نے اس عورت کے سامنے ذبح کرا دیا پھر فرعون نے اس عورت سے کہا اللہ تعالیٰ کا انکار کر دو ورنہ میں تیری چھوٹی بیٹی کو بھی ذبح کرا دوں گا۔ وہ ابھی دودھ پیتی تھی۔ عورت نے کہا اگر تو روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کو بھی ذبح کر دے تب بھی میں اللہ تعالیٰ کا انکار نہ کروں گی۔ تو فرعون نے اس بچی کو بھی منگوا لیا۔ جب اس عورت کے سینے پر اسے لٹایا گیا اور فرعون کے آدمیوں نے اس بچی کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو عورت گھبرا گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو قوت گویائی عطا فرمائی۔ اس بچی نے گفتگو کی۔ یہ ان چار بچوں میں سے ایک تھی جنہوں نے اس عمر میں بات چیت کی۔ بچی نے کہا ماں نہ گھبرا، اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں گھر بنایا ہے۔ صبر کر، بے شک تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل تک پہنچنے والی ہے۔ پھر اس کو ذبح کر دیا گیا۔ وہ ابھی مری ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں سکونت عطا کر دی۔

فرعون نے اس عورت کے خاوند حزقیل کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن وہ اسے تلاش نہ کر سکے۔ فرعون سے کہا گیا اسے فلاں جگہ فلاں پہاڑ میں دیکھا گیا ہے۔ فرعون نے اس کی تلاش میں دو آدمی بھیجے۔ جب وہ اس تک پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہا تھا اور وحشی جانوروں کی تین صفیں اس کے پیچھے مصروف عبادت تھیں۔ جب حزقیل نے ان کو دیکھا تو کہا تم پلٹ جاؤ حزقیل نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ میں نے سو سال تک اپنا ایمان چھپائے رکھا ہے، کسی پر میرا ایمان ظاہر نہ ہوا۔ ان دو آدمیوں میں سے جو بھی میرا یہ راز ظاہر کرے اسے جلدی اس دنیا میں سزا دینا اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم بنانا۔ دونوں آدمی فرعون کے پاس واپس آ گئے۔ ان میں سے ایک نے عبرت حاصل کی اور ایمان لے آیا۔ دوسرے نے بھری مجلس میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ اس نے کہا میرے ساتھ فلاں بھی تھا۔ بادشاہ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا کیا جو کچھ یہ کہتا ہے وہ درست ہے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ فرعون نے اسے انعام و اکرام سے نوازا اور جس نے خبر دی تھی اسے قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا۔

فرعون نے بنی اسرائیل کی ایک انتہائی خوبصورت عورت سے شادی کی تھی جس کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ کہتے ہیں اس نے وہ سب منظر دیکھا جو اس نے کنگھی کرنے والی عورت سے کیا تھا۔ آسیہ نے کہا فرعون نے اس مومنہ عورت سے جو سلوک کیا ہے میں اس پر کیسے خاموش رہ سکتی ہوں جبکہ میں مومنہ ہوں اور فرعون کافر ہے۔ آپ اپنے آپ سے یہی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ فرعون آ گیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔ حضرت آسیہ نے کہا اے فرعون تو مخلوقات میں سے سب سے شریر اور خبیث ہے۔ تو نے کنگھی کرنے والی عورت کا ارادہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ فرعون نے کہا شائد تجھے بھی وہی جنون لاحق ہے جو اس عورت کو جنون لاحق تھا۔ حضرت آسیہ نے کہا مجھے تو کوئی جنون نہیں، بے شک میرا اس کا، تیرا اور زمین و آسمان کا اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے حضرت آسیہ کے کپڑے پھاڑ دیئے، اسے مارا اور حضرت آسیہ کے والدین کی طرف پیغام بھیج دیا اور ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں کہ جنون کا جو مرض اس کنگھی کرنے والی عورت کو تھا وہ مرض اس کو بھی لگ گیا ہے۔ حضرت آسیہ نے کہا میں اس جنون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی

ہوں۔ میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ میرا، تمہارا اور زمین و آسمان کا رب ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت آسیہ سے والد نے کہا کہ تو اس وقت عمالقہ کے خاندان کی بہترین عورت ہے اور تیرا خاوند خدا اللہ کا معبود نہیں تو حضرت آسیہ نے جواب دیا [illegible] میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو اس سے کہو کہ وہ مجھے ایسا تاج پہنائے جس کے آگے سورج ہو [illegible] پیچھے اور ستارے اس کے ارد گرد ہوں۔ فرعون نے حضرت آسیہ کے والدین سے کہا تم دونوں میرے پاس سے نکل جاؤ [illegible] چار میخیں [illegible] دیا تاکہ حضرت آسیہ کو اذیتیں دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا تاکہ فرعون جو سلوک آپ سے کر رہا ہے اس کو برداشت کرنا آپ کے لئے آسان ہو جائے۔ اس موقع پر حضرت آسیہ نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی اور انہیں جنت میں سکونت عطا فرمائی (1)۔ فرعون کی ایک بیوی تھی جس نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا تھا۔ جب فرعون کے [illegible] والوں نے انہیں پانی سے پکڑا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام [illegible] اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں پانی میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس وقت جب آپ کی والدہ کو خوف لاحق ہوا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دے گا۔ اس سارے واقعہ کو سورۂ قصص میں بیان کیا گیا ہے۔ فرعون کی بیوی نے کہا تھا یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ امید ہے کہ ہمیں اس سے نفع حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آسیہ کو نفع دیا کیونکہ یہ ایمان لے آئی تھیں۔

1۔ یہ موصول محل جر میں ہے اور مذکورہ افراد کی صفت ہے یا ذم کے طور پر منصوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا ہے۔ فی البلاد جار مجرور طغوا کے متعلق ہے۔

2۔ فاکثروا کا عطف طغوا پر ہے۔ فیہا میں ھا ضمیر سے مراد البلاد ہے۔ فساد سے مراد کفر اور ظلم ہے۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

"پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے۔"

فصب کا عطف طغوا پر ہے اور اس میں فاء سببیہ ہے۔ سوط عذاب سے مراد ایسا عذاب ہے جو مختلف عذابوں سے ملا ہوگا۔ یہاں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس طرح اخلاق ثیاب ہے۔ سوط کا اصل معنی ملانا ہے۔ چابک کو سوط اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ریشے بھی ملے ہوتے ہیں۔ دنیا میں جو عذاب انہیں دیا جاتا ہے اسے سوط سے تشبیہ دی گئی تاکہ انہیں اس بات کا شعور دلایا جائے کہ وہ یہ تصور کریں کہ انہیں آخرت میں کیسا عذاب ہوگا کیونکہ آخرت کے عذاب سے نسبت وہ ہوگی جو تلوار کو چھڑی سے ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے عذاب کا کوڑا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر برسایا۔ [illegible] نے کہا یہ کلام استعارہ کے طریقہ پر ہے۔ سوط سے اشارہ سخت ترین عذاب کی طرف ہے اور صب سے [illegible] عذاب کی طرف ہے یعنی ان کی طرف ایک ہی دفعہ سخت عذاب نازل کیا جائے گا۔

3۔ یہ جواب قسم ہے یا محذوف جواب کی وضاحت کر رہا ہے۔ مرصاد اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں تاک لگانے والے بیٹھتے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

کا تاڑ میں ہونا اصل میں اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ اس لئے وہ ان کے اعمال کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ اس کا علم ان کے تمام اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہوسکتی۔ جس طرح اس آدمی سے گزرنے والا اوجھل نہیں ہوسکتا جو تاڑ میں بیٹھا ہوا ہو جبکہ انسان اس سے غافل ہے۔ اس کے لئے دنیا اور اس کی لذتیں ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے مابعد کلام کو اس پر عطف کیا ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾

"مگر انسان (بھی عجیب شے ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی [1] اور جب اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا [2]"

[1] جب اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان غناء اور آسانی کے ساتھ لیتا ہے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ انسان احسان کرنے والے کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ اذا ظرف یقول کے متعلق ہے۔ یعنی انسان کو دنیا میں جاہ وحشمت سے نوازتا ہے اسے مال، بیوی، اولاد اور دوسری چیزیں عطا فرماتا ہے۔ اکرمہ اور نعمہ دونوں جملے ابتلٰہ کا بیان ہیں۔

فیقول یہ الانسان کی خبر ہے اور جزاء کے قائم مقام ہے کیونکہ شرط کا معنی پایا جا رہا تھا اس لئے اس پر فا آئی ہے۔ کوفیوں، ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے ربی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ ربی اھانن کی قرأت میں بھی یہی صورتحال ہے۔ وہ انسان کہتا ہے میرے رب نے مجھے سب کچھ عطا کر کے فضیلت دی۔ یعقوب اور بزی رحمہما اللہ تعالیٰ نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں اکرمن اور اھانني کی یاء کو قائم رکھا ہے جبکہ نافع رحمۃ اللہ علیہ نے صرف وصل کی صورت میں یاء کو قائم رکھا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے آیات کے سروں پر قیاس کرتے ہوئے اسے (نون کو) جزوی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ حذف کو واجب کرتے ہیں۔ ابوعمر دالانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے اسی طرح پڑھا ہے۔ اسی کو دوسرے لوگوں نے اپنایا جبکہ باقی قراء نے یاء کو دونوں حالتوں میں حذف کیا ہے۔

[2] جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے فقر کے ساتھ آزمایا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ یہ جزع فزع کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر ناشکری کرے۔

ابن عامر اور ابوجعفر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فقدر کی دال کو مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا پہلی صورت کا معنی کمی کرتا ہے اور دوسری صورت کا معنی اتنا عطا کرتا جو کفایت کر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں قرأتوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی رزق میں کمی کی یہاں اَهَانَهٗ وَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ کے الفاظ نہیں فرمائے۔ جس طرح پہلی آیت میں فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ کے الفاظ فرمائے تھے کیونکہ دنیا میں مال عطا کرنا فضل واحسان ہے جو شکر کو واجب کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ آخرت میں بھی تکریم کا موجب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزوں پر رشک کیا جانا چاہئے ایک وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی ہو اور وہ ہر لحظہ اس پر عمل پیرا رہتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے

مال عطا کیا ہو، وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا رہتا ہو، متفق علیہ (1)۔ مگر مال میں کمی یہ صرف ذلت و رسوائی نہیں۔ انسان اپنے نفس کی محتاجی اور دنیا میں انہماک کی وجہ سے یہ کہتا ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ آیت امیہ بن خلف کے بارے میں (2) نازل ہوئی۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝

"ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی۔"

بات اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتا ہے کیونکہ بعض اوقات دنیاوی مال و دولت اور نعمتیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے استدراج ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ شکر نہ ملا ہوا ہو بلکہ بعض اوقات شکر کی موجودگی میں بھی استدراج ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں شاکر غنی کو صابر فقیر پر فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دیتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضعیف لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہاجر فقراء اغنیاء کی نسبت چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال اور نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے (4)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور فقر اور ضعف جب صبر کے ساتھ مل جائیں تو وہ نعمت ہوتے ہیں اہانت نہیں ہوتے۔ قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا کو اس سے الگ کر دیتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کرواتے ہو (5)۔ اسے امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔

تم یتیم پر مال خرچ کر کے اس کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم اس سے محبت کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال و دولت عطا فرما کر تمہیں عزت دی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے تم اس کا حق نہیں دیتے۔ لا تکرمون کا عطف یقولون پر ہے۔ ... یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں منہمک ہیں یہاں تک کہ وہ یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قدامہ امیہ بن خلف کے پاس بطور یتیم پرورش پا رہا تھا اور وہ قدامہ کو اس کا حق نہیں دیتا تھا (6)۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے لا یکرمون، لا یحضون، یاکلون اور یحبون کو یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ان افعال کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور انسان سے اس کا معنی پیش نظر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ جنس ہے۔ سابقہ آیات میں جو ضمیریں مفرد گزری ہیں وہ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے لائی گئی ہیں۔ جبکہ باقی قراء نے التفات کے طریقہ پر مخاطب کے صیغے پڑھے ہیں۔

کوفیوں نے باب تفاعل سے حاء کے بعد الف سے اس صیغہ کو پڑھا ہے اور ایک تاء کو حذف کیا ہے، یعنی ترغیب ...

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی)　2۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا　3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 410 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 154 (العلمیہ)　5۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 144　6۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

پر برانگیختہ نہیں کرتے جبکہ باقی قراء نے الف کے بغیر پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا تم دوسروں کو برانگیختہ نہیں کرتے، چہ جائیکہ تم اپنے اموال سے ان پر خرچ کرو۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

''اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال [1] اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو [2]''

[1] تراث کا معنی میراث ہے۔ اصل میں یہ وارث تھا۔ واؤ کو تاء سے بدل دیا، یعنی حرام و حلال کو جمع کر کے کھاتے رہتے ہو۔ وہ اپنے حصوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے حصے بھی کھا جاتے تھے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اکلا لما سے مراد یہ ہے کہ جو چیز ملے اسے کھا جائے، یہ نہ پوچھے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مورث نے حلال و حرام میں سے جو کچھ جمع کیا ہوتا اسے جانتے ہوئے کھا جاتے۔

[2] تم مال سے حد درجہ محبت کرتے ہو اور اس کے حریص ہو۔

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

''یقیناً جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا [1] اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے [2]''

[1] جو کچھ وہ کرتے تھے اس سے انہیں جھڑکا جا رہا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا وہ کیوں بجا نہیں لاتے (2) یا کلا حقاً کے معنی میں ہے اور اس کے بعد میں جو وعید ذکر کی جا رہی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے ہے اور ان کی طرف سے حسرت کرنے کی خبر دیتا ہے جس وقت حسرت انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ جب زمین میں یکے بعد دیگرے زلزلہ برپا ہو جائے گا یہاں تک کہ اس پر جو پہاڑ، درخت اور عمارتیں ہوں گی سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گی اور وہ سب ذرات بن جائیں گے۔

[2] جاء کا عطف دکت پر ہے یہ متشابہات میں سے ہے ہم نے سورۂ بقرہ میں سلف صالحین اور متاخرین کے اقوال ذکر کئے تھے۔ ساتھ ہی اصحاب قلوب کا نقطۂ نظر بھی بیان کیا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ۔

الملک میں الف لام جنس ہے۔ صفًا صفًّا یہ الملک سے حال ہے یعنی فرشتے ایک صف کے بعد دوسری صف میں آئیں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنے مکینوں کے ساتھ پھٹ جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا تو فرشتے اس کے کناروں پر جمع ہو جائیں گے۔ پھر وہ نیچے اتریں گے زمین پر اور زمین کے مکینوں کو گھیر لیں گے۔ پھر دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کو حکم دے گا۔ تو وہ فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں گے پھر ملک اعلیٰ اترے گا اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی۔ جب اہل زمین اس جہنم کو دیکھیں گے تو زمین کی جس طرف بھی آئیں گے۔ وہاں فرشتوں کی سات صفیں پائیں گے۔ پھر جس جگہ سے وہ آئے تھے اسی مکان کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ کا یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِيْءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ اور اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

اکرمن ربی اھانن ظرف میں کیونکہ شرط کے معنی پائے جا رہے ہیں اس لئے یہ اس کی جزاء ہے، یعنی وہ اپنے معاصی کو یاد کرے گا۔ نصیحت حاصل کرے گا اور توبہ کرے گا۔ انی له الذکری میں استفہام انکاری ہے، یعنی اسے نصیحت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ توبہ کی قبولیت کی یہ شرط ہے کہ وہ غیب پر ایمان لائے۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

"(اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لئے [1] پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا [2] اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا [3]"

[1] وہ انسان حسرت کرتے ہوئے یہ بات کرے گا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے جو یہ ہو سکتا ہے فما یصنع حین یتذکر، تو وہ کہے گا ہائے کاش میں نے دنیا میں اس زندگی کے لئے اچھے اعمال کئے ہوتے۔ جس تک موت کی رسائی نہیں یا یہاں لام وقت کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے دنیاوی زندگی میں اچھے اعمال کئے ہوتے۔

[2] یومئذ کا عطف سابقہ یومئذ پر ہے اور ظرف مابعد کے متعلق ہے۔ عذابه حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے جیسے کعذابه۔ یہی صورت وثاقه احد کی ہے۔

[3] کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے لا یعذب اور لا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی جس قسم کا عذاب اسے (کافر کو) دیا جا رہا ہے ایسا عذاب کسی انسان کو نہیں دیا جائے گا۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب الف لام جنسی ہو یا اس کا معنی ہے کہ اس معین انسان جیسا عذاب کسی اور کو نہ دیا جائے گا۔ اس سے مراد امیہ بن خلف ہے اور جیسا اسے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا۔ کسی اور کو ایسی سزا نہ دی جائے گی جبکہ باقی قراء نے ان دونوں صیغوں کو معروف پڑھا ہے۔ اس صورت میں عذابه اور وثاقه کی ضمیر مجرور یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی اور دونوں میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہوگا۔ یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس کے عذاب اور پکڑ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اس دن معاملہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگا۔ یا ضمیر کافر انسان کی طرف لوٹے گی۔ اس صورت میں دونوں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہوں گے یعنی وارد تے اسے جو عذاب دے رہے ہیں۔ ایسا عذاب کسی اور کو نہ دیں گے۔ ان تاویلات کی صورت میں یومئذ لا یعذب اور لا یوثق کے متعلق ہوگا۔ یہاں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہوگا۔ معنی یہ ہوگا ازل سے ابد تک کسی نے کسی دوسرے کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا جیسا عذاب اللہ تعالیٰ اسے دے گا اور کسی نے کسی دوسرے کو اس طرح نہیں پکڑا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس روز اسے پکڑا ہوگا۔ حینئذ یہ عذاب یا وثاق مصدر کے متعلق ہوگا۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

"اے نفس مطمئن [1] واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی [2] پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں [3]"

نے یہاں قول محذوف ہے اور یہ مقول ہے دونوں مل کر جملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے سوال ہے کہ کافروں کی حالت تو بیان کر دی گئی مومنوں کی کیا حالت ہے تو تقدیر کلام یہ ہوگی یقال للمؤمنین یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ وہ نفس جو اللہ تعالیٰ کی اور طاعت میں یوں مطمئن ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں مطمئن ہوتی ہے۔ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک رذیل صفات اس سے زائل نہ ہو جائیں جو اس کے نفس امارہ ہونے کا موجب تھیں۔ ان صفات کا زوال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات محمودہ کی تجلیات نصیب نہ ہوں اور نفس ان صفات میں فنا نہ ہو جائے اور ان سے بقاء نہ پا جائے۔ اس وقت وہ حقیقی ایمان پانے والی ہو جائے گی جس طرح کہ تانبا اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا جب تک وہ سونا نہ بن جائے۔ اس میں فناء ہو اور نفس کی صفات کی صورت میں باقی نہ ہو اسی صورت میں حلال اور پاکیزہ ہوگا۔

تم اسماء اور صفات کے حجاب کے بغیر محض اس کی ذات کی طرف لوٹ جاؤ اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضور ﷺ کے رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو۔ راضیة یہ ارجعی کے فاعل سے حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا، متفق علیہ(1)۔ یہاں ایمان کا ذائقہ چکھنے سے مراد حقیقی ایمان کا پانا ہے۔

بندہ جب اللہ تعالیٰ پر راضی ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ بندے کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا کا نتیجہ ہے اور اس پر دلیل ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتا ہے تو وہ نفس اس پر اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس پر راضی ہوتا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے(2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے کہا کہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بات اس طرح نہیں بلکہ مومن پر جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے کرامت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کے لئے جنت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے جب اسے موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے (عذاب) اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ متفق علیہ(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے سفید ریشمی کپڑا لاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اے نفس اس حال میں جسم سے نکل کہ تو اللہ تعالیٰ پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی نعمتوں اور راضی رب کی طرف جا تو وہ جسم سے یوں نکلتی ہے جیسے کستوری سے بہترین خوشبو نکلتی ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے ایک دوسرے سے لیتے رہتے ہیں اور آسمان کے دروازوں تک پہنچاتے ہیں تو آسمان والے فرشتے کہتے ہیں کتنی عمدہ خوشبو ہے جو

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 47 (قدیمی) 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 343 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 343 (قدیمی)

زمین کی طرف سے تم تک پہنچی ہے۔ پھر فرشتے اس روح کو مومنوں کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں تو ان روحوں کو اس کے آنے سے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی تمہیں غائب مسافر کے آنے سے بھی نہیں ہوتی تو مومنوں کی روحیں اس سے پوچھتی ہیں فلاں کا کیا حال ہے تو دوسرے کہتے ہیں اسے رہنے دو کیونکہ وہ غم دنیا میں مبتلا تھا تو وہ جواب دیتا ہے وہ تو مر چکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا تو مومنوں کی روحیں کہتی ہیں وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ تک جا پہنچا ہے۔

کافر کی جب موت کا وقت آتا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کا لباس لاتے ہیں۔ وہ اسے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف نکلو اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ پر ناراض ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ پر ناراض ہے۔ تو اس کی روح نکلتی ہے جو مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوتی ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے زمین کے دروازے تک لاتے ہیں تو زمین کے فرشتے کہتے ہیں یہ کتنی بدبودار ہے یہاں تک کہ وہ اسے کفار کی روحوں تک لاتے ہیں۔ اسے امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی ایسے ہی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے پھر نفس مومنہ کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اس کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبِ کے الفاظ سے خوش آمدید کہا جاتا ہے یعنی پاکیزہ نفس کو خوش آمدید جو پاکیزہ جسم میں تھا۔ کافر کے نفس کے بارے میں فرمایا پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے خبیث نفس کو خوش آمدید جو خبیث جسم میں موجود تھا، مذمت کیا گیا واپس لوٹ جا۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے پھر اسے آسمان سے قبر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔

اس گفتگو کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ یہ سب باتیں موت کے وقت اس سے کی جاتی ہے جس طرح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ نے ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کے بارے میں فرمایا یہ اس وقت اسے بات کہی جاتی ہے جب وہ دنیا سے نکلتا ہے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اسے فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی کہا جائے گا۔ دوسرے علماء نے یہ کہا جب قیامت برپا ہوگی یہ اس وقت اسے کہا جائے گا یعنی میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جاؤ، یعنی اپنے جسم میں داخل ہو جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو حکم دے گا کہ وہ جسموں میں داخل ہو جائیں۔ یہ عکرمہ، عطاء اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اپنے رب کے ثواب کی طرف لوٹ جاؤ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اس پر تم راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو(1) اور میرے بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ میں کہتا ہوں آیت کا سیاق اسی قول کی تائید کرتا ہے کہ یہ باتیں نفس سے قیامت کے برپا ہونے پر کی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اٹھائے جانے پر کفار کا حال یوں ذکر کیا ہے فیومئذ لایعذب عذابہ۔ اسی طرح مومنین سے جو وہ ارشاد فرمائے گا اس کا ذکر فرمایا جبکہ بے شمار احادیث پہلے قول کی تائید کرتی ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ باتیں موت اور دوبارہ اٹھائے جانے کے دونوں مواقع پر کی جائیں گی بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں ہی نفس اس خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کے مدارج اور اس کی تجلیات ذاتیہ کی طرف پلٹ آؤ اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورة البلد

ایاتھا ۲۰ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۹۰ رکوعھا ۱

سورۃ البلد مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾

"میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی [1] درآں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں [2] اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی [3] بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لئے) پیدا کیا [4] کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا [5]"

[1] لا زائدہ ہے جو قسم کی تاکید کے لئے ہے اور قسم کی وضاحت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ قسم سے غنی ہے۔ ھذا البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

[2] یہ جملہ مقسم بہ (البلد) سے حال ہے اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی قسم اٹھائی مگر یہ قید لگائی کہ حضور ﷺ اس میں تشریف فرما ہیں۔ مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس شہر کو ذاتی طور پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ تاہم اس کو مزید یہ شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا اے شہر مکہ تو کتنا پاکیزہ ہے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم تجھ سے مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور شہر میں سکونت اختیار نہ کرتا (1)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن عدی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔ (2)

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے آپ کو نکالنے کو یوں حلال سمجھا گیا جس طرح تیرے علاوہ کسی اور جگہ شکار کو شکار کرنے کو حلال سمجھا جاتا ہے۔ یہ جملہ جملہ معترضہ ہے۔ مقصود اس شہر کے کفار کی مذمت بیان کرنا ہے جو آپ کو یہاں سے نکالنا اور آپ کو قتل کرنے کو حلال جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی حرمت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی قسم کھائی ہے۔ پھر فرمایا کہ کفار کے گمان کے مطابق آپ اس شہر میں یوں حلال سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ آپ کو یہاں سے نکالنے اور آپ کے قتل کو حلال جانتے ہیں جبکہ وہ اس شہر میں شکار کے قتل کو حرام جانتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کفار کے قتل اور ان کے قید کرنے کا جواز اور رکھتے ہو وہ اس شہر میں آپ کے لئے حلال ہے جبکہ یہ لوگوں

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 223 (العلمیہ)
2۔ ایضاً، جلد 13، صفحہ 222

۵ یحسب کی ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس میں استفہام انکار اور توبیخ کے معنی میں ہے۔ اگر انسان سے مراد ابی الاشد ہو تو پھر ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنی قوت سے دھوکہ کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ اگر الانسان سے مراد جنس ہو اور ضمیر الانسان کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر بعض افراد کے اعتبار سے اسے مفرد ذکر کیا ہے اور یہ وہ فرد ہوگا جس سے حضور ﷺ نے دوسرے افراد کی بنسبت زیادہ مشقتیں اٹھائیں وہ ابوالاشد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔

ان لن یقدر میں ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور جملہ یحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ احد نکرہ ہے جو نفی کے تحت داخل ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ ابوالاشد کا یہ خیال تھا کہ عذاب کے فرشتے اس پر قدرت نہیں رکھیں گے یا احد سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا ابوالاشد یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ جس نے اسے اس قوت کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں اور اس سے انتقام نہیں لے گا۔

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰

"کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لئے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ اور ہم نے دکھا دیں اسے دونوں نمایاں راہیں۔"

ا وہی انسان کہے گا۔ یہ جملہ یحسب کے فاعل سے حال ہے۔ اھلکت مالا لبدا قول کا مقولہ ہے۔ لبدا یہ لبدۃ کی جمع ہے۔ یہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو تہ در تہ جمع ہو جائے اور کثیر ہو اور جمع ہو شاید وہ فخر اور ریاکاری کے طور پر اپنا مال زیادہ خرچ کرنے کا ذکر کرتا تھا یا حضور ﷺ کی دشمنی میں مال خرچ کرنے کے بعد یہ کہتا اور قریش کے کفار اس کی فضیلت اور حضور ﷺ کے ساتھ اس کی دشمنی کو تسلیم کرتے۔

۲ بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے جو وہ اپنا مال ریاکاری اور حضور ﷺ کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے یہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اس عمل پر بدلہ دے گا اور اس سے انتقام لے گا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی کہا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اپنے فخر کرنے میں جھوٹا تھا۔ وہ جو یہ کہتا کہ میں نے اتنا اتنا مال خرچ کیا جو کچھ وہ کہتا تھا اس نے وہ تمام مال خرچ نہیں کیا تھا (1)۔ یہ جملہ ایحسب ان یقدر علیہ کے بعد توبیخ اور انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کیا تاکہ وہ انسان اس کا اقرار کرے۔ نیز یہ چیز اس کی دلیل بن جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لینے پر قادر ہے۔

۳ ان آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے، زبان سے وہ کلام کرتا ہے اور ہونٹوں کے ساتھ وہ اپنے منہ کو چھپاتا ہے اور ان دونوں سے وہ بولنے، کھانے پینے اور پھونکنے پر مدد لیتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم سے فرمائے گا اگر تیری زبان حرام کردہ چیزوں کے بارے میں جھگڑے تو میں نے دو ہونٹوں کے ساتھ تیری مدد کی۔ پس زبان پر ان ہونٹوں کو بند کر دے۔ اگر تیری آنکھ تجھ سے حرام کردہ چیزوں میں جھگڑے تو میں نے دو پردوں کے ساتھ تیری مدد کی ہے، ان دو پردوں کو آنکھ پر بند کر دے۔ اگر تیری شرمگاہ حرام کردہ چیزوں میں تجھ سے جھگڑے تو میں نے تجھے دو پردے دیئے ہیں تو ان پردوں کو ان پر بند رکھ۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ساتھ گزرے گا کوئی تیز ہوا کی صورت میں گزرے گا، کوئی گھسٹتے ہوئے گزرے گا، کوئی پھسل کر اس میں گرے گا اور کوئی ان کانٹوں اور آنکڑوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گرے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے راستہ پر کیوں نہ چلا جس میں اس کے لئے نجات ہے۔ پھر اس راستہ کی وضاحت کی۔(1)

؎ تم نفس پر اس کی مشقت اور اس کے ثواب کو نہیں جانتے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا اَدْرٰىكَ اس کے بارے میں آگاہ کر دیا اور جس کے بارے فرمایا وما یدریک اس کے بارے میں آگاہ نہ کیا(2)۔ اگر عقبہ سے مراد طاعات لی جائیں تو پھر تقدیر کلام کی ضرورت نہیں۔ اگر اس سے مراد گناہوں کا بوجھ ہے تو پھر تقدیر کلام اسی طرح ہوگی مَا اَدْرٰىكَ مَا اقْتِحَامُ الْعَقَبَةِ وَالْخُرُوْجُ عَنْهَا۔

؎ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فک کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور رقبہ کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت میں نصب دی ہے۔ اسی طرح اطعم کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ یہ دونوں فعل اقتحم سے بدل ہیں یا اس کا بیان ہیں اور ما ادرک ما العقبہ والا جملہ جملہ معترضہ ہے جبکہ باقی قراء نے فک کے کاف کو مضموم اور رقبة کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ مضاف مضاف الیہ ہیں۔ اطعام پر تنوین پڑھی ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی هي فك رقبة۔ فک رقبة کا لفظ مکمل غلام آزاد کرنے، اس کی قیمت میں مدد کرنے مکاتب یا جس کا بعض حصہ آزاد کیا جا چکا ہو اس کے باقی ماندہ حقوق کی ادائیگی میں مدد کرنے کو شامل ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے تو حضور ﷺ نے فرمایا تو نے بات مختصر کی مگر مسئلہ طویل پوچھا غلام آزاد کر اور غلام کو گلو خلاصی کرا دو تو اس نے پوچھا کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں۔ فرمایا نہیں، غلام آزاد کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تو اکیلے غلام کو آزاد کر اور گلو خلاصی کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں اس کی مدد کر اور منحہ کا معنی یہ ہے کہ ظالم رشتہ دار کی طرف تو خود رجوع کر اگر تو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو بھوکے کو کھانا کھلا، پیاسے کو پانی پلا، نیکی کا حکم دے اور منکر سے روک دے۔ اگر تو یہ بھی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان کو اچھی بات کہنے کے علاوہ ہر چیز سے روک دے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(3)۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ایک عضو جہنم سے آزاد کر دے گا(4)۔ یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے عوض اس کی شرمگاہ بھی آزاد کرے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فک رقبة کا معنی توبہ کر کے گناہوں سے آزادی حاصل کرنا ہے۔(5)

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ شعب الایمان، جلد 4، صفحہ 66-65 (العلمیہ)
4۔ صحیح بخاری، جلد 6، صفحہ 2469 (ابن کثیر)
5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

"یتیم کو جو رشتہ دار ہے یا خاک نشین مسکین کو۔ پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔"

۱۔ مسغبة، متربة، مقربة یہ مفعلة کے وزن پر مصدر میں ہیں۔ مسغبة یہ سغب سے مشتق ہے جس کا معنی بھوکا ہونا ہے۔ مقربة قرب سے مشتق ہے جس کا معنی نسب میں قریبی ہونا ہے۔ متربة یہ ترب سے مشتق ہے جس کا معنی محتاج ہونا ہے۔ انتہائی محتاج ہونے کی وجہ سے وہ مٹی کے ساتھ مل گئے۔ یوم ذی مسغبة کے ساتھ جو صفت لگائی گئی ہے یہ مجازی ہے۔ ظرف اطعام کے متعلق ہے یتیما اور مسکینا مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔

۲۔ اس جملہ کا عطف اقتحم پر ہے یا فک پر ہے ثم کے ساتھ اس لئے عطف کیا گیا کہ غلام آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کی نسبت ایمان لانے کا درجہ بہت بلند ہے۔ نیز یہ مستقل نیکی ہے اور تمام دوسری نیکیوں کے لئے شرط ہے۔ ایک دوسرے کو نافرمانیوں سے بچانے، طاعت پر قائم رہنے اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کرو۔ نیز اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرنے اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب بنتی ہیں ان پر باہم صبر کی تلقین کرو۔

۳۔ مذکورہ صفات سے جو لوگ متصف ہیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ اصحاب میمنة سے مراد دائیں ہاتھ والے اور برکت والے ہیں۔ جملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے ما شان من اقتحم۔

۴۔ آیات سے مراد حق پر دلائل ہیں، وہ کتاب سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے دلائل ہوں یا اس سے مراد قرآن ہے۔ اصحاب مشئمة سے مراد بائیں ہاتھ والے ہیں یا بدبخت مراد ہیں۔ مومنین کا اسم اشارہ (۱) سے ذکر کرنا اور کفار کا ضمیر کے ساتھ ذکر کرنا اس میں جو فرق ہے وہ صاحب بصیرت پر مخفی نہیں۔

۵۔ مؤصدة یہ اوصدت الباب سے مشتق ہے جب دروازے کو بند کر دیا جائے۔ حفص، ابوعمرو، حمزہ اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے سوائے حمزہ کے موصدة کو ہمزہ اور وقف کی صورت میں واؤ کے ساتھ بدل کر پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تو اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) جب اسم اشارہ لایا جاتا ہے تو اس سے مراد موصوف اور صفات سب ہوتی ہیں گویا کلام میں تکرار ہوتا ہے جبکہ ضمیر کی صورت میں صرف ذات مراد ہوتی ہے۔ مترجم۔

سورۃ الشمس

آیاتھا ۱۵ | سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ ۹۱ | رکوعھا ۱

سورۃ الشمس کی ہے، اس میں ایک رکوع اور پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸

"قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی[1] اور قسم ہے ماہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے[2] اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے[3] اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے[4] اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی[5] اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی[6] اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی[7] پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو[8]"

[1] مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ضحٰھا سے مراد سورج طلوع ہونے کے وقت کی روشنی ہے کیونکہ اس وقت اس کی روشنی صاف ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے تمام دن مراد ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے اس کی گرمی مراد ہے(1)۔ قاموس میں ہے ضحیۃ بروزن عشیۃ سے مراد دن کا بلند ہونا ہے۔ ضحی اور ضحاء دونوں کا معنی دن کا نصف نہار کے قریب ہونا ہے۔

[2] جب چاند کا طلوع سورج کے طلوع کے بعد ہوتا ہے یہ مہینے کے پہلے نصف میں ہوتا ہے یا چاند کا طلوع سورج کے غروب کے پیچھے ہوتا ہے یا چاند چکر لگانے اور نور کو مکمل کرنے میں سورج کے پیچھے ہوتا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ یہ دونوں صورتیں سفید راتوں (تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں) میں ہوتا ہے۔(2)

[3] دن کی طرف تجلی کی نسبت مجازی ہے جس طرح صام نھارہ میں فعل کی نسبت نھار کی طرف مجازی ہے۔ ھا ضمیر منصوب یا تو شمس کی طرف ہے کیونکہ جب دن خوب پھیل جاتا ہے تو سورج خوب روشن ہو جاتا ہے یا یہ ایک ایسے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے جو مذکور نہیں یعنی دن تاریکی یا زمین یا دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔

[4] ھا ضمیر سے مراد سورج، آفات یا زمین ہے۔ ظروف یعنی اذا تلھا، اذا جلھا اور اذا یغشھا یہ جمہور کے نزدیک فعل قسم کے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا   2۔ ایضاً

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ مدینہ کے دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے عرض کی بتائیے تو سہی جو لوگ آج عمل کرتے ہیں اور اس میں کدو کاوش کرتے ہیں۔ کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ سابقہ تقدیر سے تعلق رکھتی ہے یا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو آئندہ آنے والے اختیاری امور ہیں جو ان کا نبی ان کے پاس لاتا ہے اور نافرمانی کی صورت میں ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا ان کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (1)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ایک دل ہوتا ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ فجور کو تقویٰ پر مقدم کیا کیونکہ نفس اصل میں برائی کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں آیات کے سروں کی رعایت بھی ہے۔

پہلی واؤ بالاتفاق قسمیہ ہے اسی طرح دوسری، تیسری اور مابعد والی واؤ بھی بعض کے نزدیک قسمیہ ہے یہ عاطفہ نہیں کیونکہ اگر اسے عاطفہ بنایا جائے تو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف لازم آتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں والیل اذا یغشها کیونکہ اللیل واؤ قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور اذا یغشی مقدر فعل قسم کی وجہ سے منصوب ہے۔ اگر والنہار اذا جلها میں واؤ کو عاطفہ بنایا جائے تو واؤ فعل اور حرف جار کے قائم مقام ہوگی۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ پہلی واؤ کے علاوہ تمام واؤ عاطفہ ہیں کیونکہ قسم کے مکمل ہونے سے پہلے قسم میں دوسری قسم کو داخل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ یہاں صورت یہ بنے گی کہ واؤ عاطفہ قسم کے قائم مقام ہوگی لیکن واؤ قسم باء اور فعل کے قائم مقام ہے جس کے ساتھ فعل کو ظاہر ذکر کرنا جائز نہیں۔ گویا یہ بھی اپنے دونوں معمولوں کو نصب اور جر دے رہی ہے۔ گویا یہ ایک ایسا عامل ہے جس کے دو عمل ہیں۔ اس لئے دو معمولوں پر عطف جائز ہے۔ ایسا کرنا بالاتفاق جائز ہے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا وَّبَكْرٌ خَالِدًا۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی جب ظروف فعل قسم کے متعلق ہیں۔ مگر جو بحر مواج نے تاویل کی ہے تو اسے اس توجیہ کی ضرورت نہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا ۝

"یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا [1]۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا [2]۔ جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث [3]۔"

[1]۔ زکھا میں ھو مرفوع سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ھا ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ من سے مراد نفس ہے، یعنی وہ نفس کامیاب ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے صفات کاملہ کے ساتھ متصف کر کے اسے رذائل سے پاک کیا یہاں تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر راضی ہو گیا اس کے ذکر اور طاعت سے مطمئن ہو گیا جس چیز سے اسے منع کیا گیا اور جو چیز اللہ تعالیٰ سے اسے غافل کرتی تھی اس سے بچنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے جویبر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سنا کہ وہ نفس کامیاب ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے پاک کیا (3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی قول کیا ہے۔

1۔ الدرالمنثور زیر آیت ہذا 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی) 3۔ الدرالمنثور زیر آیت ہذا

اس چٹان سے ایک اونٹنی نکل آئی۔ اس نے اسی وقت اپنے جیسا بچہ جنا۔ وہ اونٹنی سارا پانی پی جاتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس اونٹنی کے لئے پانی کی باری معین فرمادی۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کی پانی کی باری ہے اور تمہارے لئے بھی پانی کی باری معلوم ہے۔ انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تا کہ تمام پانی انہیں کے لئے ہو جائے۔

إِذِ انْبَعَثَ أَشْقٰهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

''جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت ۱؎ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کی باری سے ۲؎ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا ۳؎ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا ۴؎''

۱؎ جب قوم کے لوگوں نے اس بدبخت کو کہا تو وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لئے جلدی سے اٹھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ۔ انبعاث کا معنی اطاعت میں جلدی کرنا ہے۔ ظرف کذبت کے متعلق ہے۔ اشقی سے مراد قوم ثمود میں سے بدبخت ترین ہے۔ وہ قدار بن سالف ہے۔ اس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، قد چھوٹا تھا۔ اس کی بدبختی دوسروں سے اس لئے بڑھ کر تھی کیونکہ اس نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ نے اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے والے کا ذکر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا قوم کا ایک معزز اور باہمت آدمی اٹھا جیسے ابوزمعہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے بدبخت ترین وہ شخص ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور حضرت آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ زمین پر جو بھی خون بہایا جائے گا اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس بیٹے کو بھی ہوگا کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قتل کیا۔ اسے طبرانی، حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲؎ قال کا عطف انبعث پر ہے۔ رسول اللّٰہ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔ ناقة اللّٰه سے پہلے ذروا فعل محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی سے بچو۔ یا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی کونچیں کاٹنے سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی ناقہ کی اضافت اونٹنی کی تعظیم کے اور خبردار کرنے میں کمال کے اظہار کے لئے ہے۔ سُقْيٰهَا کا عطف ناقة پر ہے، یعنی اس کے بارے میں مداخلت سے بچو، اسے چشمے سے دور نہ بھگاؤ اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف پہنچاؤ یعنی اگر تم اسے تکلیف پہنچاؤ گے تو تمہیں عذاب عظیم پکڑ لے گا۔

۳؎ حضرت صالح علیہ السلام نے کونچیں کاٹنے کی صورت میں جس عذاب سے ڈرایا تھا اس میں آپ کو جھٹلا دیا۔ عقروھا کا عطف کذبوا پر ہے۔ فعل کی نسبت تمام قوم کی طرف کی جبکہ یہ فعل صرف ایک آدمی نے کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان کے کہنے پر یہ عمل کیا تھا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جن لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں ان کی تعداد نو تھی۔ نو کو اشقی کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ جب مضاف ہو تو واحد اور جمع دونوں کا معنی دیتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تین دن تک لطف

سورۃ الیل

آیاتہا ۲۱ سورۃ الیل مکیۃ ۹۲ رکوعہا ۱

سورۃ الیل مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۝ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝

"قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے [1] اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے [2] اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو [3] بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں [4]"

[1] یغشی کا مفعول بہ الشمس ہے یا النہار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے یغشی اللیل النہار یا اس کا مفعول بہ ہر وہ چیز ہے جس کو رات اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔ اذا یغشی میں کلام وہی ہوگی جو وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا میں گزر چکی ہے کہ یہ فعل قسم کے متعلق ہے یا مضاف محذوف کے متعلق ہے جو حصول ہے۔ اس صورت میں اذا مصدر کی صفت ہوگا یا اذا وقت کے معنی میں ہے۔ اس وقت یہ ظرف نہیں ہوگا۔

[2] رات کی تاریکی زائل ہونے یا سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ دن ظاہر ہو گیا۔

[3] ما کو من کی جگہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفت مراد ہے، یعنی ہر نوع جس میں پیدائش کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ اس کی مذکر اور مونث دونوں صنفوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یا الذکر و الانثی سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ما مصدر یہ ہو اور یا بقدر اس کا جواب قسم ہو۔

[4] تمہارے اعمال مختلف ہیں۔ تم میں سے کچھ تو ایسے لوگ ہیں جو آگ سے اپنی گردن کو آزاد کرانے اور قرب اور جنت کے مدارج چڑھنے کی کوشش کرنے والے ہیں اور کچھ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر انسان صبح کرتا ہے اور وہ اپنے نفس کو بیچنے والا ہوتا ہے، یا تو اسے آزادی دلاتا ہے یا ہلاکت میں ڈالتا ہے (1) پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف مساعی کی وضاحت کی۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہم اسے سعادت والے کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔ جو بدبخت ہوتا ہے ہم اسے بدبختوں والے اعمال کی توفیق دیتے ہیں۔ پھر ان آیت کی تلاوت فرمائی، متفق علیہ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے ایک غلام اور دس اوقیہ چاندی کے بدلے میں خریدا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ لیل کو ان سعیکم لشتی تک نازل فرمایا، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک کام کیا اور امیہ نے بھی ایک کام کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حاکم بن ابان کے واسطہ سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کے گھر ایک کھجور کا درخت تھا جس کی شاخیں ایک صاحب اولاد فقیر کے گھر کی طرف جھکی ہوئی تھیں جب کھجور کا مالک آتا گھر میں داخل ہوتا کھجور پر چڑھتا تاکہ اس کا پھل اتارے جو کھجوریں نیچے گرتیں تو محتاج آدمی کے بچے انہیں اٹھا لیتے وہ کھجور سے اترتا ان کے ہاتھوں سے کھجوریں لے لیتا۔ اگر وہ کھجور کسی کے منہ میں بھی پاتا تو اپنی انگلیاں ان کے منہ میں ڈالتا اور کھجوریں نکال لیتا۔ اس محتاج آدمی نے حضور ﷺ سے شکایت کی آپ نے فرمایا تو چلا جا۔ حضور ﷺ اس کھجور کے درخت کے مالک سے ملے فرمایا تیری وہ کھجور جس کی شاخیں فلاں کے گھر میں ہیں وہ مجھے دے دے۔ اس کے بدلے میں تیرے لئے جنت میں کھجور کا درخت ہوگا۔ اس آدمی نے عرض کی میں نے وہ درخت پیش کر دیا کیونکہ میرے پاس کھجور کے بے شمار درخت ہیں لیکن اس درخت کے پھل جیسا کسی کا کوئی پھل نہیں۔ پھر وہ مالک چلا گیا تو ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضور ﷺ کی اور اس آدمی کی گفتگو سن رہا تھا۔ عرض کی اگر میں وہ درخت لے لوں تو کیا آپ مجھے بھی وہی چیز عطا کر دیں گے جو آپ نے درخت کے مالک کو عطا فرما دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں وہ سوال کرنے والا اس آدمی کے پاس گیا دونوں کے پاس کھجوروں کے کافی درخت تھے۔ اس سے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے تیرے اس درخت کے بدلے میں جو فلاں کے گھر میں جھکا ہوا ہے جنت میں ایک درخت عطا فرمایا۔ تو درخت کے مالک نے کہا حضور ﷺ نے مجھے بھی درخت عطا فرمایا تھا لیکن اس کا پھل مجھے بہت پسند ہے۔ میرے اور بھی بہت سے کھجور کے درخت ہیں مگر اس جیسا اچھا پھل کسی اور درخت کا نہیں۔ دوسرے آدمی نے کہا کیا تو اسے بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ اس نے کہا میں بیچنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہاں ایک شرط ہے کہ جتنا میں ارادہ کروں اتنی قیمت مجھے دے دی جائے مگر مجھے گمان نہیں کہ کوئی مجھے اتنی قیمت دے گا۔ دوسرے نے پوچھا اس کی کتنی قیمت ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت۔ دوسرے نے کہا تو نے بہت بڑی قیمت لگائی ہے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا اور اس سے کہا میں تجھے چالیس درخت دیتا ہوں اور کہا اگر تم سچے ہو تو گواہ لاؤ۔ پہلے نے اپنی قوم کے افراد بلا لئے جو اس کے گواہ بن گئے۔ پھر دوسرا آدمی جواب مالک بن چکا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب وہ درخت میرا ہو چکا ہے۔ اب میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضور ﷺ اس محتاج کے پاس گئے فرمایا اب یہ درخت تیرا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن حجر سے انہوں نے اسحاق بن نجیح رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کی مثل

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا

"پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے [1]۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت [2]۔ جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی [3]۔"

[1] اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ آخرت اور دنیا جب اللہ تعالیٰ کی ہے تو یہ خوف دلانے کا سبب ہے۔ تلظی کی ایک تاء حذف ہے۔ یہ فعل نارا کی صفت ہے جس کا معنی روشن ہونا اور بھڑکنا ہے۔

[2] یہ جملہ نارا کی دوسری صفت ہے۔ یہاں اشقی شقی کے معنی میں ہے۔ یہ کافر اور ایسے فاسق کو بھی شامل ہے جس کی بخشش نہ ہوئی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت مابعد کلام سے بیان کی ہے۔

[3] یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی اس پر اشقی کا اطلاق بعض افراد کی وجہ سے ہے۔ قید احترازی نہیں بلکہ عادت کے طور پر اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مومن شقی نہ ہو کیونکہ ایمان تقویٰ اور سعادت کا تقاضا کرتا ہے۔ بلکہ کافر جھٹلانے والا ہی حقیقت میں بدبخت اور غالباً نافرمان ہوتا ہے۔ تو یہاں شقی کی جو صفات تکذیب اور تولی سے لگائی گئی ہیں۔ وہ بطور عادت ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ۔ یا یہ تکذیب صریح تکذیب اور دلالۃً تکذیب سے عام ہے۔ صریح تکذیب سے مراد کفر ہے اور دلالۃً تکذیب سے مراد ایمان کی حالت میں محرمات کا ارتکاب کرنا جبکہ ان کے حرام ہونے کا اعتقاد بھی ہو یا یہ تکذیب زبان اور دل سے جھٹلانے دونوں کو عام ہے۔ تو اس صورت میں یہ کفر اور نفاق ہوگا۔ اسی طرح اسے بھی شامل ہوگا جو نفس امارہ سے صادر ہوتا ہے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اور زبان اس کا اقرار کرتی ہے تو یہ ایمان ہوگا اور اس پر اسے بدلہ دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اشقی اسم تفضیل کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کافر ہے کیونکہ یہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔ مگر لا یصلیھا مطلق نہیں بلکہ اس سے مراد جہنم میں ایسا داخل ہونا ہے جس میں دوام اور شدت پائی جائے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا یصلیھا کا معنی یہ ہے اس کی سختیوں کو اشقی ہی ہمیشہ کے لئے برداشت کرے گا کیونکہ فاسق کو اگر نہ بخشا گیا تو وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس لئے حصر میں کوئی نقص نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ لا یصلیھا کی ضمیر منصوب نارا تلظی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی دہکتی ہوئی آگ میں صرف کافر ہی داخل ہوگا۔ جہاں تک فاسق کا معاملہ ہے اسے جہنم میں تو داخل کیا جائے گا مگر اسے دہکتی ہوئی آگ میں داخل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے کافر کی بنسبت کمزور آگ میں داخل کیا جائے گا یہ جہنم کا اوپر والا طبقہ ہوگا۔

میرے نزدیک اشقی سے مراد کافر ہے جس طرح ظاہر ہے۔ اسی طرح آگ بھی عام ہے کیونکہ دنیا کی آگ کی صفت بھی تلھب (دھکنا) سے لگائی جاتی ہے۔ جہنم کی آگ اگرچہ کمزور ہی کیوں نہ ہو وہ بہر صورت دنیا کی آگ سے بہت سخت ہوگی۔ لیکن آیت میں حصر اضافی ہے۔ اس کا تعلق صرف ان مومنوں کے بارے میں ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اس لحاظ سے یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کوئی بھی صحابی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب تمام صحابہ عادل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے ارشاد فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور ارشاد فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھا اس کو اس نے دیکھا (1)۔ امام ترمذی

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 195 (العلمیہ)

تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

”اور دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار لے جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے ۲ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو ۳ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے ۴ اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا ۵“

۱۔ اس کا عطف لا یصلٰها پر ہے اور سین تحقیق کے لئے ہے۔ اتقی سے مراد وہ شخص ہے جو شرک جلی، شرک خفی، دل، جسم اور نفس کے معاصی سے بچا، یہ نعمت نفس کے تزکیہ اور اطمینان کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ وہ اپنا مال فقراء، غلاموں کو آزاد کرانے اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ یتزکی یہ یوتی سے بدل ہے۔ اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں یا اس کے فاعل سے حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو وہ ریاکاری اور شہرت کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یا یزکو تا سے باب تفعل کے وزن پر ہے۔ ہمارے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ اس وجہ سے متقی کے جہنم میں داخل ہونے کی اس میں کوئی دلالت نہیں کیونکہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں مقصود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان بیان کرنا ہے وہ انبیاء کے علاوہ باقی لوگوں میں سے زیادہ متقی ہیں۔ ہم نے انبیاء کے علاوہ لوگوں کو اس لئے خاص کیا کیونکہ عقل، اجماع اور نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں یہ قید احترازی (۱) نہیں اور نہ ہی یہ حکم لگانا مقصود ہے کہ متقی تو جہنم میں داخل ہوگا مگر اتقی داخل نہیں ہوگا۔ اگر ہم مفہوم مخالف کو تسلیم کر ہی لیں تو پھر متقی سے مراد وہ متقی ہوگا جو شرک سے تو بچتا ہے مگر گناہوں سے نہیں بچتا اس لئے وہ جہنم میں داخل ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات غلاموں کو آزاد کیا۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے اذیتیں دی جاتی تھیں۔ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں الف لام عہدی ہوگا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عامر بن عبداللہ سے انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو، کاش تم طاقتور غلام آزاد کرتے جو تیرا دفاع کرتے اور مصیبت کے وقت تیرے ساتھ کھڑے ہوتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے والد محترم میں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کا متمنی ہوں تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال بنی جمح کے غلام تھے۔ ان کا نام بلال بن رباح تھا، والدہ کا نام حمامہ تھا۔ یہ سچے مسلمان اور پاکیزہ دل کے مالک تھے۔ جب دوپہر خوب گرم ہو جاتی تو امیہ بن خلف انہیں باہر لے جاتا۔ مکہ کی پتھریلی زمین پر انہیں پشت کے بل لٹا دیتا۔ پھر ایک بڑا پتھر آپ کے سینے پر رکھنے کا حکم دیتا جو آپ کے سینہ پر رکھ دیا جاتا پھر کہتا تو اسی طرح مر جائے گا یا تو حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ تو اس آزمائش کے عالم میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد پکارتے۔

محمد بن اسحاق نے ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ سے انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ

(۱) یہ اس قید اور صفت کو کہتے ہیں جس کا مقصد اپنی حقیقت کے افراد کو غیر سے ممتاز کرنا ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعے غیر کو خارج کیا جاتا ہے۔ مترجم

ے اللہ تعالیٰ ضرور اس کے عمل پر راضی ہوگا یا اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جو جنت اور عزت عطا فرمائے گا اس پر ضرور راضی ہوں گے۔
اس کا عطف سیجنبھا پر ہے۔ یہ آیت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اسی طرح ہے، جس طرح حضور ﷺ کے حق میں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انبیاء کے بعد اتقی ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اسی پر اجماع بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا کسی کو نہ سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ مسلم تھا، پھر اس کے بعد ہم باہم صحابہ میں فضیلت نہیں دیتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ پوچھا اس کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب السیف المسلول میں مفصل گفتگو کی ہے۔ اس میں ہم نے احادیث، آثار اور اجماع کا ذکر کیا ہے تا کہ ان لوگوں کا قلع قمع ہو جائے جنہوں نے دین میں تفرقہ کیا ہے۔

حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورۃ اللیل اور والضحیٰ کی آیات کے سروں میں امالہ کیا ہے مگر سجی اس سے مستثنیٰ ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فتحہ دیا ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے عسریٰ اور یسریٰ میں امالہ کیا باقی کو بین بین پڑھا ہے۔ ورش نے تمام میں بین بین کیا ہے۔ باقی قراء نے تمام میں فتحہ پڑھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نے بچے بھی تو میں نے اس پلے کو باہر نکال دیا۔ حضور ﷺ حجرے میں تشریف لائے جبکہ آپ ﷺ کی ریش مبارک میں رعشہ طاری تھا۔ جب بھی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر یہی کیفیت ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ترضی تک نازل فرمایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جبرئیل امین پلے کی وجہ سے نہ آئے۔ اگرچہ یہ مشہور ہے لیکن اس کا سبب نزول قرار دینا شاذ بلکہ مردود ہے جس طرح صحیح میں ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کتنے دن وحی رکی رہی اس میں اختلاف ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ بارہ دن تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ چالیس دن تھے تو مشرکوں نے کہا تھا محمد (ﷺ) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور آپ سے ناراض ہو گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(1)۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل تم نہیں آئے میں تو تیرا مشتاق ہو گیا ہوں۔ جبرئیل امین نے عرض کی میں آپ سے زیادہ مشتاق تھا مگر میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں، ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ضحی سے مراد تمام دن ہے جو رات کے مقابل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ چاشت کا وقت ہے۔ یہ وہ ساعت ہے جس میں سورج بلند ہوتا ہے(2)۔ قسم کے لئے اس ساعت کو مختص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت کلام کیا تھا اور اسی وقت جادوگر سجدے میں گر گئے تھے۔ یہ وہ گھڑی ہوتی ہے جس میں گرمی موسم گرما میں اور سردی موسم سرما میں اعتدال پر ہوتی ہے۔

والليل اذا سجى میں ظرف یا تو فعل قسم کے متعلق ہے یا الليل کا جو مضاف مقدر ہے اس کے متعلق ہے جو حصول یا مضاف کے مقدر ہونے کے ساتھ یہ الليل کی صفت ہے اور اذا وقت کے معنی میں ہے اور ظرفیت سے خالی ہے اور الليل سے بدل ہے جو مقسم بہ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سجى کا معنی یہ ہے جب رات کے ساتھ آئے۔ یہی عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ والبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سجى کا معنی ہے جب وہ چھا جائے۔ عطاء اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہما نے کہا جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ ہر چیز کو ڈھانپ لے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب وہ غالب آ جائے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب اس کی تاریکی قرار پکڑ جائے اس کے بعد مزید نہ بڑھے(3)۔ یا اس کا مطلب ہے کہ اس میں لوگ اور آوازیں خاموش ہو جائیں۔ جب رات یا سمندر پرسکون ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں ليل ساج، بحر ساج۔ سابقہ سورت میں رات کو پہلے ذکر کیا وہ اصل کے اعتبار سے ہے۔ یہاں ضحى کا پہلے ذکر کیا یہ شرف کے لئے ہے۔ اس کا جواب قسم ما ودعك ہے، یعنی اس نے تجھے نہیں چھوڑا اور نہ ہی تجھ سے ناراض ہوا۔ قلى کا مفعول حذف کر دیا گیا یا تو سابقہ مفعول کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا یا آیات کے سروں کی محافظت کی گئی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے بعد میری امت کے لئے نعمتوں کی کشادگی ہونے والی تھی اسے مجھ پر پیش کیا گیا تو اس نے مجھے خوش کیا(4)۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت کو نازل فرمایا۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿٥﴾

"اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا

ایک قول یہ کیا گیا اس میں لام ابتدائیہ ہے جو مبتدا کے حذف کے بعد خبر پر داخل کیا گیا۔ تقدیر کلام یہ تھی وَلَاَنْتَ سَوْفَ یُعْطِیْکَ۔ یہ قسم کے لئے نہیں کیونکہ یہ مضارع پر نون تاکید کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ سوف کے ساتھ اسے اس لئے جمع کیا گیا کہ یہ لام لام قسم ہے لام ابتداء نہیں۔ جبکہ یہ بات معروف و مشہور ہے کہ یہ لام ابتداء نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سوف پر داخل ہے اور لام ابتداء سوف پر داخل نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو آپ پر پہلے کی جا چکی تھیں تاکہ سابقہ نعمتوں پر مابعد کی نعمتوں کو قیاس کر لیں تو ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ۝۸

''کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی[1] اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا[2] اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا[3]''

[1] اگر لم یجد اس وجد سے مشتق ہے جو علمت کے معنی میں ہے۔ تو یتیما مفعول ثانی ہوگا۔ اگر یہ مصادفہ کے معنی میں ہو تو یتیما حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ ہمزہ استفہام انکار کے معنی میں ہے اور نفی انکار کا مطلب اثبات ہوتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مخاطب اس کا اقراری ہے۔ معنی یہ ہوگا تجھے یتیم پایا یعنی تمہاری عمر چھوٹی تھی اور تم فقیر تھے کیونکہ آپ ﷺ کے والد فوت ہو گئے تھے اور تمہارے لئے کوئی مال اور جائے پناہ نہیں چھوڑی تھی اور اس صورت میں یہ جملہ ماودعک کی تاکید ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا کے ہاں تمہیں پناہ دی اور آپ ﷺ کو ان کے ساتھ ملا دیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہاری کفالت کی۔

امام بغوی نے ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے عرضداشت کی میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ میں نے عرض کی اے میرے رب کہ آپ نے سلیمان بن داود کو عظیم ملک عطا فرمایا اور فلاں فلاں چیز عطا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں یتیم نہیں پایا پس تمہیں پناہ دی۔ میں نے عرض کی اے میرے رب بات اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں ضال نہیں پایا۔ پس میں نے تمہیں ہدایت سے نوازا میں نے عرض کی بات اسی طرح ہے اے میرے رب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں عیال دار نہیں پایا تو میں نے تمہیں غنی کر دیا۔ میں نے عرض کی بات اسی طرح ہے اے ہمارے رب۔ بعض روایات میں یہ الفاظ زائد ہیں کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کھولا اور تم سے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے میرے رب۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس عرضداشت میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مال اور کشادگی کا سوال کیا تھا کیونکہ حضور ﷺ مفلس تھے اور قریش اس بارے میں عار دلاتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے یہ بات بھی کی اگر تمہیں مال کی طلب ہے تو ہم تیرے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم مکہ کے سب سے مالدار بن جاؤ گے تو حضور ﷺ سخت غمگین ہوئے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ کفار نے آپ کے فقر کی وجہ سے آپ کی تکذیب کی ہے تو حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرضداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان نعمتوں کا شمار کیا اور آپ کی تسلی کے لئے غنا کا وعدہ کیا۔

یہ بات تسلیم کیے جانے کے قابل نہیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رفعت شان اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ اپنے رب سے دنیا کا سوال کریں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

1۔ بلند پہاڑوں نے سونے کا بن کر حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے انہیں شان استغنا دکھائی۔

کا سلسلہ منقطع بھی ہوا اور آپ سخت غمگین ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے ہمیں خبر پہنچی ہے آپ کئی دفعہ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں۔ جب آپ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تاکہ اپنے آپ کو گرا دیں تو جبرئیل امین ندا دیتے اے محمد آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ اس سے آپ کو سکون حاصل ہوتا اور نفس میں قرار آجاتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تھا میرا خیال ہے آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے کیونکہ آپ سخت غمگین ہیں۔ تو حضور ﷺ نے اس حالت کے ختم کرنے کا سوال کیا تھا جو حالت خالق سے انقطاع کا سبب تھی اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ تھی جس کو آپ نے چھوڑنے اور ناراض ہونے پر محمول کیا تھا اس پر آپ سخت غمگین ہوتے تھے اور آپ نے اس وصال کا سوال کیا تھا جس میں انقطاع نہ ہو اور اس میں کبھی حجاب نہ ہو۔ تو اس صورت میں ان آیات کا معنی یہ ہوگا کہ وہ فراق جو آپ پر طاری ہوا ہے وہ چھوڑنا اور ناراض ہونا نہیں کہ آپ غمگین ہو جائیں بلکہ یہ معنوی طور پر عروج اور وصل کا کمال تھا اگرچہ صورت کے اعتبار سے یہ نزول اور فراق تھا۔ وللاخرۃ خیر لک من الاولی کا مطلب یہ ہے کہ ہر دوسری حالت جو آپ پر طاری ہوگی وہ پہلی سے بہتر ہوگی۔ آپ کے احوال میں کبھی کمی اور کوتاہی واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ آخرت میں کلی طور پر دیدار اور وصل نصیب ہوگا۔ وہاں تبلیغ کے مکلف ہونے مخلوق کی طرف متوجہ ہونے اور فراق کی مشقت بالکل نہ ہوگی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جنہیں آپ پسند کریں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے۔

؎ اس جملے کا عطف الم یجدک کے معنی پر ہے کیونکہ اس کا معنی بھی وجدک ہے۔ اس وجہ سے خبر کا عطف خبر پر ہے انشاء پر نہیں آپ نے نبوت کی نشانیوں شریعت کے احکام سے اور ایسی چیز وں سے بے خبر پایا جن کے حاصل ہونے کا ذریعہ صرف سماعت ہے۔ اسی معنی میں یہ آیت بھی ہے وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو چھوٹی عمر میں مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں گم پایا۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو دودھ چھڑایا اور مکہ مکرمہ واپس لائیں تاکہ آپ کے دادا تک آپ کو پہنچا دیں۔ ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر پر نکلے۔ اس قافلہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ بھی تھے۔ ایک تاریک رات میں آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ ابلیس آیا۔ اس نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑی اور راستہ سے دور لے گیا۔ جبرئیل امین تشریف لائے۔ آپ نے ایک پھونک ماری جس سے ابلیس حبشہ جا پڑا اور حضور ﷺ کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ اپنے بارے میں نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں (1)۔ بعض صوفیاء نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو ایسا محب اور عاشق پایا جو محبت اور عشق میں افراط سے کام لینے والا ہے جس کے نتیجہ میں انسان پر سکر طاری ہو جاتا ہے اور سکر کی وجہ سے انسان عموماً راستہ بھول جاتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کسی شے سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے۔ یہاں سبب کو مسبب کا نام دے دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے: اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ۔ یہاں رزق سے مراد بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قول کی حکایت بیان کی ہے اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور فرمایا اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۔ اسی طرح ایک اور جگہ بھی اسلوب ہے وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

1۔ مفسرین نے کہا وہ سائل جو تیرے دروازے پر آئے اسے نہ جھڑک آپ بھی تو فقیر اور محتاج تھے یا تو اسے کوئی چیز دے دیا اسے نرمی سے واپس کر دو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا جب کوئی طالب علم تجھ سے سوال کرے تو اسے نہ جھڑک (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس نے اپنے علم کو چھپایا قیامت کے روز اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔ یہ جملہ دوسری تاویل (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قول) کی صورت میں ووجد ضالا فھدی کے ساتھ متصل ہے اور کلام لف نشر مرتب کے طریقہ پر ہوگی پہلی تاویل کی صورت میں ووجدک عائلا کے ساتھ متصل ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نعمتیں کی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیے۔ یہ جملہ لف نشر مرتب کے طریقہ پر ووجدک عائلا فاغنی کے ساتھ متصل ہے۔

حضرت سنان بن سنہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا کھانے والا اور اس پر شکر بجالانے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے (2)۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اشعث بن قیس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ وہ ہے جو بندوں کا زیادہ شکر ادا کرنے والا ہو۔ ایک روایت میں ہے جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی پر احسان کرے وہ بھی اسے بدلہ دے۔ اگر بدلے میں احسان نہیں کر سکتا تو اچھے لفظوں میں اس کی تعریف کر دے کیونکہ جب اس نے تعریف کر دی گویا اس نے شکریہ ادا کر دیا۔ اگر اسے چھپا دیا تو ناشکری کی جس نے کوئی چیز نہ دی۔ مگر ظاہر یہ کرے کہ میں نے دی ہے تو وہ جھوٹ کا لباس زیب تن کرنے والا ہے اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو تھوڑے عطیہ پر شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ عطیہ پر شکر ادا نہیں کرتا اور جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر شکر ہے اور اس کا چھوڑ دینا کفر ہے۔ اجتماعیت واتفاق اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور فرقہ پرستی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ احادیث تقاضا کرتی ہیں کہ مشائخ اور اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت میں نعمت سے مراد نبوت ہے (3)۔ بشیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ روایت کیا زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا۔ معنی یہ ہوگا جو پیغام حق آپ کو دیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے اور جو نبوت کی نعمت آپ کو عطا کی گئی ہے اس کا تذکرہ کیجئے۔ لیث نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو پھر اس کا معنی ہوگا کہ آپ قرآن پڑھا کریں (4)۔ اس تعبیر کی صورت میں یہ آیت ووجدک ضالا فھدی کے ساتھ متصل ہو گی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی یہ ہے ہم نے جو انعام بے پناہ عطا کرنے، ہدایت دینے، غنی کرنے کی صورت میں کئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر بھی شکر ہے۔ یہ مفہوم زیادہ واضح ہے کیونکہ مذکورہ نعمت مطلق ہے۔ اس تخصیص کی کوئی وجہ

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 369 (العلمیہ)
3۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا
4۔ ایضاً

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا کہ سورت کے اختتام پر اللہ اکبر کہے جبکہ ابوعمرو دانی نے تیسیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ سورت کے آغاز میں اللہ اکبر کہے جس کو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اول میں ذکر کیا۔ دانی نے اس کو آخر میں ذکر کیا یعنی دانی نے بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ بزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ والضحیٰ کے آخر میں تکبیر کہتے۔ یہی طریقہ ہر سورت کے ساتھ ہوتا یہاں تک کہ وہ سورۃ الناس کے ساتھ بھی تکبیر کہتے۔ اگر سورت کا آخر متحرک ہوتا جیسے اذا حسد، الناس، الابتر تو اللّٰہ اکبر کے ہمزہ کو حذف کر دیتے۔ اگر آخری حرف ساکن ہو جیسے فحدث، فارغب یا اس کے آخر میں تنوین ہو جیسے توابا اور خبیر تو ساکن کو حرکت دیتے اور تنوین کے نون کو کسرہ دیتے اور تکبیر کے ساتھ اسے ملا دیتے۔ اگر قاری چاہے تو تکبیر پر قرأت ختم کر دے اور اس کے بعد جو سورت ہے بسم اللّٰہ کو اس کے ساتھ ملا دے یا بسم اللّٰہ کو الگ پڑھ لے اور اگر چاہے تو تکبیر کو بسم اللّٰہ کے ساتھ ملا لے اور سورت کے اول حصہ کو بسم اللّٰہ کے ساتھ ملا لے۔ جب تکبیر کو بسم اللّٰہ کے ساتھ ملایا گیا ہو تو بسم اللّٰہ پر قطع کرنا جائز ہے یعنی جب تکبیر کو سورت کے ساتھ ملایا جائے تو چار احتمال ہیں۔ تکبیر اور بسم اللّٰہ پر قطع کرنا، دونوں میں وصل کرنا پہلے پر قطع کرنا، دوسرے کے ساتھ وصل کرنا یا پہلے پر وصل کرنا اور دوسرے پر قطع کرنا۔ پہلی تین صورتیں جائز ہیں چوتھی صورت جائز نہیں۔ دانی نے کہا بعض اہل اداء سورت کے آخر پر قطع کرتے پھر تکبیر پڑھتے اور بسم اللّٰہ کے ساتھ ملا لیتے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نقاش نے ابی ربیعہ سے اور انہوں نے بزی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ فارسی پر انہوں نے اسی طرح پڑھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے یہی ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں میں نے دونوں قرأتیں شیخ صالح مصری پر پڑھیں، انہوں نے شیخ القراء متاخرین کے مقتداء شیخ عبدالخالق پر پڑھیں۔ شیخ صالح مصری نے تکبیر کی صفت بزی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر یوں ذکر کی لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر۔ اگر سورۃ والضحیٰ کے آغاز میں تکبیر پڑھی تو سورۃ الناس کے بعد تکبیر نہ ملائے تو دو سورتوں کے درمیان تکبیر پر قطع نہ کرے۔ اگر اس نے پہلی صورت کے ساتھ تکبیر کو ملایا ہو، اگر اس نے پہلی سورت کے اختتام کے ساتھ تکبیر کو ملایا ہو تو تکبیر اور بعد والی سورت کے بسم اللّٰہ اور سورت کے آغاز کے ساتھ ملانا واجب ہے اور اگر تکبیر کو سورت کے آخر سے الگ کیا تو پھر اسے اختیار ہے کہ تکبیر اور بسم اللّٰہ اور بسم اللّٰہ اور سورت کے درمیان وصل کرے یا قطع کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ الم نشرح

آیاتہا ۸ | سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ۹۴ | رکوعہا ۱

سورۃ الم نشرح مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾

"کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا[1] اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پشت کو"

[1] امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جس طرح روایت کیا یہ جملہ اور بعد والے جملے اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی کے ساتھ متصل ہیں، اگر یہ روایت درست ہے تو بہت بہتر ہے [illegible] یہ سورت بھی اسی جیسی حالت میں نازل ہوئی کہ حضور ﷺ نے حقیقتاً سوال کیا یا مقدر سوال کیا۔ اس آیت کا معنی وہی ہوگا جس [illegible] ساتھ سورت میں گزر چکا ہے۔ یعنی ہم نے آپ کے سینے کو آپ کے لئے کھول دیا یہاں تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے [illegible] معارف دینیہ کے سما جانے کی صورت پیدا ہوگئی جس کو عقلاء عقل سے حاصل نہیں کر سکتے نیز اس میں یہ استعداد بھی پیدا [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں (مقام عروج پر فائز ہیں) اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مرتبہ نزول پر بھی فائز ہیں۔ حالت نزول میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے منقطع نہیں کہ آپ ﷺ مطمئن ہوں۔

حضور ﷺ کے لئے شرح صدر کا واقعہ دو دفعہ ظاہر و باہر واقع ہوا۔ ایک دفعہ بچپن کی عمر میں جس طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل امین تشریف لائے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل امین نے آپ کو پکڑ لیا، آپ کو لٹایا، آپ کے دل کو چیرا، اس سے جما ہوا خون نکالا اور فرمایا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر آپ کے دل کو زمزم کے پانی سے ایک طشت میں دھویا۔ پھر اسے جوڑا اور اپنی جگہ میں اسے رکھ دیا۔ بچے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں کے پاس آئے اور بتایا کہ محمد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ لوگ آئے جب کہ آپ ﷺ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں آپ کے سینے میں سلائی کے نشانات دیکھتا تھا(1)۔ دوسری دفعہ شق صدر معراج کی رات ہوا۔ جس طرح صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جبریل امین آئے انہوں نے میرے سینے کو کھولا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کا ایک تھال لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اسے میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر اسے بند کر دیا(2)۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے وہ صعصعہ سے نقل کرتے [illegible]

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 92 (قدیمی)
2۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 529 (وزارت تعلیم)

ہیں کہ حضور ﷺ نے بیان کیا کہ اس جگہ سے لے کر اس جگہ تک میرا سینا کھولا، پھر جبرئیل امین نے میرا دل نکالا، پھر سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، میرے دل کو دھویا، اس طشت کو میرے سینے میں انڈیلا گیا، پھر دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے پھر زمزم کے پانی کے ساتھ پیٹ کو دھویا، پھر اسے ایمان اور حکمت کے ساتھ بھر دیا۔ میں کہتا ہوں جو جما ہوا خون حضور ﷺ کے دل سے نکالا گیا وہ عناصر، نفس اور دل کے رذائل تھے جو نفس کو نفس امارہ بنانے کے باعث ہوتے ہیں۔ اعضاء کو نافرمانیوں پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ پھر الم نشرح لک جس مفہوم پر دلالت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے فرمان و وضعنا عنک وزرک کو معطوف کیا۔

۲؎ وزر کا اصل معنی پہاڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کلا لا وزر یعنی وہاں کوئی ایسا پہاڑ نہیں ہوگا جہاں پناہ لی جا سکے۔ لیکن یہاں استعارہ کے طریقہ پر اس سے مراد بوجھ ہے۔ اس ثقل سے مراد یا تو فراق کا غم اور چھوڑنے کا وہم ہے جس نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا اور آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح کی آیات کو نازل فرما کر غم اور حزن کو دور کر دیا یہاں تک کہ آپ کی طبیعت کو سکون آ گیا نفس کو قرار آ گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ وحی میں یہ انقطاع قطع تعلق اور ناراضگی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حکمت اور منفعت کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غم کو نعمت میں شمار کیا ہے یا اس وزر سے مراد دعوت حق، احکام کی تبلیغ، احکام کو بجالانے اور منہیات سے رکنے کی مشکل تکالیف ہیں کیونکہ شرعی امور کو بجالانا بہت ہی مشکل ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے اس بات کا انکار کر دیا کہ وہ اس نعمت کو اٹھائیں گے بلکہ وہ خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یہ ڈرنے والوں پر بہت ہی بھاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو ایمان اور حکمت کے لئے کھول دیا شیطان کے حصے اور نفس کے ان رذائل کو زائل کر دیا جو نفوس کی فطرت میں موجود ہیں تو شرعی احکام آپ ﷺ کے لئے مرغوب اور پسندیدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یہ مرتبہ جسے اللہ تعالیٰ نے بوجھ ہلکا کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ صوفیاء اسے ایمان حقیقی کہتے ہیں۔ صوفیاء کا جو قول ہے کہ صوفی سے تکلیف شرعی کو ساقط کر دیا گیا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے، یعنی احکام شرعیہ بجالانا ان کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔

شرح صدر اور بوجھ ہلکا کرنے کا مرتبہ حضور ﷺ کو تو ظاہر و باہر حاصل ہوا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے آپ کی امت کے اولیاء کو باطنی طور پر وراثت کے انداز میں حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس فناء ہو جائے، عین اور اثر باقی نہ رہے، اس وقت صوفیاء کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ انہیں شرح صدر ہوا ایمان حقیقی حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے اور ہم نے مشائخ کرام کے ملفوظات سے یہی سمجھا ہے۔ عبداللہ بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے جو یہ کہا ہے کہ ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور اس کے فرائض بجالانے کو آسان کر دیا تو یہ بھی دوسری تاویل کے مناسب ہے۔ ہم نے جو دو تاویلیں ذکر کی ہیں وہ ان اقوال سے بہتر ہیں جو یہ کہے گئے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دور جاہلیت میں جو آپ سے لغزشیں ہوئیں ان کو آپ سے ساقط کر دیا۔ یہ تاویل اس لئے درست نہیں کیونکہ حضور ﷺ اس سے بہت بلند ہیں۔ اسی طرح یہ قول کہ یہاں وزر سے مراد افضل کو ترک کرنا اور فاضل کو بجالانا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے اقوال سب تکلفات ہیں۔

۳؎ اسے بوجھل کیا یہاں تک کہ اسے کمزور کیا یہاں تک کہ اس سے ایسی آواز آنے لگی جس طرح جب بوجھ زیادہ ہو تو کجاوے سے آواز آتی ہے۔ یہ اسم موصول وزرک کی صفت ہے۔ اگر وزر کا معنی فراق کا غم لیا جائے تو پھر کسی تکلف اور تاویل کی کوئی ضرورت باقی

۱ؔ جس تنگی میں آپ ہیں اس کے ساتھ عظیم آسانی بھی ہے۔ یسرا کو نکرہ تعظیم کے لئے ذکر کیا ہے۔ یہ جملہ ایک محذوف جملہ کی علت کے طور پر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہوگی جو آپ کو تکلیف پہنچی ہے اس پر آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں وعدہ کی تاکید اور امید کی عظمت کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سے وعدہ فرمایا کہ تنگی ایک آسانی کے ساتھ ملی ہوئی ہے کیونکہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں مرسل روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو، تم تک آسانی پہنچ چکی ہے۔ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی ایک شاہد بھی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور کہا یہ سندوں میں سے صحیح ترین سند ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تنگی بل میں ہو تو آسانی اسے تلاش کرے گی یہاں تک کہ اس پر داخل ہو جائے گی کیونکہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں ہو سکتی۔ علماء لغت کہتے ہیں جب دوسری دفعہ معرف باللام اسم ذکر کیا جائے تو اس سے مراد بعینہ پہلے اسم کا مصداق ہوگا خواہ پہلا اسم نکرہ ہو یا معرفہ ہو کیونکہ اصل میں الف لام عہدی ہوتا ہے جب دوسری دفعہ اسے نکرہ ذکر کیا جائے تو اس صورت میں دوسرے اسم کا مصداق پہلے اسم کے مصداق سے مختلف ہوتا ہے۔ خواہ پہلا اسم نکرہ ہو یا معرفہ ہو کیونکہ کلام کو تکرار اور تاکید پر محمول کرنے کی بجائے اس سے مستقل معنی لینا زیادہ بہتر ہے۔ تنقیح الاصول میں ہے اگر کسی آدمی نے دو دفعہ ہزار کا اقرار کیا مگر اسے الف لام کے ساتھ مقید کیا تو اس پر صرف ایک ہزار واجب ہوں گے۔ اگر اس نے دو دفعہ اقرار کیا مگر اسے مقید نہ کیا تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو ہزار لازم ہوں گے۔ ہاں ایک صورت میں ایک ہزار ہی لازم ہوگا۔ وہ صورت یہ ہے کہ مجلس ایک ہی ہو میں کہتا ہوں کہ جب کوئی ایسا قرینہ ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ دوسرے اسم سے مراد بھی پہلے اسم کا مصداق ہے تو پھر انہیں الگ الگ نہ سمجھا جائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس قول میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ جب کسی نے کہا اِنَّ مَعَ الْفَارِسِ سَیْفًا اِنَّ مَعَ الْفَارِسِ سَیْفًا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہسوار تو ایک ہے مگر تلواریں دو ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں جب قرینہ پایا جائے تو اس صورت میں دوسرے اسم سے مراد بھی پہلے والا اسم ہوتا ہے اور اسے اتحاد پر ہی محمول کیا جائے گا۔ فارس اور سیف کی مثال بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ آیت میں دو تاویلوں کی گنجائش ہے۔ لیکن حضور ﷺ اور صحابہ نے جو تاویل کی ہے وہ صحیح ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہیں لیکن یہ محض اس لئے نہیں کہ نکرہ کا تکرار آیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فان مع العسر یسرا یہ سابقہ کلام کے ساتھ متصل ہے۔ اس کلام کا مقصود حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ آسانی اور غناء کا وعدہ کرنا ہے کہ یہ نعمت دنیا میں ہی فقر کے بعد جلد حاصل ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا، بستیوں پر فتح نصیب فرمائی اور ہاتھ میں وسعت دی یہاں تک کہ حضور ﷺ دو دو سو اونٹ عطا فرماتے اور قیمتی تحائف سے نوازتے۔

۲ؔ یہ نیا کلام ہے کیونکہ یہاں فاء اور واؤ کا نہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تمام مومنوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ دنیا میں تنگی دیکھنے کی صورت میں مومنوں کو آخرت میں آسانی کے ساتھ جزاء دی جائے گی۔ پس حضور ﷺ کے لئے ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں بنا دی

گی۔ ایک آسانی دنیا میں اور دوسری آسانی آخرت میں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ یعنی دنیا کی ایک آسانی پر غالب آ بھی گئی تو وہ آخرت کی آسانی پر کسی صورت میں غالب نہیں آئے گی کیونکہ آخرت کی آسانی تو بہتر اور باقی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ پہلے عسر میں لام عہدی ہے اور دوسرے میں جنسی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں عسر سے مراد فقر، شدت اور مشرکین کی طرف سے آزمائش ہے جس میں حضور ﷺ مبتلا تھے اور اس کے بارے میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کی تھی۔ تو پہلی آسانی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس حالت کا زائل ہونا اور فقر کے بعد غناء کا حاصل ہونا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں عسر سے مراد سینے کی تنگی، وہ بوجھ جو پشت کو بوجھل کر رہا تھا، قوم کی گمراہی اور ان کا اذیتیں دینا تھا اور پہلے یسر سے مراد شرح صدر، بوجھ کا اتار دینا، ہدایت اور اطاعت کی توفیق دینا ہے اور دوسرے یسر سے مراد سب کے نزدیک آخرت کا ثواب ہے۔ انہوں نے کہا کلام کا معنی یہ ہے کہ تنگی کے بعد آسانی ہے۔ کلام میں بعد کی جگہ مع کا لفظ ذکر کیا ہے۔ مقصود اس امر میں مبالغہ کا اظہار ہے کہ آسانی تنگی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں اس طرح ملی ہوئی ہے جس طرح دو متصل چیزیں ملی ہوتی ہیں۔ میرے نزدیک عسر سے مراد مقام نزول میں مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ہے جو حزن اور غم کا موجب ہے۔ پہلے یسر سے مراد مقام نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ صوفی اگرچہ اس حالت میں ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا اور مخلوق کی طرف توجہ کرنے والا ہوجاتا ہے لیکن وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے اعراض کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کے سینے میں دونوں قسم کی توجہ کی گنجائش اور استعداد پیدا ہوجاتی ہے بلکہ مخلوق کی طرف توجہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق ہوتی ہے تو وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اسی وجہ سے اس یسر کو سیر من اللہ باللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مع کا کلمہ اپنے حقیقی معنی میں ہوگا جس کا معنی مقارنہ (ملا ہوا ہونا) ہے۔ دوسرے جملہ میں مع کا کلمہ بغیر کسی شک کے مجازی معنی میں ہے۔ جس طرح علماء نے فرمایا اس تاویل کی صورت میں کلام کا معنی یہ ہوگا آپ غمگین نہ ہوں بیشک مخلوق کی طرف توجہ کی وجہ سے جو آپ کو تنگی کا سامنا ہے جو آپ کے حزن کا باعث ہے اس کے ساتھ آسانی ہے اور خالق کی طرف توجہ حاصل ہے۔ آخرت میں آپ کو حجاب اور غیبت کے شائبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

"پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیں۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہوجائیں۔"

مفسرین نے کہا یہاں نصب کا معنی تھکاوٹ ہے یعنی جب آپ مخلوق کو دعوت دینے سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں تاکہ جو سابقہ نعمتیں آپ کی ہیں یا آئندہ آنے والے وقت آپ کے ساتھ نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہوں تو دوسری عبادت میں اپنے آپ کو مصروف کریں۔ اپنے کسی وقت کو ضائع نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے مگر اس ساعت پر حسرت کریں گے جس گھڑی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا جب آپ فرض نماز سے

فارغ ہوں یا مطلق نماز سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور سلام سے پہلے تشہد کے بعد یا سلام کے بعد دعا میں رغبت کریں۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب تم تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنی دنیا اور آخرت کے لئے دعا کرو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم فرائض سے فارغ ہو جاؤ تو رات کے نوافل میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور زید بن اسلم نے کہا جب دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں شروع ہو جاؤ۔ حضور ﷺ کے ارشاد رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ کا بھی یہی معنی ہے، یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ منصور نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے کہا جب تم دنیا کے امور سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ حبان نے کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب آپ رسالت کی تبلیغ سے فارغ ہو جائیں تو اپنے اور مومنین کے لئے استغفار کریں (1)۔ اس آیت کا ماقبل آیت کے ساتھ اتصال کی صورت یہ ہے کہ نعمتوں کا حصول شکر کا سبب ہے۔ ہماری تاویل کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے جب آپ کامل نزول یعنی مخلوق کو دعوت دینے سے فارغ ہو جائیں تو عروج کے مدارج اور مقام مشاہدہ کی طرف بلند ہوں۔ صحاح میں ہے نصب الشيء اسے مناسب طریقہ پر رکھا ہے جیسے نصب الزرع والبناء والحجر۔ قاموس میں ہے نصب جیسے فرح اسی طرح یوں استعمال ہوتا ہے ھم ناصب۔ اسی سے نصب الشيء استعمال ہوتا ہے، یعنی اس نے چیز کو رکھا اور اسے اٹھایا۔ گویا یہ الفاظ اضداد میں سے ہیں۔ اسی طرح یہ یوں بھی استعمال ہوتا ہے نصبه فانتصب وتنصب۔ اسی طرح ناقة نصباء استعمال ہوتا ہے، ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا سینہ اٹھا ہوا ہو۔ تنصب الغراب یعنی کوا بلند ہوا۔ اس تاویل کی بناء پر یہ آیت حضور ﷺ کو تسلی دینے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ان مع العسر يسرا کے مرادف ہے۔

2۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فانصب کا عطف تفسیری ہے یعنی اپنے رب سے سوال کرنے میں رغبت کیجئے، کسی اور سے سوال نہ کیجئے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے آگ سے بھاگتے ہوئے اور جنت کی رغبت رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وزاری کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اپنے تمام احوال میں اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔ زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھئے (2)۔ جار مجرور محذوف کلام کے ساتھ متعلق ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی فَانْصَبْ وَ ارْغَبْ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ میں کہتا ہوں یہاں رَغْبَتْ کے امر میں تکرار ہے کیونکہ پہلی رغبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صفات کی طرف رغبت ہے اور دوسری رغبت سے مراد محض ذات کی طرف رغبت ہے جو اعتبارات سے ماوراء ہے مقام نزول میں سورۂ الم نشرح کا ورد اور مقام عروج میں سبح اسم ربک الاعلی کا ورد بڑا فائدہ مند ہے۔ ہم اس کا ذکر سبح اسم ربک الاعلی میں کر آئے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

اس کو یہ امن دیتا ہے یا اس میں جو بھی داخل ہوتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے، دور جاہلیت اور دور اسلام میں لوگ اس میں امن سے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم اٹھائی کیونکہ تین اور زیتون جہاں (اگتے) ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہیں۔ یہی انبیاء کی رہائش گاہ اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ رہی اور طور وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی اور مکہ مکرمہ میں بیت اللہ یہاں ہی حضور ﷺ کی جائے پیدائش اور وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ﴿۵﴾

"بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف ۔"

۱؎ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ الانسان سے مراد جنس انسان ہے۔ تقویم یہ قیام یا قوام سے تفعیل کے وزن پر ہے۔ صحاح میں ہے قیام اور قوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ چیز قائم اور ثابت ہو۔ میں کہتا ہوں قوام اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ وہ شے متحقق ہو، یعنی انسان کی حقیقت اور ماہیت کو بہترین بنایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عالم امور کے لطائف، عالم خلق اور نفس ناطقہ کے عناصر جن پر عالم کبیر مشتمل ہے۔ انسان ان سب کو جامع ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے اس میں کائنات کے تمام خصائص ظاہر ہوتے ہیں جیسے فرشتوں، درندوں، جانوروں اور شیطانوں وغیرہ کی صفات کا یہ مظہر ہے۔ اسی طرح انسان صفات کاملہ سے بھی متصف ہوتا ہے جو صفات الٰہیہ سے منعکس ہوتی ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور محبت جسے عشق کی بنیاد کا نام دیا جاتا ہے۔ انسان نور عقل سے مزین ہوتا ہے اور ظلی، صفاتی اور ذاتی تجلیات کی اس میں استعداد ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے خلافت کی خلعت عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ احسن تقویم کا معنی ہے کہ اس کو حسین بنایا کیونکہ تقویم مصدر ہے جس کا معنی تعدیل ہے۔ قاموس میں ہے قَوَّمْتُهٗ فَهُوَ قَوِیْمٌ وَّ مُسْتَقِیْمٌ یعنی میں نے اسے معتدل اور متناسب بنایا۔ یہاں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے یا تفعیل کے معنی میں ہے، یعنی انسان کو اچھی صورت والا بنایا کیونکہ جو بھی مخلوق پیدا فرمائی اس کو سیدھی قد وقامت والا نہیں بنایا بلکہ وہ منہ کے بل جھکا ہوا ہے مگر انسان کو سیدھی قد وقامت والا بنایا ہے، اس کا جسم ظاہر ہے اور یہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے۔

۲؎ رددنا۔ صیرنا کے معنی میں ہے۔ یہاں اسفل سافلین میں ضمیر سیاق کلام کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے اور جنس کو شامل ہے جس طرح یوں کہا جاتا ہے کہ کریم قائم اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی کرتی ہے۔ اگر یہ جنس کو شامل نہ ہو تو یہ قضیہ مہملہ (۱) ہوگا جو جزئیہ کے حکم میں ہوگا تو اس صورت میں یہ جائز ہوگا۔ بعض سافلین اس سے بھی نیچے ہوں۔ اس آیت لَقَدْ خَلَقْنَا...... اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ کی موافقت حضور ﷺ کا ایک ارشاد بھی کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَامِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ الخ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں، متفق علیہ (1)۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہاں رد فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے افعال کا خالق ہے اور حدیث طیبہ میں والدین کی طرف جو نسبت ہے وہ کسب کے اعتبار سے ہے۔ سافلین سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 336 (قدیمی)

(۱) ایسا قضیہ جس میں یہ بیان نہیں کیا جاتا کہ حکم تمام افراد پر ہے یا بعض افراد۔ مترجم

بھی اس کے لئے مسخر کر دیئے گئے۔ پھر ہم انہیں میں سے بعض انسانوں کو بوڑھا بنا دیتے ہیں۔ ارذل عمر سے مراد اسفل السافلین ہے۔سافلون سے مراد یہاں کمزور اپاہج اور بچے ہیں کیونکہ جب انتہائی بوڑھے آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے، اس کا بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ اس پر مختلف عوارض اور امراض غالب آجاتے ہیں تو بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں الا الذین امنوا والا مستثنیٰ منقطع ہوگا اور یہ لکن کے معنی میں ہوگا جو استدراک اور اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے جو پیدا ہوا تھا وہ وہم یہ تھا۔کہ بڑھاپے کے بعد مومن بھی کمزوری کے اعتبار سے برے حال میں ہوں گے اور اس حالت میں ان کے وجود ان کے لئے وبال جان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیکن جو مومن ہیں اور جنہوں نے قوت اور جوانی کے عالم میں اچھے اعمال کئے تھے تو ان کے اجر ختم نہ ہوں گے۔ جس قسم کا وہ عمل کرتے رہے تھے۔ اسی حساب سے ان کی نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی ان کے لئے عمل کے بغیر بھی اجر ہے (1)۔ ابن جریر نے عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے جنہیں حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی بڑی عمر کی طرف پھیر دیا گیا تھا اور ان کی عقلوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ تو ان کے بارے میں صحابہ نے حضور ﷺ سے پوچھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کے بارے میں یہ حکم نازل کر دیا کہ عقلیں جانے سے پہلے جو وہ عمل کرتے رہتے ہیں انہیں ان اعمال کا اجر ملتا رہے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس شخص کو اس کا بڑھاپا کوئی نقصان نہیں دے گا جب اس کا خاتمہ اچھے اعمال پر کر دیا۔ عاصم احول نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الا الذین امنوا کا معنی یہ ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے قرآن پڑھا تو انہیں اس ضعیف ترین عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا (2)۔ جلال الدین محلی نے کہا جب ایک آدمی بڑھاپے کی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اب وہ عمل کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو اس کے لئے وہ عمل لکھے جاتے رہتے ہیں جو وہ پہلے عمل کیا کرتا تھا (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مومن جسمانی مرض کے ساتھ آزمایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے سے فرماتا ہے وہ پہلے جو اچھے عمل کرتا تھا تو اس کے لئے وہی عمل لکھتا رہ (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایتوں کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کی مثل مریض اور مسافر کے بارے میں بھی روایت کی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بلاغت کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ جتنا مخاطب جتنا منکر ہو اس کے انکار کے مطابق کلام میں تاکید لائی جائے انسان کا بہترین صورت میں پیدا کیا جانا پھر اسے بڑھاپے کی طرف پھیر دیا جانا یہ ایک بدیہی امر ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تو پھر اس کلام کو قسم اور لام تاکید اور قد کے ساتھ کیوں ذکر کیا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب انسان پر ان احوال کا تبدیل ہونا دوبارہ اٹھانے اور جزاء پر واضح دلیل ہے جبکہ کفار دوبارہ اٹھانے اور جزاء وسزا کا انکار کرتے تھے تو گویا انہوں نے انسان پر حالت کے بدلنے کا بھی انکار کیا کیونکہ جو انسان مدلول کا انکار کرتا ہے۔ گویا وہ واضح دلیل کا انکار کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

7۔ یہاں التفات کے طریقہ پر انسان کو خطاب کیا گیا ہے۔ یعنی اے انسان وہ کونسی چیز ہے جو تمہیں اس جزاء کو جھٹلانے پر برانگیختہ کرتی ہے اور کون سی چیز تجھے جھوٹا بنا دیتی ہے جب تو حق کے خلاف بات کرتا ہے اور تو کہتا ہے کہ نہ قیامت برپا ہوگی، نہ جزاء وسزا ہوگی جبکہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر جلالین، جلد 2، صفحہ 502 (وزارت تعلیم)
4۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 441 (الفکر)

سورۃ العلق

ایاتہا ۱۹ ﴿ سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۹۶ ﴾ رکوعہا ۱

سورۃ العلق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا سب سے پہلے اقرأ باسم ربک والی سورت نازل ہوئی اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ اس کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ابتداء میں حالت نیند میں سچی خوابوں کی صورت میں وحی آتی تھی۔ حضور ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ یوں ظاہر و واضح سامنے آتا جیسے صبح روشن ہوتی ہے۔ پھر حضور ﷺ کی طبیعت خلوت نشینی کی طرف مائل ہوگئی۔ آپ ﷺ غار حراء میں خلوت نشین رہتے اور آپ گھر تشریف لائے بغیر وہاں عبادت کرتے رہتے آپ اپنے ساتھ زادراہ لے کر جاتے۔ پھر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے، اسی قسم کا زادراہ لیتے۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری و ساری تھا کہ آپ پر وحی آئی۔ آپ اس وقت غار حراء میں تھے۔ فرشتہ آیا اس نے کہا اقرا! پڑھیے۔ میں نے کہا ما انا بقارئٍ میں پڑھنے والا نہیں ہوں اس نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت نے آلیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا پڑھیے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں آپ نے فرمایا فرشتے نے مجھے پکڑ لیا۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف پہنچی۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا فرشتے نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے تیسری دفعہ بھینچا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ حضور ﷺ گھر واپس تشریف لائے۔ (وحی کی ہیبت سے) آپ کا دل دہشت زدہ تھا۔ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ اس کی ہیبت دور ہو گئی۔ تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام واقعہ سنایا۔ فرمایا مجھے تو اپنی جان کے بارے میں خوف لاحق ہو گیا تھا۔ تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کو عطا کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے دور جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کر لیا تھا۔ آپ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں منتقل کرتے جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا۔ آپ انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے، بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ سے فرمایا اے میرے بھائی اپنے بھتیجے کی

بات سنو۔ ورقہ بن نوفل نے پوچھا اے بھتیجے تو نے کیا دیکھا۔ حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا سب بتایا۔ ورقہ نے کہا یہی وہ ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا، کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں جو کچھ آپ لائے ہیں جو کوئی آپ جیسا پیغام لایا اسے اذیتیں دی گئیں۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں آپ کی پوری قوت سے مدد کروں گا۔ ورقہ بن نوفل تھوڑے عرصہ بعد فوت ہو گیا اور وحی کا سلسلہ کچھ عرصے کے لئے منقطع ہو گیا۔ یہ روایت متفق علیہ ہے (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ سورۂ مدثر سب سے پہلے نازل ہوئی۔ ہم نے اس میں بحث کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی کیونکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے عتیق آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاؤ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو لے گئے اور سارا واقعہ ورقہ کو سنایا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب میں تنہا ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں جس میں یہ ہوتا ہے یا محمد یا محمد تو میں بھاگنے لگتا ہوں۔ تو ورقہ نے کہا اس طرح نہ کیا کریں۔ جب وہ پیغام آئے تو ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ تم تمام کلام سن لو۔ پھر میرے پاس آنا اور مجھے سب کچھ بتانا۔ پھر جب آپ تنہا ہوتے تو کسی نے آپ کو وہی ندا دی یا محمد۔ حضور ﷺ نے کہا حاضر ہوں تو اس نے کہا پڑھئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ آخر تک۔ پھر اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ کہو۔ بیہقی نے حدیث نقل کی ہے (2)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہی صحیح ہے اسی پر اسلاف اور بعد کے علماء کا اتفاق ہے۔ جو یہ کہا گیا کہ سب سے پہلی سورت یا ایہا المدثر ہے تو اسے وحی کے انقطاع کے بعد نازل ہونے والی سورت پر محمول کیا جائے گا اور سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورت فاتحہ ہے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ یہ روایت اضافی ہے یعنی سورۂ علق اور مدثر کے بعد اکثر قرآن سے پہلے یہ نازل ہوئی۔

غار حرا میں خلوت نشینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ ایک ماہ تک وہاں عبادت کرتے رہے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں یہی بیان کیا ہے۔ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ اس سے زیادہ مدت کا قول درست نہیں۔ سوار بن مصعب نے کہا حضور ﷺ نے چالیس دن تک وہاں قیام کیا لیکن اس کی حدیث متروک ہے۔ حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے اس کے بارے میں یہی کہا ہے۔ بعض علماء نے اس قول کو ترجیح دی وہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات پر قیاس کرتے ہیں نیز حضور ﷺ کے ایک ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں جس آدمی نے چالیس دن اپنے آپ کو اللہ کے لئے خالص کر لیا تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان کی طرف ظاہر ہوتے ہیں۔ اسے ابونعیم نے ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدت پر قیاس کرنا بھی ضعیف ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرصہ تیس دن تھا۔ ایک عارضہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے چالیس دن بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ آپ کی اس عبادت کے بارے میں اختلاف ہے جو یہ کہا گیا کہ آپ حضرت نوح، حضرت ابراہیم یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے رہے اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ آپ نبی تھے۔ صحیح یہ ہے آپ مخلوق سے الگ تھلگ ہوتے اور حق تک پہنچنے کی خواہش کرتے۔ اور غور و فکر کرتے یہی آپ کی عبادت تھی۔ قسطلانی

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 739 (وزارت تعلیم)

2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 158 (العلمیہ)

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سابقہ حدیث میں جس خوف اور دلی دہشت کا ذکر کیا گیا ہے وہ جبرئیل امین سے خوف کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی اور آپ سب سے مضبوط دل والے تھے۔ یہ ڈر اس وجہ سے تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور چیز میں مشغول ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ پر نبوت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے ہیبت طاری ہوئی۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل اور میکائیل نے آپ کے سینے کو شق کیا، اسے دھویا پھر ان آیات کی تلاوت کی۔ یہ قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بسم اللہ شریف ہر سورت کا جز نہیں۔ لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جبرئیل امین سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر آئے اے محمد ﷺ اللہ عزوجل کی پناہ چاہو۔ تو حضور ﷺ نے کہا میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہو۔ پھر اس سورت کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی (1)۔ یہ روایت صحیح روایات کے مقابلہ میں شاذ ہے۔

فائدہ:۔ سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ وحی اڑھائی سال منقطع رہی۔ تاریخ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے حضور ﷺ کی عمر چالیس سال تھی تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آیا اور تین سال تک حضرت اسرافیل اس ذمہ داری کو سرانجام دیتے رہے۔ وہ آپ کو کلمہ اور شے کے بارے میں بتاتے رہے۔ حضرت اسرافیل کی زبان سے آپ پر قرآن حکیم نازل نہیں ہوا۔ جب تین سال گزر گئے تو جبرئیل امین نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ قرآن حکیم بیس سال تک ان کی زبان سے نازل ہوتا رہا۔ ہم نے سورۃ والضحیٰ میں وحی کے انقطاع کے دوران حضور ﷺ کے غمگین ہونے کا ذکر کیا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

"آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

اِقْرَاْ قرأت سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مفعول بہ محذوف ہے، جو القرآن ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتے ہوئے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے قرآن کو پڑھئے باسم ربک یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لو پھر قرآن پڑھو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ باسم ربک مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو اس میں باء زائدہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اقرا اسم ربک یہاں اللہ تعالیٰ نے اسم اللہ نہیں فرمایا کیونکہ لفظ اللہ واجب الوجوب ذات کا نام ہے اور ذات کی معرفت حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ صرف یہی طریقہ ہے کہ آثار اور صفات میں تدبر کیا جائے۔ ہماری طرف نسبت کے اعتبار سے اس کی سب سے ظاہر صفات اس کی صفت خلق اور تربیت ہے جو ممکنات کے احوال کی متغیر ہونے پر آگاہ کرتی ہیں جو عالم کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے عرفان تک پہنچانے والی ہیں جو خالق اور قدیم ہے، نقص اور زوال سے پاک ہے، اس میں ایک حالت سے دوسری حالت میں متغیر ہونے کا کوئی احتمال موجود نہیں ہوتا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ صوفی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کو لازم پکڑے تا کہ اس کے ذریعے مسمّٰی تک پہنچے۔ لیکن صوفیاء نے اسماء میں سے اس کے اسم ذات کو اختیار کیا

1۔ غرائب القرآن مع تفسیر طبری، جلد 1، صفحہ 13 (الامیریہ)

ہے کہ آپ ہی مخاطب ہیں۔

علق علقة کی جمع ہے۔ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ انسان جنس ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ یہاں خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اور مِنْ تُرَابٍ سے عدول اس لئے کیا تا کہ آیات کے سروں کی موافقت ہو۔ نیز تخلیق کے تمام مراحل کی طرف اشارہ ہو کیونکہ جب درمیانی مرحلہ کا ذکر ہو تو سب مراحل کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا پھر غذاؤں سے جو مختلف مراحل سے گزر کر منی بنتی ہیں پھر مادہ منویہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر جما ہوا خون گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا ہڈیاں بنتی ہیں پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس زیب تن کرایا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ درمیانی مرحلے کا ذکر پہلے اور مابعد مراحل کا شعور دلاتا ہے۔

3۔ یہ پہلے اقرا کی تاکید اور مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے یا پہلا اقرا مطلق ہے اور دوسرا تبلیغ یا نماز کے لئے مختص ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ باسم ربک اس اقرا کے ساتھ متعلق ہو اور پہلا اقرا فعل لازم کے قائم مقام ہو اور دوسرا اقرا جملہ مستانفہ ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کہ قاری بن جاؤ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں کیا پڑھوں کیسے پڑھوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھو یا اپنے رب کے نام کے ساتھ شروع کر کے قرآن پڑھو۔ اس تاویل کی بناء پر حضور ﷺ کے فرمان میں ما استفہام کے لئے ہوگا جو آپ نے حضرت جبریل کے اقرا کہنے کے جواب میں مَا اَنَا بِقَارِئٍ فرمایا تھا۔ اہل مصر کے نزدیک خبر میں باء زائد ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی دفعہ جو حضور ﷺ نے مَا اَنَا بِقَارِئٍ فرمایا تھا اس میں ما نافیہ ہو اور بعد والے ارشادات میں ما استفہامیہ ہو۔

ربک یہ مبتداء ہے واؤ حالیہ ہے الاکرم یا تو مبتداء کی صفت ہے یا اس کی خبر ہے۔ الاکرم اسے کہتے ہیں جو کرم میں ہر اس کریم سے بڑھ کر ہو جس کے وجود کا تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بغیر کسی غرض کے احسان فرماتا ہے اور اس کے احسانات کو مقدار، کیفیت اور محل کے اعتبار سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یا اس کا معنی ہے کہ وہ بندوں کی جہالت سے حلم فرماتا ہے یا تو انہیں معاف کر دیتا ہے یا جلدی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا حالانکہ وہ علم رکھتا ہے اور جلدی انتقام لینے پر قادر بھی ہے۔ یہاں افضلیت بطور فرض ہے اگرچہ مفروض محال ہے۔ حقیقت میں وہی اکیلا کریم ہے، اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اسی وجہ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرنے کے لئے افعل یا فعیل کا صیغہ ذکر کیا جائے تو دونوں کا معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ کریم، رحیم، سمیع، بصیر یا اس جیسی دوسری صفات کا جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر اطلاق کیا جائے تو وہ بطور مجاز ہوتا ہے کیونکہ دوسرا شخص تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت کرم اور رحمت وغیرہ کا آئینہ ہوتا ہے۔

4۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بالقلم کا تعلق محذوف مفعول بہ کے ساتھ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ تا کہ اس کے ذریعہ علوم اور آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کو محفوظ کیا جا سکے تو وہ زمانے گزرنے کے بعد بھی باقی رہیں اور دور رہنے والا آدمی بھی علم حاصل کر سکے۔ یہاں خط کی تعلیم کو خصوصاً ذکر کیا۔ مقصود اس کے شرف کو بیان کرنا ہے کیونکہ تعلیم کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان علوم کی حفاظت کی جائے اور علوم باقی رہیں اور علوم کی حفاظت عموماً کتابت کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھا۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ بالقلم علم کے ساتھ متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا قلم کے ذریعے علوم سکھائے۔ اسے پہلے اس لئے ذکر کیا کیونکہ قلم کے ذریعے تعلیم دوسری تمام تعلیمات سے مقدم ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ(1)۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 67-166 (وزارت تعلیم)

ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے آپ جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ انہیں لا اله الا الله کے قول کی طرف دعوت دیجئے۔ پھر جبرئیل امین نے زمین پر اپنا پاؤں مارا۔ زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جبرئیل امین نے اس سے وضو کیا پھر آپ کو وضو کرنے کے لئے کہا پھر جبرئیل امین اٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور آپ کو بھی کہا کہ میرے ساتھ نماز پڑھیں۔ اس طرح آپ کو نماز اور وضو کی تعلیم دی، پھر حضرت جبرئیل امین آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ واپس تشریف لائے۔ آپ جس بھی پتھر، مکان یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ یہ کہتا تھا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہاں تک کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ آپ کو سب کچھ بتایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش ہوئیں پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وضو کرنے کا حکم دیا اور انہیں اسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل امین نے آپ کے لئے نماز پڑھی تھی۔ ابتداء میں آپ پر دو رکعات نماز فرض کی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سفر میں اس نماز کا حکم دیا اور حالت اقامت میں نماز مکمل کر دی۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کہا ہے معراج سے پہلے بھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نماز تو پڑھتے تھے اور یہ یقینی بات ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز آپ پر فرض بھی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے نماز فرض تھی۔ قول ختم ہوا۔ علامہ نے کہا ابتداء میں شرک سے اجتناب اور توحید کی دعوت دینے کا حکم نازل ہوا پھر رات کے وقت عبادت کرنے کا حکم نازل ہوا جس کا ذکر سورۂ مزمل کے آغاز میں ہے پھر اس کے آخر والی آیات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا پھر معراج کی رات پانچ نمازیں فرض کرنے کے ساتھ اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اس روایت میں جو یہ ذکر ہے کہ جبرئیل امین نے حضور ﷺ کو وضو کے بارے میں آگاہ کیا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ معراج شریف سے پہلے وضو کا حکم ہو چکا تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے سجدہ کرتا ہے؟ تو اسے بتایا گیا ہاں ہمارے سامنے ایسا کرتا ہے۔ تو ابو جہل نے کہا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا اور اس کے چہرے کو مٹی میں رگڑ دوں گا(1) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیات کو نازل فرمایا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۗ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۗ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۗ

"ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے [1] اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے [2] (اے غافل) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے [3] (اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے [4] ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے [5]"

[1] جو آدمی اپنی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور نماز سے روکتا ہے۔ اگرچہ اس انکار اور روکنے کا پہلے ذکر تو نہیں لیکن سیاق کلام اور دلالت حال اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کوئی التباس لازم نہیں آتا۔ یا یہ کلا حقا کے معنی میں ہے۔ الانسان سے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 372 (قدیمی)

1۔ جب وہ لوگوں کو توحید اور نماز کی دعوت دے رہا ہو تو وہ تقویٰ کا حکم دینے والا ہو۔ ظاہر بات تو یہ ہے کہ نماز اور تقویٰ کا امر کرنے سے نہی اکٹھی تھی۔ پہلے جملے میں صرف ایک پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ دوسری جگہ دونوں کا ذکر ہے نیز نماز عملاً دعوت ہی ہے نیز جب اس نے بندے کو نماز سے روکا تو یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی یہ نہی نماز اور دوسرے اعمال سے بھی تھی اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کے عام احوال دو صورتوں میں ہی محصور ہیں: 1۔ اپنے نفس کی تکمیل جو عبادت سے ممکن ہے، 2۔ دوسروں کی تکمیل جو انہیں دعوت سے ہی ممکن ہے۔ یہ اسکی شرط ہے جس کی جزا محذوف ہے۔ سیاق کلام کیونکہ حذف پر دلالت کرتا ہے اس لئے کوئی حرج نہیں۔ جزاء یہ ہو سکتی ہے هُوَ كَيْفَ يَنْهَاهُ، فَيَهْلِكُ النَّاهِيْ وَيَفُوْزُ الْعَبْدُ. یہ جملہ شرطیہ رایت کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

2۔ تاء ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اگر منع کرنے والا اس چیز کو جھٹلا رہا ہے جو حق ہے اور جھٹلانے والا ایمان سے اعراض کرنے والا ہے تو وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پائے گا جبکہ وہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ دونوں جملوں میں محذوف پر دلیل مابعد آیت ہے۔

3۔ اس میں استفہام انکاری ہے جو توبیخ اور وعید کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ نفی کا انکار اثبات ہوا کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قد علم، بان اللّٰه یری یعلم کے متعلق ہے جو اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں۔ یری، یعلم کے معنی میں ہے۔ سابقہ کلام کی دلالت کی وجہ سے اس کا مفعول حذف کر دیا گیا، یعنی اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو ہدایت اور تقویٰ کے حکم سے منع کرتا ہے جبکہ منع کرنے والا حق کو جھٹلانے والا اور ایمان سے اعراض کرنے والا ہے جبکہ جس بندے کو وہ روک رہا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دینے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے تو جزاء بھی ضرور دے گا۔ جیسا اس کا علم ہو گا اس کی جزاء بھی ایسی ہی ہوگی۔ یہاں یری کا ذکر کیا اور مراد جزاء لی جس طرح ملزوم ذکر کر کے لازم مراد لیا جاتا ہے۔ پھر تقدیر کلام یہ ہوگی یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ تعالیٰ منع کرنے والے اور بندے کو اپنے علم کے مطابق جزاء دے گا۔ یہ چاروں جملے ہیں صاحب بحر مواج نے بھی اسی طرح کہا جس طرح میں نے کہا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ الم یعلم دوسری شرط کی جزاء ہے اور پہلی شرط کی جزاء محذوف ہے اور ایسا جملہ مقدر کیا جائے گا جس طرح دوسرے جملے کی جزاء ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰىۤ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے اور تیسرے ارایت میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور دوسرے ارایت میں خطاب کافر کو ہے۔ پھر معنی یہ ہو گا اے محمد ﷺ بتاؤ جب تو نماز پڑھتا ہے تو جو منع کرتا ہے تو کیا اس نے سرکشی نہیں کی اے ابوجہل بتاؤ اگر محمد ﷺ ہدایت پر ہوں یا تقویٰ کا حکم دیں تو تو اسے کیسے منع کرے گا اے محمد ﷺ بتاؤ اگر ابوجہل جھٹلائے اور حق سے روگردانی کرے تو وہ کیسے نجات پائے گا کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جس طرح حاکم دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان میں جب فیصلہ کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ کبھی ایک کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ شیخ جلال الدین محلی نے کہا اس کا معنی یہ ہے اے مخاطب بڑے تعجب کی بات ہے کہ منع کرنے والا بندے کو نماز سے روکتا ہے جبکہ جسے منع کیا جا رہا ہے وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا ہے (1)۔ اس تعبیر کی صورت میں بھی جملے چار ہی رہیں گے۔ یا اس کا معنی ہے اے محمد ﷺ بتاؤ وہ آدمی جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ ہم نے کیسے اسے آپ سے روک دیا۔

1۔ تفسیر جلالین زیر آیت ہذا

بطور مجاز ذکر کی گئیں۔ ناصیۃ کاذبۃ یہ الناصیۃ سے بدل ہے کیونکہ ناصیۃ کی صفت ذکر کی گئی ہے اس لئے اسے بدل بنانا جائز ہے اور لئن لم ینتہ والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِالطَّاغِیْ۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آ گیا۔ اس نے کہا کیا میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے جھڑک دیا۔ ابوجہل نے کہا آپ کو معلوم ہے مجھ سے بڑھ کر یہاں کسی کے حمایتی نہیں (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں اسے ذکر کیا انتھرہ رسول اللہ (زجرہ کی جگہ انتھرہ کے الفاظ ہیں) کہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو جھڑک دیا تو ابوجہل نے کہا کیا تم مجھے جھڑکتے ہو، اللہ کی قسم میں تیرے خلاف اس وادی کو عمدہ گھوڑوں اور بہادر مردوں سے بھر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ے نادی اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں لوگ اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد مجلس والے ہیں یعنی قوم اور قبیلہ یہاں مضاف لفظوں میں محذوف ہے یا یہ مجاز عقلی ہے۔

ی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے جہنم کے دارو غے مراد ہیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد فرشتے ہیں جو بڑے قوی اور سخت ہیں (2)۔ زبانیہ زبنی یا زبنیہ کی جمع ہے جس طرح عفریۃ ہوتا ہے۔ یہ زبن سے ماخوذ ہے جس کا معنی دور کرنا ہے یعنی سپاہی بلائیں گے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی یہ ہے اگر اس نے اپنی قوم کو بلایا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسے اعلانیہ پکڑ لیں گے۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے یہ حدیث مرفوع ہے۔

ے اگر اس نے قوم بلائی تو سر کے بال پکڑنے اور زدوارو مجھے بلانے کی بات حق ہے۔ وہ نماز کے بارے میں تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کیجئے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہو سکتا ہے مَاذَا اَصْنَعُ حِیْنَ یَنْھٰی۔

واسجد کا عطف لاتطعہ پر ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہ اس کی تاکید ہے یعنی اس کی بارگاہ اقدس میں سجدہ کیجئے اور نماز ادا کرنے کے ساتھ اس کا قرب حاصل کیجئے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ جب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس لئے کثرت سے دعا کیا کرو (4)۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں لیطغی سے لے کر ان اللہ یریٰ تک آیات کے آخری حروف میں امالہ کیا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یریٰ میں امالہ کیا ہے، باقی میں بین بین پڑھا ہے۔ ورش نے تمام میں بین بین پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے ہم نے سورۂ انشقت میں سجدہ کی بحث ذکر کی تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسجد سجدہ تلاوت سے امر کا صیغہ ہے کیونکہ حضور ﷺ کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے سورۂ انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ کیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (5)۔ جمہور علماء کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اس آیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، کل کو جزء کا نام دیا ہے کیونکہ اس کا عطف لا تطعہ پر ہے۔ یہ عطف تفسیری ہے۔ تاہم حضور ﷺ کی اقتداء میں یہاں سجدہ کرنا سنت ہے جو وجوب کا تقاضا نہیں کرتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 82 (الرشد) 5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 215 (العلمیہ)

مخالف ہے کہ حضور ﷺ کے بعد اسے اٹھالیا گیا۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ آپ سے کہا گیا لوگوں کا گمان ہے کہ لیلۃ القدر کو اٹھا دیا گیا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا جس نے یہ کہا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اسے عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ راوی نے پوچھا میں نے کہا یہ ہر اس رمضان میں ہوگی جسے وہ پائے گا تو آپ نے جواب دیا ہاں بات اسی طرح ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝

"بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں 1۔ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے؟ 2۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے 3۔"

1۔ ہ ضمیر سے مراد قرآن حکیم ہے ذکر کے بغیر اس کے لئے ضمیر کا ذکر کیا گیا۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن کی اتنی عظمت ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ ذہن ان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل کرنے کو اپنی طرف منسوب کر کے اس کی عظمت بیان کی۔ جب جملہ فعلیہ خبر بن رہا ہے تو اس سے پہلے مسند الیہ کو مقدم کیا مقصود تاکید میں اضافہ کرنا ہے یا یہ اسلوب تخصیص کے لئے ہے پھر وقت کے اعتبار سے اس کی عظمت بیان کی۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں اپنے بندوں اور شہروں کے بارے میں آنے والے سال کے معاملات کو مقدر کر دیتا ہے۔ حضرت حسین بن فضل رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے مقادیر کا اندازہ معین نہیں کر دیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ہاں تو ان سے سوال کیا گیا تو پھر لیلۃ القدر کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ان مقادیر کو اوقات کی طرف لے جانے اور مقدر فیصلوں کی تنفیذ کا اہتمام کرنا(2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور شہروں کے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے اس کے بارے میں وہ فرشتوں کو اطلاع کر دیتا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقادیر کا اندازہ اور امور کا فیصلہ شعبان کی درمیانی رات کو ہوتا ہے۔ اس میں مردوں کو زندوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ ان میں نہ زیادتی کی جاتی ہے اور نہ ہی ان میں کمی کی جاتی ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک موتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ فلاں نکاح کرتا ہے، اس کا بچہ ہوتا ہے مگر اس کا نام مردوں میں شامل ہوتا ہے(3)۔ میں کہتا ہوں شاید تجاویز وغیرہ کے چند امور شعبان کی نصف رات کو جزوی طور پر مقدر کئے جاتے ہیں اور کلی طور پر ان کی تقدیر اور موکل فرشتوں کی طرف ان کی سپردگی یہ لیلۃ القدر کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سال بھر میں خیر، شر، رزق، موت یہاں تک کہ فلاں فلاں حج کرے گا لوح محفوظ سے لکھ لیا جاتا ہے(4)۔ ابو الضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف رات کو فیصلے فرماتا ہے اور لیلۃ القدر کی رات ان فرشتوں کے سپرد کرتا ہے جو ان امور کی تدبیر پر معین ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس رات کی عظمت اور شرف کی وجہ سے اس کا نام لیلۃ القدر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح صحیح تعظیم نہیں کی۔ ایک قول یہ کیا گیا اس رات میں کہا گیا اچھا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عظمت وشان اور اجر عظیم والا ہوتا ہے(5)۔ لیلۃ القدر کو قرآن حکیم کے نازل ہونے کی بات

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 4، صفحہ 255 (المجلس العلمی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

فرض ادا کیئے۔ یہ صبر اور مواسات کا مہینہ ہے۔ ان صفات میں سے کوئی صفت بھی ایسی نہیں جو اس رمضان کے ساتھ خاص ہو۔ اسی لیلۃ القدر کو اسی رمضان کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ انہیں احادیث میں سے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی کوشش کرتے جتنی محنت کسی اور مہینے میں نہیں فرماتے تھے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ آپ فرماتی ہیں جب آخری عشرہ ہوتا تو آپ کمر کس لیتے اس کی راتوں میں قیام کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے(2)۔ آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اس جہاں سے پردہ فرمایا پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں یہ روایت متفق علیہ ہے(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بھی فرمان ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے اور فرماتے رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر تلاش کرو۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔ انہیں احادیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے پہلا عشرہ میں اعتکاف کیا پھر ایک ترکی خیمہ میں درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر حضور ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر باہر نکالا اور کہا میں نے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا تاکہ لیلۃ القدر کو تلاش کروں۔ پھر میں نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس فرشتہ آیا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ رات تو آخری عشرہ میں ہے۔ اس لئے جس نے میری معیت میں اعتکاف کیا تھا وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے۔ مجھے یہ رات دکھائی گئی۔ میں نے اس کو پالیا۔ میں اس کی صبح اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس لئے آخری عشرہ کی طاق رات میں اسے تلاش کرو۔ راوی نے کہا اس رات بارش ہوئی مسجد چھپر نما تھی اس لئے اس کی چھت ٹپکی میری نظر حضور ﷺ کے چہرے پر پڑی جبکہ آپ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کے نشانات تھے۔ یہ اکیسویں رمضان کی صبح تھی۔ یہ روایت معنوی اعتبار سے متفق علیہ ہے۔(5)

امام مسلم نے ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ مقصود لیلۃ القدر تلاش کرنا تھا۔ جب درمیانی عشرہ ختم ہو گیا تو آپ نے خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا خیمہ اکھاڑ لیا گیا پھر آپ کو وہ رات بھول گئی جبکہ یہ آخری عشرہ میں تھی تو آپ نے دوبارہ خیمہ لگانے کا حکم دیا تو خیمہ دوبارہ لگا دیا گیا پھر حضور ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے فرمایا اے لوگو مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی۔ میں تمہیں بتانے کے لئے باہر نکلا تو دو آدمی آگئے جن کے ساتھ شیطان تھا تو مجھے رات بھول گئی۔ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ نویں، ساتویں اور پانچویں شب میں تلاش کرو۔ میں نے پوچھا اے ابوسعید تم ہماری بنسبت عدد کو زیادہ جانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم تمہاری بنسبت اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ فرمایا رمضان کے اکیس دن گزر جائیں اس کے بعد والا دن بائیسواں ہو تو یہ نویں رات ہے۔ جب رمضان کے تیئیس دن گزر جائیں تو جو رات اس کے ساتھ ہی ہوتی ہے وہ ساتویں ہوتی ہے۔ جب پچیس دن گزر چکے ہوں تو اس کے ساتھ جو رات ملی ہوتی ہے وہ پانچویں ہوتی ہے(6)۔ طیالسی نے ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کی چوبیسویں رات ہے(7)۔ انہیں احادیث میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی۔ مجھے اس کی صبح میں یوں دکھایا گیا کہ میں مٹی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 372 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 271 (وزارت تعلیم)
5۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 181 (وزارت تعلیم) 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 370 (قدیمی) 7۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3822 (ابن حزم)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے، یعنی بیس کے بعد ساتویں یا باقی ماندہ راتوں میں سے ساتویں ہے۔ انہیں احادیث میں سے ایک نعمان بن بشیر کی مرفوع روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں سابعة تمضی اور سابعة تبقی یعنی گزرتی ہوئی ساتویں یا باقی رہتی ہوئی ساتویں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ یہ رات آخری دس راتوں میں ہے نو میں جو گزر جاتی ہیں یا سات میں جو باقی رہتی ہیں۔ تسع یمضین کے الفاظ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو نویں میں جو باقی ہو ساتویں میں جو باقی ہو پانچویں میں جو باقی ہو(1)۔ انہیں احادیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ تشریف لائے تا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں بتائیں تو دو مسلمان الجھ پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس لئے نکلا تھا تا کہ تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتاؤں تو فلاں اور فلاں الجھ پڑے تو وہ اٹھالی گئی ممکن ہے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہو اسے نویں، ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو(2) انہیں میں ایک حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لیلۃ القدر کو تلاش کرو جب نو دن باقی ہوں یا پانچ دن باقی ہوں یا تین دن باقی ہوں یا آخری رات میں تلاش کرو اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت کی حدیث اسی کی مثل روایت کی ہے۔

انہیں احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک صحابی نے لیلۃ القدر آخری سات راتوں میں دیکھی تو حضور ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں موافق ہوتے ہیں۔ جو کوئی اس کی تلاش کرنا چاہتا ہے وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے، متفق علیہ(4)۔ ایک روایت میں ہے کچھ لوگوں کو آخری سات راتوں میں لیلۃ القدر دکھائی گئی اور کچھ کو آخری دس راتوں میں دکھائی گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا آخری سات راتوں میں اسے تلاش کرو(5)۔ انہیں روایات میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ اگر تم کسی وجہ سے مغلوب ہو جاؤ تو آخری سات راتوں میں مغلوب نہ ہوا۔ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ اسے آخری دس راتوں میں اسے تلاش کرو اگر تم میں سے کسی کو ضعف یا عجز لاحق ہو تو باقی ماندہ سات راتوں میں مغلوب نہ ہو۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔ ان تمام احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے، کبھی اکیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح ابوسعید کی روایت سے ثابت ہے، کبھی تیئیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے، کبھی چوبیسویں کی رات ہوتی ہے جس میں قرآن نازل ہوا کبھی ستائیسویں کی رات ہوتی ہے جس طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر اس کی علامت ظاہر ہوئی، کبھی بائیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی چھبیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی اٹھائیسویں کی رات ہوتی، کبھی انتیسویں کی رات ہوتی ہے، کبھی تیسویں کی رات ہوتی ہے۔ اس تاویل کی بناء پر احادیث میں تعارض نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے لیلۃ القدر کی فضیلت میں قرآن کو نازل کیا۔

ما ادرٰک میں ما استفہامیہ ہے اور انکار کے لئے آیا ہے۔ استفہام کا مقصود تعظیم اور تعجب کا اظہار ہے ما لیلۃ القدر میں بھی یہی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 271 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 98 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 270 (وزارت تعلیم) 5۔ ایضاً 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 369 (قدیمی)

گیا کہ یہ صرف سلام ہی سلام ہے کیونکہ فرشتے کثرت سے مومنوں کو سلام کریں گے۔ اس صورت میں حتی مطلع الفجر یا تو سلام کے مفہوم کے ساتھ متعلق ہوگا جو تسلیم کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ رات صبح تک سلام سے بھری ہوئی ہے یا یہ ظرف مستقر ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی تِلْكَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ یہ جملہ لیلۃ القدر کی ایک اور خبر ہوگی یا یہ تنزل کے متعلق ہوگی۔ ان دونوں تاویلوں کی صورت میں سلام جملہ معترضہ ہوگا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلع کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یا تو یہ طلوع سے مصدر میمی ہے یا یہ ظرف زمان ہے اور اس سے طلوع کا وقت مراد ہے۔

فائدہ:۔ ایک قول یہ کیا گیا اس رات ہر چیز سجدہ میں دکھائی دیتی ہے، ہر جگہ نور پھیلا ہوا ہوتا ہے، فرشتوں کی طرف سلام اور خطاب سنائی دیتا ہے۔ یہ چیز بعض اکابر پر بذریعہ کشف ظاہر ہوتی ہے۔ ہر کسی پر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہوتی ثواب کے حصول کے لئے اس میں سے کسی چیز کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر ان چیزوں کا ظہور امر کلی ہوتا یا اکثر ایسا ہوتا تو امت پر اس کے مخفی یا مبہم ہونے کا تصور نہ ہوتا خصوصاً صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اکابر اولیاء پر یہ مخفی نہ ہوتا لیکن لیلۃ القدر کے ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت ضروری ہے جس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں لیلۃ القدر کو قیام کیا اور حضور ﷺ کا ارشاد فرشتے ہر اس بندے کے لئے دعائیں کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ جس نے اس رات عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو اس نے اس رات کا ثواب پالیا جس نے عمل میں اضافہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں اضافہ کر دے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (1)۔ تو گویا دونوں میں سے ہر ایک نماز جب جماعت کے ساتھ ادا کی تو وہ نصف رات کے قیام کی مثل ہوگئی کیونکہ یہ دونوں رات کے فرض ہیں۔ جہاں تک مغرب کی نماز کا تعلق ہے وہ دن کے وتر ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ انسان لیلۃ القدر میں زیادہ نماز پڑھے، اے اللہ تو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے مجھے بھی معاف فرما دے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے مجھے بتایئے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا کہوں تو فرمایا تو کہہ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (2)۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 232 (قدیمی)

2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 313 (العلمیۃ)

ہے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ کفر کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا مگر جب ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی۔ بعد ما جاءتہم البینۃ میں ما مصدریہ ہے۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے ظرف ہونے کی حیثیت میں محل نصب میں ہے اور تفرق کے ساتھ متعلق ہے یعنی ان لوگوں نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کے بارے میں اختلاف کیا جبکہ اس سے پہلے حضور ﷺ کی تصدیق پر سب متفق تھے آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ۔ ان کا یہ انکار حسد اور عناد کی وجہ سے تھا۔ ما تفرق کا عطف لم یکن پر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں الحاد کرتے اور اس کی طرف بچے کی نسبت کرتے۔ تاہم وہ حضور ﷺ کے بارے میں متفق تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ حضور ﷺ کی تصدیق پر اتفاق کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ خاص تھا مشرک اس میں شامل نہ تھے۔ اس وجہ سے آیت میں ان کا خصوصی ذکر آیا تا کہ اہل کتاب میں سے جو ابھی تک کفر پر باقی ہیں تا کہ ان کی بدبختی کی زیادتی کا اظہار ہو۔ پہلی آیت ان اہل کتاب اور مشرکوں کے بارے میں تھی جو ایمان لے آئے تھے اور دوسری آیت ان اہل کتاب کے بارے میں ہے جو کفر پر باقی رہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء لغت نے منفکین کا معنی ہلاک ہونے والے کیا ہے جس طرح عرب کہتے ہیں انفک صلب المراۃ عند الولادۃ یعنی ولادت کے وقت عورت کا سینہ کھل گیا پھر جڑ نہ سکا اور وہ ہلاک ہو گئی۔ اس آیت کا معنی یہ ہو گا یعنی نہ وہ ہلاک ہوں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا۔ مگر اس صورت میں جب ان پر رسول مبعوث کرنے اور کتابیں نازل کرنے کے بعد ان پر حجت تمام کر دی گئی۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ۝

"حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے[1]"

[1] ھم ضمیر سے مراد تمام کافر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا لیعبدوا میں لام زائدہ ہے اور فعل ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ ان کو حذف کیا گیا اور لام زائدہ لایا گیا۔ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ امروا کا مفعول بہ ہے۔ معنی یہ ہوگا انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا مفعول بہ محذوف ہے اور لام لام کی (تعلیل) ہے۔ جملہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ انہیں عبادت کے سوا کسی چیز کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی زبان پر اچھی چیز کا حکم دیا گیا جس کے حسن پر دلائل عقلیہ دلالت کرتے ہیں۔ سابقہ کتابوں میں بھی انہیں انہیں چیزوں کا حکم دیا گیا تھا تو ان انکار کرنے والوں پر تعجب ہے کہ وہ کیسے انکار کرتے ہیں اور آپ کے بارے میں تفرقہ کرتے ہیں۔

مخلصین یہ یعبدوا کے فاعل سے حال ہے۔ لہ کی ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دین کا معنی اعتقاد ہے۔ حنفاء یہ حال مرادف ہے یا حال متداخل ہے، یعنی اس حال میں کہ وہ تمام باطل دینوں سے منہ موڑنے والے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کو تورات اور انجیل میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کریں اور

اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ۱؎"

۱؎ جزاء ھم مبتدا ہے عند ربھم جزاء کی ظرف ہے۔ جنت عدن یہ مبتدا کی خبر ہے۔ تحتھا میں ھا سے مراد محلات اور درخت ہیں۔ الانہار یہ تجری کا فاعل ہے اور مجاز کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ مکمل جملہ جنات کی صفت ہے۔ خالدین یہ جزاء ھم کی ضمیر سے حال ہے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد جنات ہیں۔ ابدا یہ خالدین کی ظرف ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت میں کئی مبالغے ہیں۔ مدح کو مقدم کیا۔ جزاء کا ذکر فرمایا جو اس بات کی خبر دے رہا ہے۔ انہیں جو کچھ عطا کیا جا رہا ہے وہ ان صفات کا بدل ہے جن سے وہ متصف ہیں اس میں یہ ذکر ہے کہ یہ جزاء ان کے رب کی طرف سے ہے جنات کو جمع ذکر کیا اسے عدن کی طرف مضاف کیا۔ اس کی صفت ایسی چیز سے لگائی جو نعمتوں میں اضافہ کا ذکر کرتی ہے۔ ابدا کے ساتھ اس کے ہمیشہ رہنے کو مؤکد کیا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا جنات اور ان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ان سے بڑھ کر نعمت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا اے جنتیو۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں، سعادت مندیاں اور خیر سب تیرے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم کیوں راضی نہ ہوں تو نے ہمیں وہ عطا کیا ہے جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عطا نہ کروں؟ تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب کونسی چیز اس سے افضل ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اپنی رضا تم پر نازل کرتا ہوں، اب اس کے بعد میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا، متفق علیہ (1)۔ شاید حدیث کے الفاظ میں ما لم یعط احدا من خلقک سے مراد یہ ہے جو فرشتوں کو عطا نہیں کیا گیا کیونکہ جنتیوں کے علاوہ تو پھر جنتی ہی ہیں ان پر فضیلت کا قول کرنا جائز نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رضا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا صلہ باء آتا ہے، دوسرے کا صلہ عن آتا ہے۔ جب صلہ باء آئے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب اور مدبر ماننے پر راضی ہے جب صلہ عن آئے تو اس کا معنی ہے وہ اس کی قضا اور قدر پر راضی ہے۔

میں کہتا ہوں اس پر راضی ہونے کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر عمل حقیقت میں بہترین ہے اگرچہ اس کا حسین ہونا ہم پر مخفی ہو رضا کی یہ قسم بندوں پر واجب ہے خواہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کے لئے پسندیدہ ہو یا پسندیدہ نہ ہو۔ اگر کسی سے نافرمانی صادر ہو یا کسی دوسرے شخص سے نافرمانی صادر ہو تو وہ کفر اور معصیت پر راضی نہ ہو کیونکہ اس کا صدور بندے کی طرف سے ہوا ہے اور بندے کی طرف سے کفر اور معصیت کا صدور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں اگرچہ انسان سے اس کا صدور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تخلیق سے ہوا ہے۔ رضا کی اس قسم کے واجب ہونے کا دارومدار عقل اور استدلال پر ہے کیونکہ عقل مند جب یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس کے عمل پر اعتراض تو تب کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے۔ نیز عقل مند اس بات کو بھی دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے وہ وہی عمل کرتا ہے جو اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔ اگر انسان کے ذہن میں کوئی شک و شبہ پیدا ہوتا ہے تو یہ اس کی عقل، دین اور نفس میں باقی ماندہ کفر کی وجہ سے ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے۔ رضا کی اسی قسم کی طرف سری سقطی نے اشارہ کیا ہے جب تو اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں تو تو اس سے رضا کا مطالبہ کیسے کرتا ہے۔ رضا کی ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 969 (وزارت تعلیم)

سورۃ الزلزال

آیاتہا ٨ — سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ٩٩ — رکوعہا ١

سورۃ الزلزال مدنی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾

"جب تھرتھرائے گی زمین پوری شدت سے 1۔ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا؟ 2۔ اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات 3۔"

1۔ زمین کی عظمت کے مطابق جتنی حرکت اور اضطراب اس کے لئے مناسب ہوگا اتنا اسے جھنجوڑا جائے گا یا جتنا حکمت تقاضا کرے گی اتنا ہی اسے جھنجوڑا جائے گا یا جتنا زلزلہ اس کے لئے ممکن ہے اتنا اس میں زلزلہ واقع ہوگا یا جتنا زلزلہ زمین کے لئے مقدر کیا گیا اتنا اس میں زلزلہ برپا ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زمین کی نچلی والی جانب سے اس میں حرکت برپا ہوگی(1)۔ اس زلزلہ میں اختلاف ہے کیا یہ زلزلہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا جبکہ لوگ اپنی قبروں سے باہر آ چکے ہوں گے یا جب دنیا میں قیامت کی علامات ظاہر ہو رہی ہوں گی تو پہلے نفخہ سے پہلے یہ زلزلہ برپا ہوگا۔ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے پہلے قول کو پسند کیا جبکہ ابن عربی اور دوسرے علماء نے دوسرے قول کو پسند کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ۔ پہلے قول کے قائلین نے یہ جواب دیا کہ یہ کلام تمثیل اور مجاز کے طور پر ہے۔ مقصود اس کی ہولناکی بیان کرنا ہے۔ یہ اپنے حقیقی معنی میں نہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عمران سے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کونسا دن ہے یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو(2)۔ اس کی کئی سندیں ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے کہے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ بھیجو تو حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے اے میرے رب جہنم کا کتنا حصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ تو ہزار میں سے باقی ایک بچے گا۔ یہ کلام سن کر چھوٹی عمر کا آدمی بوڑھا ہو جائے گا۔ حاملہ جاندار اپنا حمل گرا دے گی۔ تم لوگوں

1۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذا
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 146 (وزارت تعلیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی۔ تلاوت کی آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو وہ کیا خبریں دے گی؟ لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اس کی خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جو کچھ عمل کیا گیا زمین ہر مرد اور عورت کے بارے میں گواہی دے گی۔ وہ کہے گی فلاں فلاں نے یہ عمل کیا۔ یہی اس کی خبریں ہیں۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا(1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز امام نسائی، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ حرشی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین سے محتاط رہو، یہ تمہاری ماں ہے۔ اس پر جس نے بھی اچھا یا برا عمل کیا وہ اس کے بارے میں خبر دے گی(2)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

"کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے [1]۔ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تاکہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال [2]۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا [3]۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا [3]۔"

1۔ لها میں لام جار الی کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اوحی ربک الیها ان تخبر کہ تیرے رب نے زمین کی طرف وحی (اشارہ) کی کہ وہ سب کچھ بتا دے یا اس کو اجازت دی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بان ربک، اخبارها سے بدل ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ میں نے یہ خبر دی۔ اس صورت میں یہ انسان کے قول ما لها کا جواب ہوگا، یعنی وہ زمین کہے گی تیرے رب نے میری طرف وحی کی اور حکم دیا کہ اپنے اندر زلزلہ برپا کروں اور اپنے تمام خزانے نکال دوں۔

2۔ یومئذ مابعد فعل کی طرف ہے۔ پیشی کے بعد لوگ حساب کی جگہ سے الگ الگ لوٹیں گے۔ دائیں سمت والے جنت میں جائیں گے اور بائیں سمت والے جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ۔

لیروا یصدر کے متعلق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ وہ اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے یعنی وہ حساب کی جگہ سے پلٹیں گے تاکہ جنت یا جہنم میں اپنے ٹھکانے پر پہنچیں(3) اور یومئذ یصدر والا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔

3۔ یہاں سے لے کر آخر تک لیروا کی تفصیل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ تو مسلمانوں کا یہ خیال ہوا کہ اگر انہوں نے کوئی تھوڑی چیز دی تو انہیں کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔ دوسروں کی رائے یہ تھی کہ چھوٹے گناہ پر کوئی گناہ نہ ہوگا جیسے معمولی جھوٹ، نامحرم کو دیکھنا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اعمال کا ذکر کیا ہے(4) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ عمل چھوٹی چیونٹی کے وزن کا ہو یا اس سے بھی کم وزن کا ہو خیرا یہ مثقال ذرة سے تمیز ہے۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے یره میں دونوں جگہ ہ کو ساکن پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اشباع کی صورت میں پڑھا ہے، یعنی وہ اس چھوٹے عمل کی جزاء دیکھے گا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ اسے چھوٹی نیکی کی رغبت دلاتا ہے۔ ممکن

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
4۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

ہی کیوں نہ ہو جبکہ نصوص اور اجماع اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ آیت کفار کو شامل نہیں کیونکہ نیک اعمال کو قبول ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اخلاص عمل ضروری ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ(1)۔ اگر شرط ان سے فوت ہو گئی تو مشروط بھی نہ رہا کفار کے نیک اعمال ایسے ہی ہیں جس طرح بغیر وضو کے نماز پڑھی جائے کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں بلکہ یہ تو استہزاء اور نافرمانی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا جس نے حالت کفر میں نماز، روزے اور اعتکاف کی نذر مانی پھر اس نے اسلام قبول کیا تو اس پر نذر کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا کیونکہ کافر کی طرف سے نماز، روزہ اور اعتکاف خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ یہ تو کفر اور معصیت ہے، یہ طاعت نہیں اور معصیت کی کوئی نذر نہیں ہوتی ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ الخ۔

یہ اگر گناہ پر بخشش نہ ہوتی تو اس کی جزاء ضرور دیکھے گا۔ اس شرط کی دلیل آیات اور احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ توبہ کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ گناہ بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ اس کا فرمان ہے مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اسی طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسی عام مغفرت فرمائے گا کہ ابلیس بھی اس طرف متوجہ ہوگا۔ وہ اس کی طرف آئے گا تا کہ مغفرت پالے (لیکن نہ پا سکے گا)۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ آیت مرجئہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ مرجئہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو عذاب نہیں دے گا اگرچہ مومن فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ مومن کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کافر کو کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ وہ مومن جنہوں نے چھوٹے یا بڑے گناہ کئے ہیں ان کے عذاب کے بارے میں بھی بے شمار آیات اور احادیث ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ تو اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حق وہی ہے جو اہل سنت نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عدل کرتے ہوئے چھوٹے گناہ پر عذاب دے اور اگر چاہے تو فضل کرتے ہوئے بڑے گناہ کو بخش دے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے دن گناہ گار کی نظر میں چھوٹا گناہ بھی پہاڑ سے بڑا نظر آئے گا(2)۔ حضرت سعید بن جبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہوئے، ہم ایک بے آباد جگہ اترے جہاں کوئی چیز بھی نہ تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس جو کچھ ہوا سے جمع کر کے لے آؤ تو چند گھڑیاں بھی نہ گزری تھیں لوگ جمع کر کے لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ دیکھتے ہو تمہارے گناہ بھی اسی طرح تم پر جمع کئے جاتے ہیں جس طرح تم نے ان چیزوں کو جمع کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو کوئی بھی چھوٹا بڑا گناہ نہ کرے کیونکہ اس کا شمار ہو رہا ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چھوٹے گناہوں سے بچو کیونکہ ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہوگا(4)

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ معجم کبیر، جلد 6، صفحہ 52 (العلوم والحکم)
4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 232 (العلمیہ)

نے حسان اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں انہیں ہلاک کر دینے والے اعمال خیال کرتے تھے اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اسی کی مثل روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا قرآن حکیم میں سب سے جامع آیت یہی ہے پھر آپ نے اس مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کو یکتا اور جامع فرمایا(2)۔

ربیع بن خثیم نے کہا ایک آدمی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جو اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب آیت کے آخر تک پہنچے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لئے یہ کافی ہے تو نے نصیحت کی انتہا کر دی(3)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، عرض کی مجھے کچھ پڑھائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا الر والی تین سورتیں پڑھا کرو۔ اس نے عرض کی میں بوڑھا ہو گیا ہوں، دل سخت ہو گیا ہے اور زبان بھی بھاری ہو گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا حم والی تین سورتیں پڑھا کرو۔ اس آدمی نے پھر وہی باتیں کیں اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایک جامع سورت سکھائیے۔ حضور ﷺ نے سورۂ زلزال کی تلاوت کی یہاں تک کہ آپ اس سے فارغ ہوئے یعنی اسے مکمل پڑھا۔ آدمی نے عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دو دفعہ فرمایا یہ آدمی کامیاب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے رویجل تصغیر کا لفظ استعمال کیا(4)۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۂ اخلاص قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے اور سورۂ کافرون قرآن کے چوتھائی حصے کے برابر ہے(5)۔ اسے امام ترمذی اور بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ سورۂ زلزال قرآن کے چوتھائی حصے کے برابر ہے(6)۔ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے چوتھائی حصے کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت حساب پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے پیدائش، موت، بعث اور حساب کی طرف نسبت کے اعتبار سے چوتھائی ہے۔ کیونکہ قرآن میں ان چار چیزوں کا ذکر ہے)۔ اس کے نصف قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت آخرت کے احوال پر مشتمل ہے اور آخرت کے احوال دنیا کے احوال کے مقابلہ میں نصف ہیں جبکہ قرآن دونوں پر مشتمل ہے۔ اس لئے یہ ایک لحاظ سے نصف اور دوسرے اعتبار سے چوتھائی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک انتہائی ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے سورۂ زلزال کو چار دفعہ پڑھا اس نے گویا مکمل قرآن حکیم پڑھا، واللہ تعالیٰ اعلم(7)۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 961 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 319 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، [illegible]
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 304 (الرشد)
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)
6۔ ایضاً
7۔ [illegible]، جلد 6، صفحہ 351 (العلمیہ)

سورۃ العادیات

آیاتھا ۱۱ سورۃ العٰدیٰت مکیۃ ۱۰۰ رکوعھا ۱

سورۃ العادیات مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

بزاز، دارقطنی، حاکم اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے گھڑ سوار دستہ روانہ کیا۔ وہ ایک ماہ تک باہر ٹھہرا رہا۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ کو کوئی خبر نہ آئی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔(1)

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾

"قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں ۱؎ پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر ۲؎ پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت ۳؎ پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں ۴؎ پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں ۵؎ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے ۶؎ اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے ۷؎"

۱؎ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تاء اور ضاد میں بڑے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں غازیوں کے گھوڑوں کی قسم اٹھائی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوڑتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حضرت حسن بصری، کلبی، قتادہ، مقاتل، ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے مفسرین نے یہی کہا ہے(2)۔ اس تاویل اور جو ہم نے سبب نزول ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے تو جہاد وغیرہ نہیں تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان کے ساتھ قسم اس لئے اٹھائی گئی کہ یہ آئندہ زمانے میں ہوں گے اس صورت میں یہ مکی ہوگی۔

ضبحا مصدر ہے جو فعل کے قائم مقام ہے اور مکمل جملہ عادیات کے فاعل سے حال ہے۔ ضبحا دوڑ کے وقت گھوڑوں کے سانسوں کی آواز ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا گھوڑے، کتے اور لومڑی کے علاوہ حیوانات کی سانسوں کی آواز کو ضبح نہیں کہتے اور ان کی آواز کو ضبح اس وقت کہتے ہیں جب وہ تھک جائیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عادیات سے مراد اونٹ ہیں جو حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف دوڑتے ہیں اور آپ نے فرمایا اسلام میں سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر تھا اور ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا اور ایک حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا تو اس لئے وہ عادیات کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 651 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَىِٕذٍ لَّخَبِیْرٌ ۠

''اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے لہ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے
ٹ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے ٹ یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا''

لہ ہ ضمیر سے مراد انسان ہے۔ خیر سے مراد مال ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں خیر سے مراد ہے۔ ان ترک خیرا یعنی انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ نعمت پر شکر بجالانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا یا ہ ضمیر بخیل کے لئے ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بخیل بہت ہی سخت دل ہے کیونکہ اسے مال سے بہت محبت ہے۔ اس صورت میں لحب الخیر پہ لام تعلیل کے لئے ہوگا۔ پہلی صورت میں لام صلہ کے طور پر ہے۔

ٹ ہمزہ استفہام تعجب کے لئے ہے۔ اس میں فاء عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَلَا یَنْظُرُ الْاِنْسَانُ فَلَا یَعْلَمُ۔ معنی اس کا یہ بنے گا اسے غور و فکر کرنا چاہئے تاکہ وہ آج ہی اس چیز کو جان لے جبکہ وہ نکل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے آگاہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں اب قیامت کے روز انہیں ان اعمال کی جزا دے گا اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ ظاہر فرما دے گا۔

مافی القبور سے مراد مردے ہیں من کی جگہ ما کا لفظ ذکر کیا تاکہ یہ مافی الصدور کا ہم وزن ہو جائے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مردہ ہے اور اس حالت میں وہ عقل نہیں رکھتا اس لئے اسے جمادات کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔

ٹ یعنی انسانوں کے سینوں میں خیر اور شر جو کچھ ہے اسے جمع کیا جائے گا یا تمیز دی جائے گی یا اسے ظاہر کیا جائے گا۔ یہاں اعضاء کے اعمال کا ذکر نہیں کیا ما فی الصدور کو خاص کیا کیونکہ یہی اصل ہے۔ اذا بعثر شرط ہے۔ اس کی جزاء محذوف ہے کیونکہ یہ شرط ایسے جملے کے درمیان واقع ہے جو جواب پر دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ یَعْلَمُ۔ درمیان میں جملہ معترضہ دھمکی دینے اور اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے۔

ٹ یہ جملہ یعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اِنَّ اس لئے پڑھا گیا کیونکہ اس کی خبر پر لام مفتوح ہے یا یہ قول کیا گیا کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں جن پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے، یعنی ہم انہیں اس روز بدلہ دیں گے۔ یومئذ خبیر کے مضمون کے متعلق ہے۔ اس دن کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ جزاء اسی دن واقع ہوگی اور پتہ چلے گا کہ وہ خبیر ہے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ تمام زمانوں کا علم رکھتا ہے یا یہ کہا جائے گا کہ خبیر کا لفظ مجازی (جزا دینے والا) سے مجاز ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس روز جزاء دے گا۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

میزان کی جمع ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد نیکیوں والا پلڑا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ میزان اسی طرح ہوگا جس طرح دنیا میں ترازو ہوتا ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے زہد میں، ابن جریر اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو کے دونوں پلڑے زمین و آسمان جتنے بنائے ہیں۔(1)

موازین کا لفظ جمع ذکر کیا کیونکہ من ثقلت معنی کے اعتبار سے جمع ہے اور مفرد کی ضمیر اس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ذکر کی۔ جب جمع کا جمع سے مقابلہ ہو تو یہ آحاد کو آحاد پر منقسم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن یہ تاویل دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک آدمی کے لئے ترازو متعدد ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ ترازو تو ایک ہی ہو لیکن جب وہ افراد بے شمار ہیں جن کے نامہ اعمال تولے جانے ہیں تو موازین کا لفظ جمع ذکر کیا۔

2 ھو ضمیر من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مفرد ذکر کی۔ رضا کی نسبت عیشۃ کی طرف مجازاً کی گئی ہے یا یہ اس آدمی کی صفت ہے جو یہ زندگی گزار رہا ہے۔ جس طرح ناصیۃ کاذبۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی عیشۃ مرضیۃ یعنی مجاز عقلی کا قاعدہ ہے۔ اس کے بالکل برعکس وعدا ماتیا ہے یا یہ ذات رضی کے معنی میں ہے۔

3 یہاں بھی موازین سے مراد اس کے اعمال صالحہ ہیں یا اعمال صالحہ کا پلڑا ہے۔ یہاں من کافر کو بھی شامل ہے جس کا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کوئی نیکی بھی نہ ہوگی کیونکہ اعمال صالحہ کے لئے ایمان شرط ہے۔ وہ مومن جو فاسق ہو اور اس کی برائیاں اچھائیوں پر غالب ہوں تو اس کا معاملہ ان مومنوں کے الٹ ہوگا جن کا ذکر من ثقلت موازینہ سے کیا گیا تھا کیونکہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو یا تو معصوم ہوں گے یا ان کے گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے یا ان کی نیکیاں برائیوں پر غالب آ جاتی ہوں گی۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمارے علماء نے کہا لوگوں کے آخر میں تین طبقات ہوں گے۔ ایک متقین کی جماعت ہوگی جس کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے، ان کی نیکیاں منور پلڑے میں ہوں گی۔ وہ پلڑا اوپر نہیں اٹھے گا اور تاریک پلڑا خالی پلڑے کی طرح اوپر اٹھ جائے گا۔ دوسری جماعت کفار کی ہوگی ان کا کفر اور اعمال کا بوجھ تاریک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اگر ان کا کوئی اچھا عمل ہوا جس طرح صلہ رحمی وغیرہ تو اسے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا مگر یہ پلڑا گناہوں والے پلڑے کے برابر نہ ہوگا۔ اسے لئے نیکیوں والا پلڑا خالی پلڑے کی طرح اٹھ جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ایک بھاری بھرکم آدمی لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر جتنا بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا متفق علیہ(2)۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ایک جماعت فاسق مومنوں کی ہوگی ان کی نیکیاں روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور برائیاں تاریک پلڑے میں رکھی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، اگر برائیوں والا پلڑا بھاری ہوا تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی ایسا ہی ہوگا، یعنی اگر وہ چاہے گا تو اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر چاہے گا تو اسے بخش کر جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر دونوں پلڑے برابر ہوئے تو اسے اعراف میں رکھا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب اس نے ایسے گناہ کبیرہ کئے ہوں گے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہوں۔ اگر وہ گناہ کبیرہ بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہوں

1۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 382 (التراث الاسلامی)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 370 (قدیمی)

تو تین حساب سے اس کی نیکیاں حق دار کو دے دی جائیں گی۔ اگر وہ پوری نہ ہوں تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔ پھر سب کے بدلے میں عذاب دیا جائے گا۔ احمد بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قیامت کے روز لوگوں کو تین جماعتوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک جماعت ایسی ہوگی جن کے پاس اعمال صالحہ کثرت سے ہوں گے، دوسری جماعت ایسی ہوگی جو اعمال سے تہی دست ہوں گے اور تیسری جماعت وہ ہوگی جو اعمال صالحہ میں غنی تو ہوں گے پھر لوگوں کے حقوق کی وجہ سے فقیر ہو جائیں گے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان ستر گناہ ہوں تو یہ زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ تیرے اور دوسرے انسان کے درمیان ایک گناہ ہو، یعنی حقوق اللہ میں سے ستر ادا نہ کئے ہوں تو ان پر گرفت نہ ہونی بہ نسبت گرفت حقوق العباد میں سے ایک حق پامال کرنے پر گرفت ہونی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کا حساب کیا جائے گا جس کی ایک نیکی بھی زائد ہوگی وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی انہیں اعراف میں رکھا جائے گا وہ وہیں قدم رکھیں گے یہاں تک کہ ان کی بعض برائیوں کا بدلہ پورا ہو جائے گا اور ان کی نیکیاں بڑھ جائیں گی تو وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایسا متقی جس کا کوئی گناہ نہ ہوگا اس کے اعمال اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے تولے جائیں گے اور کافر کے اعمال اسے ذلیل کرنے کے لئے تولے جائیں گے۔ قرآن حکیم میں عموماً کفار کی جزا کے مقابلہ میں متقی کی جزا مذکور ہے۔ جن مومنوں کے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ خلط ملط ہیں قرآن ان کے بارے میں عموماً خاموش ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں حسن موازنہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کافر ہیں۔ مابعد حکم انہیں کے بارے میں ہے۔

یعنی اس کا مسکن ہاویہ ہوگا۔ مسکن کو ام کا نام دیا ہے کیونکہ اولاد کو سکون ماں کی آغوش میں ملتا ہے۔ ہاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک ہے جس کی گہرائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جب کوئی آدمی سخت مصیبت میں گرتا تو عرب کہتے هوت امه اس کی ماں گر پڑی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں ام سے مراد سر ہے، یعنی انہیں سر کے بل جہنم میں گرایا جائے گا (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قتادہ اور ابو صالح رحمہما اللہ تعالیٰ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں متقین کے مقابل جن کا ذکر ہے اس سے مراد کافر ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے ابن آدم کو لایا جائے گا، ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک فرشتہ کھڑا ہوگا پھر اس کے اعمال، جس کا پلڑا بھاری ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے ندا کرے گا جسے تمام مخلوقات سنے گی فلاں ایسی سعادت سے فیض یاب ہوا کہ وہ بعد میں کبھی بھی بد بخت نہیں ہوگا، اگر اس کے اچھے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے ندا کرے گا جسے تمام مخلوقات سنے گی فلاں ایسا بد بخت ہوا کہ اس کے بعد کبھی سعادت مند نہ ہوگا۔ جن کے اچھے اور برے اعمال خلط ملط ہوں گے اس کے بارے میں حدیث میں خاموشی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ فرشتہ ان کے بارے میں کوئی آواز نہیں لگائے گا۔ اسی وجہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ: قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ترازو ہر ایک کے لئے نہیں لگایا جائے گا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں حساب کے بغیر جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان یعرف

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ میں انہیں کا ذکر ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ کافر جن کے اعمال تولے جائیں گے لیکن ان میں کوئی وزن نہ ہوگا۔ انہیں منافقوں کے ساتھ خاص کرنے کا احتمال بھی موجود ہے۔ جب ہر جماعت اپنے معبود کے پیچھے پیچھے چل پڑے گی تو یہ منافق مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوں گے۔ یہ دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ریا کاری کے طور پر نماز پڑھتے اور روزے رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ میزان کے ذریعے خبیث کو پاکیزہ سے الگ کرے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ستر ہزار ایسے مومن ہیں جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، نہ ان کے لئے ترازو رکھا جائے گا اور نہ ہی وہ صحیفے لیں گے بلکہ ان کے لئے ایک برأت نامہ ہوگا جو انہیں دیا جائے گا۔ اس میں یہ لکھا ہوگا یہ فلاں کا برأت نامہ ہے۔ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ترازو نصب کئے جائیں گے۔ نمازیوں کو لایا جائے گا۔ ترازو کے ذریعے انہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا انہیں ترازو کے ذریعے پورا اجر دیا جائے گا۔ اہل امتحان کو لایا جائے گا ان کے لئے ترازو نصب نہیں کئے جائیں گے اور نہ ہی ان کے لئے دیوان کھولے جائیں گے۔ ان پر اجر بغیر حساب کے انڈیلا جائے گا یہاں تک کہ عافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کے جسم دنیا میں قینچی کے ساتھ کاٹے جاتے جس کے باعث اہل امتحان یہ فضیلت لے گئے(1)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر اجر کے حساب دیا جائے گا۔

طبرانی اور ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جس میں کوئی قدغن نہیں، قیامت کے روز شہید کو لایا جائے گا۔ حساب کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا۔ پھر صدقہ کرنے والے کو لایا جائے گا تو حساب کے لئے ترازو نصب کیا جائے گا۔ پھر اہل امتحان کو لایا جائے گا ان کے لئے نہ ترازو نصب کیا جائے گا اور نہ ہی صحائف کو کھولا جائے گا۔ اجر ان پر انڈیلا جائے گا یہاں تک کہ دنیا میں عافیت سے رہنے والے لوگ یہ آرزو کریں گے کاش ہمارے جسم قینچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب ملتا۔(2)

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے وہ صوفیاء ہیں۔ یہاں اہل امتحان سے مراد بھی شائد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محب ہیں جو اس کی طرف سے امتحان پر اسی طرح راضی ہیں جس طرح وہ اس کی عطاء پر راضی تھے۔ حضور ﷺ کے ارشاد میں بقاء کا بھی یہی معنی ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک مقدار اور ترازو ہے مگر آنسو کے لئے کوئی ترازو نہیں کیونکہ اس ایک آنسو کے ذریعے آگ کے سمندر بجھا دیئے جائیں گے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ اس آنسو سے مراد عشاق کا رونا ہے۔ ورنہ احادیث میں ثابت ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کے اعمال کو بھی تولا جائے گا۔ جس طرح حضور ﷺ کے ارشاد میں ہے واہ کیا بات ہے واہ کیا بات ہے میزان میں پانچ چیزوں سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہیں لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، ایسا صالح بچہ جو کسی مسلمان کا مر جائے اور وہ صبر کرے(3)۔ اسے امام نسائی، ابن حبان، حاکم، بزار، احمد اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے کی وفات بھی بڑی

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 15، صفحہ 241 (دار الکتب المصریہ) 2۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 34 (الفکر)
3۔ معجم کبیر، جلد 22، صفحہ 348 (العلوم والحکم)

سورۃ التکاثر

آیاتھا ۸ | سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۲ | رکوعھا ۱

سورۃ التکاثر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْــَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

''غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے[1] یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے[2] ہاں ہاں تم جلد جان لوگے[3] پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا[4] ہاں ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے)[5] تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو[6] پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لوگے[7] پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں[8]''

[1] مال کی کثرت، جاہ و مرتبہ کی زیادتی اور تعداد کی کثرت پر فخر و مباہات نے تمہیں باطل میں مشغول کر دیا ہے۔ لھو کا معنی باطل ہے یا ایسی چیز جو قابل ذکر فائدہ نہ دے۔ یا اس کا معنی ہے کہ اس عمل نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ان اعمال سے غافل کر دیا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچانے والے ہیں۔

[2] یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا اور تمہیں قبروں میں دفن کر دیا گیا۔ ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت کی خواہش نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم فلاں خاندان سے زیادہ ہیں۔ انہیں اس چیز نے غافل کئے رکھا یہاں تک کہ انہیں موت نے آلیا(2)۔ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی اس وجہ سے یہاں حتی غایت کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بریدہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی، ایک قبیلے کا نام بنی حارثہ اور دوسرے کا نام بنی حارث تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا اور کثرت کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم میں فلاں فلاں کی مثل ہے۔ دوسروں نے بھی اسی قسم کی بات کی۔ وہ زندہ لوگوں کے بارے میں جب فخر و مباہات کر چکے تو پھر کہا آؤ ہم مردوں کے بارے میں مقابلہ کر لیں۔ ایک قبیلہ کے لوگ کہتے تھے کیا تم میں فلاں فلاں کی مثل ہے اور قبروں کی طرف اشارہ کرتے(3)۔ کلبی رحمۃ

1۔ الدرالمنثور زیر آیت ہذا | 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا | 3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3846 (ابن حزم)

اللہ علیہ نے کہا یہ قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان میں سے ایک بنی عبد مناف تھا اور دوسرا بنی سہم تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی دعویٰ کیا ہم سرداری میں، عزت دار ہونے میں اور تعداد میں ہم زیادہ ہیں۔ بنی عبد مناف کی جب تعداد زیادہ ہو گئی تو بنی سہم نے کہا ہم اپنے مردوں کو شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قبروں کے پاس چلے گئے انہیں شمار کیا اور کہا یہ فلاں کی قبر ہے، یہ فلاں کی قبر ہے۔ تو بنو سہم ان پر بڑھ گئے کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔ ان دونوں روایتوں کی بنا پر حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کا معنی یہ ہوگا کہ جب تم زندوں کو شمار کر چکے تو تم نے کثرت حاصل کرنے کے لئے مردوں کو شمار کیا تو یہاں مجازاً مردوں کی تعداد شمار کرنے کو زیارت قبور سے تعبیر کیا۔ یا یہاں زیارت قبور کا حقیقی معنی مراد ہوگا کیونکہ وہ قبرستان کی طرف گئے تھے۔ تو اس صورت میں حتّٰی سببیت کے لئے ہوگا۔ عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سورۂ تکاثر کی تلاوت کر رہے تھے۔ تو آپ نے فرمایا انسان کہتا ہے ہائے میرا مال، ہائے میرا مال، تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھایا اور اسے فنا کر دیا، اسے پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا، یا صدقہ کر دیا اور اسے آگے بھیج دیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں میت کے ساتھ ہوتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل اس کے پیچھے ہوتے ہیں۔ اس کے گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ عیاض بن حمار مجاشعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کرو، کوئی ایک بھی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ایک دوسرے پر بغاوت کرے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (3)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اقوام کو چاہئے کہ وہ اپنے ان آباء و اجداد پر فخر کرنے سے رک جائیں جو فوت ہو چکے ہیں۔ بے شک وہ جہنم کا ایک کوئلہ ہوں گے۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہوں گے جو اپنے ناک کے ساتھ گندگی کو لڑھکا رہا ہوتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حمیت اور آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ لوگ یا تو مومن متقی ہیں یا فاجر شقی ہیں۔ سب بنو آدم ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے (4)۔ اسے امام ترمذی اور ابو داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے یہ نسب ایک دوسرے پر فضیلت کا باعث نہیں۔ ایک صاع دوسرے صاع جیسا ہی ہوتا ہے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ اور دین کی وجہ سے فضیلت ہے۔ ایک آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ بد زبان، بیہودہ گو اور بخیل ہو (5)۔ اسے امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ندا کرنے والے کو حکم دے گا خبردار میں نے ایک نسبت بنائی اور تم نے بھی ایک نسبت بنائی۔ میں نے تم سے معزز ترین تم میں سے سب سے زیادہ متقی کو بنایا تو تم نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تم نے یہ کہا فلاں ابن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے۔ آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے نسب کو پست کروں گا۔ متقین کہاں ہیں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اوسط میں روایت کیا ہے (6)۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا　2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 964 (وزارت تعلیم)　3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 385، قدیمی
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 234 (وزارت تعلیم)　5۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 145 (صادر)　6۔ مجمع الزوائد، جلد 8، صفحہ 6-160

لیے باہم فخر کرنے اور مال کو جمع کرنے پر جھڑکا جا رہا ہے۔ تعلمون کا مفعول حذف کر دیا گیا کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب تمہیں عذاب دیا جائے گا تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ باہم فخر کرنے اور مال و عدد میں زیادتی کا دعویٰ کرنے کا ایک برا انجام ہے۔

ی پہلی وعید کا تکرار ہے یا نئی وعید کا ذکر ہے۔ ثم کے لفظ میں یہ دلالت موجود ہے کہ دوسری وعید پہلی وعید سے سخت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلی وعید موت یا قبر کے بارے میں ہے اور دوسری وعید اٹھانے کے بعد کے بارے میں ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک کرتے تھے یہاں تک کہ سورۂ تکاثر **کلا سوف تعلمون** تک ہوئی۔ یہ عذاب قبر کے متعلق ہے۔(1)

ی یہ تاکید کے بعد جھڑکنے کے لئے **کلا** کا لفظ آیا ہے، کاش تم آنے والے احوال کا ایسا علم رکھتے جس طرح تمہارے ہاں ایسی چیز کا علم ہوتا ہے جو یقینی ہوتی ہے اور تمہارے پاس موجود ہوتی ہے۔ لو کا جواب محذوف ہے۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ جواب یہ ہے لَشَغَلَكُمْ ذٰلِكَ عَنْ غَيْرِهٖ يَا لَمَا تَكَاثَرْتُمْ۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ علم یقین اسے کہتے ہیں کہ انسان یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ اٹھائے گا(2)۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد ایسا علم غیب ہے جو استدلال سے حاصل ہو۔

ی اسے شرط کا جواب بنانا جائز نہیں کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے بلکہ یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ وعید کو اس کے ساتھ موکد کیا جس چیز سے پہلے انہیں ڈرایا تھا اور اسے مبہم ذکر کیا گیا تھا اب اس کا تفصیلاً ذکر کیا گیا۔ مقصود اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ لو اذا سے مجاز ہے یعنی تم موت کے وقت یقینی طور پر جان لو گے تو تم ضرور جہنم دیکھو گے مگر اس کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ اب ازالہ کا وقت گزر چکا ہے۔ ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یہ اریت الشیء سے ماخوذ ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہاں رؤیت سے مراد معرفت اور علم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں رؤیت سے مراد قبروں میں دیکھنا ہو کیونکہ کفار کو صبح و شام قبروں میں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىِٕبِيْنَ کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

ی فعل کو تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اسی پر سب کا اتفاق ہے، یعنی پھر دوبارہ اٹھنے کے بعد جہنم کو ضرور دیکھو گے۔ عین الیقین مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اگرچہ فعل اور مصدر کے الفاظ مختلف ہیں مگر معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ اس لئے وہ احتمال بھی ختم ہو جائے گا جو یہ ذکر کیا جا رہا تھا کہ یہاں رؤیت علم کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا تم ایسا دیکھنا دیکھو گے جو تمہیں یقین عطا کرے گا۔ اسی وجہ سے علم یقین اس علم کو کہتے ہیں جو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ رؤیت علم کا قوی ترین سبب ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے خبر آنکھوں دیکھی جیسی نہیں ہو سکتی۔ خطیب نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اور کچھ زائد روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اس کی قوم بچھڑے کی پوجا کرنے لگی ہے تو انہیں نے تختیاں نہ پھینکیں۔ جب خود آنکھوں سے دیکھا تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا عین الیقین محذوف مصدر کی صفت ہے، یعنی یہ دیکھنا ہی یقین ہے۔ اس میں مبالغہ کا اظہار ہے۔

1۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

جائے گا۔ جب یہ چیز آپ کے صحابہ پر شاق گزری اور انہوں نے تکبیر کہی تو حضور ﷺ نے فرمایا جب تم اس قسم کی چیز حاصل کرو اور اپنے ہاتھوں سے روٹی کھاؤ تو یہ کلمات کہا کرو بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ۔ جب تم سیر ہو جاؤ تو کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا، ہم پر انعام کیا اور ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی قصہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کے معاملہ میں ایک دوسرے سے اخلاص کے ساتھ کام لیا کرو۔ تم میں سے کوئی کسی دوسرے سے کوئی بات نہ چھپائے کیونکہ انسان کے علم میں خیانت اس کے مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس بارے میں بھی باز پرس کرے گا(1)۔ اسے طبرانی اور اصبہانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندے سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جائے گا کہ تو نے اپنے علم میں سے کس چیز پر عمل کیا۔ اسے امام احمد اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ جس طرح ایک انسان سے اس کے جاہ و مرتبہ کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا۔ اسی طرح اس کے مال کے بارے میں بھی اس سے سوال کیا جائے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انسان جو قدم بھی اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا(2)۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ قیامت کے روز مومن سے اس کی تمام کاوشوں کے بارے میں پوچھا جائے گا یہاں تک کہ اس نے آنکھ میں سرمہ لگایا تھا اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے بندہ جو خطبہ دے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس بارے میں پوچھے گا کہ اس نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا۔ یہ روایت مرسل ہے، اس کی سند عمدہ ہے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(3)۔ آیت میں ثُمَّ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ سوال و جواب جہنم کو دیکھنے کے بعد ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ سوال پل صراط پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انہیں روکو، ان سے سوال کیے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابھی بندے کے قدم پل صراط پر ہوں گے کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس کی عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی، جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کس چیز میں اس نے اسے بوسیدہ کیا، علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے اس سے کیا کام لیا، مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہاں سے کمایا اور کس میں خرچ کیا(4)۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات عام ہیں۔ تاہم احادیث کے ذریعے ان لوگوں کو خاص کر دیا گیا جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم میں سے ایک آدمی دن میں ہزار آیات پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی حضور ﷺ ایسا کون ہے جو دن میں ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی الھکم التکاثر کو تلاوت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ اسے حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(5)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 411 (التراث الاسلامی) 2۔ ایضاً، جلد 10، صفحہ 192
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 64 (وزارت تعلیم) 4۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 755 (العلمیہ)

سورۃ العصر

آیاتہا ۳ | سورۃ العصر مکیۃ ۱۰۳ | رکوعہا ۱

سورۃ العصر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

"قسم ہے زمانہ کی۔[1] بے شک ہر انسان خسارہ میں ہے۔[2] بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔[3]"

1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا عصر سے مراد زمانہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کی قسم اس لئے اٹھائی کیونکہ زمانہ میں نظر و فکر کرنے والوں کے لئے عبرتیں موجود ہوتی ہیں۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عصر سے مراد رات اور دن ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا سورج کے ڈھلنے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کے وقت کو عصر کہتے ہیں(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دن کے آخری پہر کو عصر کہتے ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس کو ہم نے سورۂ بقرہ میں ذکر کیا ہے۔

2۔ الانسان سے مراد جنس ہے۔ خسر کو نکرہ ذکر کیا۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے، یعنی وہ بہت بڑے خسارہ میں ہے۔ یعنی خسارے کا مطلب راس المال کا ضائع ہو جانا ہے۔ انسان اپنے آپ کو، اپنی عمر کو اور اپنے مال کو ایسی چیزوں میں لگا دیتا ہے جن سے اخروی زندگی میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

معنی یہ ہے جس نے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں بیچ دیا اس کی نقد اور ادھار بیچ میں خسارہ واضح ہے۔

3۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کو جو قوی ہے اور باقی رہنے والی ہے دنیا کے بدلے میں خرید لیا۔ اس لئے ان کی تجارت نفع آور ہوئی۔ وہ باہم نیکی کی تاکید کرتے ہیں۔ حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا حق سے مراد قرآن ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ایمان اور توحید ہے(2)۔ اور وہ باہم صبر کی تاکید کرتے ہیں۔ صبر کا مطلب ہے نفس کو برائیوں سے روکنا اور ان خواہشات سے روکنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ طاعات، مصائب اور منکرات کو چھوڑنے پر صبر کرنا۔ یہاں تمام مصاحبی یا تو مطلق ہیں تو اس صورت میں خاص کا عطف عام پر ہوگا اور یہ مبالغہ کے لئے ہوگا۔ یا اس سے مراد [illegible]

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا　　2۔ ایضاً

ہیں جو کمال کا سبب بنتے ہیں تو اس صورت میں مواصات سے مراد ایسی چیزیں ہوں گی جو تکمیل نفس کا باعث ہیں۔ باقی سب نقصان کا باعث ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان دنیا میں زیادہ عمر والا اور بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ نقصان میں ہو جاتا ہے۔ مگر مومنوں کی یہ حالت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنی صحت اور جوانی میں جو اعمال کرتے رہے تھے ان کا اجر اب بھی انہیں دیا جاتا رہتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ الخ۔(1)

مسئلہ:۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے جس نے ایسا نہ کیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو برائی دیکھے وہ اسے زور بازو سے تبدیل کرے، اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اسے بدلے، اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو دل سے ایسا کرے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔(2)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں حضور ﷺ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا یہاں تک کہ برائی ان سب میں عام نظر آنے لگے اور لوگ اس برائی کو ختم کرنے پر قادر ہوں اور وہ اس برائی کو نہ روکیں۔ جب لوگ ایسا کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ عام اور خاص لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی جس قوم میں نافرمانیاں ہوں، لوگ اس کو بدلنے پر قادر ہوں پھر اسے نہ بدلیں تو ممکن ہے کہ ان سب پر عذاب نازل کر دیا جائے(3)۔ اس بارے میں بے شمار احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 51 (قدیمی) 3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 403 (العلمیہ)

کا معنی طعن کرنا ہے۔ پھر یہ دونوں الفاظ لوگوں کی عزتوں کو پامال کرنے اور ان میں طعن کرنے میں عام ہو گئے۔ یہ وزن ایسے کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کثرت سے کئے جائیں جیسے ضحکة، شجرة، لعبة، همزة اور لمزة ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کثرت سے اس فعل کو کرے اور اس کا عادی ہو۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے ہم ہمیشہ یہ سنتے تھے کہ ویل لکل همزة یہ ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ آیات اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اہل رقہ کے ایک آدمی سے نقل کیا ہے کہ یہ جمیل بن عامر کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ امیہ بن خلف جمحی جب حضور ﷺ کو دیکھتا تو زبان اور آنکھ دونوں سے عیب جوئی کرتا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں وہ پیٹھ کے پیچھے حضور ﷺ کی غیبت کرتا تھا اور سامنے طعنہ زنی کرتا تھا (3)۔ آیات اپنے الفاظ کے اعتبار سے ہر اس آدمی کو شامل ہیں جس میں یہ صفات موجود ہوں، اگرچہ نازل تو مذکورہ افراد میں سے ایک کے بارے میں ہوئی ہوں۔

ے جعفر، ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جمع کو باب تفعیل سے پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے پڑھا ہے۔ اسم موصول یا تو کل سے بدل ہے یا مذمت کی وجہ سے منصوب ہے یا مرفوع ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی هو الذی جمع۔ یعنی جو مال جمع کرتا ہے اور اسے شمار کرتا ہے یا اسے مصائب سے بچاؤ کے لئے توشہ بناتا ہے اور اسے بار بار گنتا ہے۔

ے ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر یحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اس کا گمان یہ ہے کہ اس کا مال ہمیشہ کے لئے اسے زندہ رکھے گا، اس کی خوشحالی کی وجہ سے اسے موت نہیں آئے گی۔ گویا وہ یہ گمان کرتا تھا کہ جس کے پاس مال نہ ہو وہ بھوک کی وجہ سے مر جاتا ہے اور جس کے پاس مال ہو وہ نہیں مرتا۔ یہ اصل میں اس کی لمبی امیدوں، موت سے غفلت اور مال کی محبت سے کنایہ ہے یہاں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جو یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ وہ ہمیشہ نہیں مریں گے۔ یا اس میں اشارہ سے بات کی گئی ہے کہ ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی چیز تو ایمان اور اعمال صالحہ ہیں مال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مربع شکل کا خط کھینچا، اس کے درمیان باہر کو نکلتا ہوا ایک خط کھینچا اور درمیانی خط کی طرف دونوں طرف سے چھوٹے چھوٹے خط کھینچے اور کہا یہ درمیان والا خط انسان ہے، مربع شکل کا خط اس کی موت ہے باہر کو نکلنے والا حصہ اس کی آرزو ہے، چھوٹے چھوٹے خط اس کی اغراض ہیں۔ جب وہ ایک سے بچتا ہے تو دوسری جانب والا اسے نوچ لیتا ہے (4) اگر اس سے بچتا ہے تو دوسری سمت والا نوچ لیتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ انسان کی آرزو ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ انسان ان کے درمیان ہی ہوتا ہے کہ اچانک اسے موت آجاتی ہے۔ محدثین میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ (5)

ے همزہ اور لمزہ مال کی محبت اور لمبی آرزوؤں جیسی کی مذکورہ خصلتوں سے اسے جھڑکا جا رہا ہے۔ لینبذن یہ محذوف قسم کا جواب ہے یہ بھی جائز ہے کہ کلا حقا کے معنی میں ہو جو قسم کے معنی کا فائدہ دے۔ اس صورت میں یہ مذکورہ قسم کا جواب ہوگا۔ حطمہ جہنم کا ایک نام ہے اسے حطمہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں جو چیز بھی پھینکی جاتی ہے اسے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ پھر بعد والی آیت میں اس کی شدت کو

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 950 (وزارت تعلیم) 5۔ ایضاً

دیکھے گا۔ ابونعیم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سوید بن غفلہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

9۔ ظرف محذوف شبہ فعل کے متعلق ہے جو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی موثقین فی عمد۔ یہ بھی جائز ہے کہ جار مجرور موصدۃ کے متعلق ہو تو اس صورت میں آگ ان ستونوں کے اندر ہوگی۔ حمزہ، کسائی اور ابو بکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عین اور میم دونوں کو مضموم پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے میم کو مفتوح پڑھا ہے۔ یہ دونوں عمود کی جمع ہیں جیسے ادیم کی جمع اُدُم اور اَدَم ہوتی ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عماد کی جمع ہے جس طرح اھاب کی جمع اُھُب آتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں ستونوں میں داخل کرے گا تو ان پر ایک ستون تان دیا جائے گا ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی اور ایک ستون کے ذریعے ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے یہ وہ ستون ہیں جہنم میں جن کے ذریعے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کواڑوں کے کیل ہیں جو جہنمیوں پر بند کر دیئے جائیں گے، یعنی لمبے لمبے کیلوں کے ذریعے انہیں بند کر دیا جائے گا۔ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں بعمد کے الفاظ ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان پر دروازے بند کئے جائیں گے پھر آگ کے لوہے کی کیلوں کے ذریعے انہیں بند کیا جائے گا، نہ کوئی دروازے سے باہر آ سکے گا اور نہ ہی اس میں سے اندر آ سکے گا۔ ممددۃ یہ عمد کی صفت ہے، یعنی وہ ستون طویل ہوں گے۔ اسی وجہ سے وہ چھوٹے کیلوں کی بنسبت زیادہ مضبوط ہوں گے (1)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

تیس سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس واقعہ سے چالیس سال بعد ولادت ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ستر سال بعد ولادت ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تئیس سال بعد ولادت ہوئی(1) جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ خلاصہ سیر میں اسی طرح ہے۔

اصحاب فیل سے مراد ابرہہ اور اس کے ساتھی ہیں جو یمن کا بادشاہ تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہاتھی آٹھ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا بڑے ہاتھی کے علاوہ بارہ تھے(2)۔ بڑے ہاتھی کو محمود کہتے۔ یہاں فیل واحد ذکر کیا کیونکہ باقی ہاتھی بھی اس کی طرف منسوب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ واحد کا لفظ محض آیات کے سروں کی وجہ سے ذکر کیا۔ **اصحاب فیل** کا واقعہ جسے محمد بن اسحاق نے بعض علماء سے جنہوں نے اسے سعید بن جبیر اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نجاشی نے ارباط کو یمن کی طرف بھیجا۔ اس نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ ایک آدمی اس کے مخالف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا نام ابرہہ تھا۔ یہ ارباط سے سرداری کے بارے میں حسد کرتا تھا تو اس طرح حبشی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت ارباط کی طرف ہو گئی اور دوسری جماعت ابرہہ کے ساتھ ہو گئی۔ وہ آپس میں لڑ پڑے تو ابرہہ نے ارباط کو قتل کر دیا۔ تمام حبشی ابرہہ کے گرد جمع ہو گئے۔ ابرہہ یمن پر قابض ہو گیا اور نجاشی کو اس کے بارے میں آگاہ کیا۔ پھر ابرہہ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حج کے ایام میں بیت اللہ کے حج کے لئے مکہ مکرمہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا۔ اس نے نجاشی کو خط لکھا کہ میں نے تمہارے لئے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا ہے۔ کسی بھی بادشاہ کے لئے ایسی عبادت گاہ نہیں بنائی گئی۔ تم یہاں آؤ تاکہ میں عربوں کے حج کو اس طرف پھیر دوں۔ بنی مالک بن کنانہ کے ایک آدمی نے اس بارے میں سنا، وہ رات کے وقت اس کنیسہ کی طرف نکلا، اس میں قضاء حاجت کی اور اس کے قبلہ کو آلودہ کر دیا۔ یہ خبر ابرہہ تک پہنچی۔ ابرہہ نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور کعبہ پر حملہ کرے گا اور اسے گرائے گا۔ اس نے نجاشی کو خط لکھ بھیجا تاکہ اس کو اس کے بارے میں آگاہ کرے اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ محمود ہاتھی بھی بھیج دے۔ اس جیسا بڑا ہاتھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ نجاشی نے ہاتھی ان کی طرف بھیج دیئے۔ ابرہہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کی نیت سے نکل پڑا۔ عربوں نے اس بارے میں سنا تو یہ چیز ان پر شاق گزری۔ انہوں نے خیال کیا کہ اب ان پر جنگ کرنا فرض ہو چکا ہے۔ یمن کا بادشاہ جسے ذونفر کہتے، ابرہہ کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابرہہ نے اسے شکست دی۔ ذونفر کو پکڑ لیا، اسے قتل نہ کیا بلکہ اسے باندھ دیا۔ پھر وہ چلتا رہا یہاں تک کہ جب خثعم کے علاقہ کے قریب پہنچا تو نفیل بن حبیب خثعمی نکلا۔ یمن کے قبائل کو اس نے جمع کیا اور ابرہہ سے جنگ کی۔ ابرہہ نے نفیل کو پکڑ لیا۔ نفیل نے کہا میں عرب کی سرزمین کے بارے میں راہنمائی کروں گا تو ابرہہ نے اسے قتل نہ کیا۔ نفیل راستہ بتاتے ہوئے چل پڑا۔ جب وہ طائف کے پاس سے گزرا تو مسعود بن ثقفی ثقیف کے لوگوں کے ساتھ اس کے لئے نکلا۔ اس سے کہا اے بادشاہ ہم تیرے غلام ہیں، ہمارا تیرے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تو اس گھر پر حملہ کرنا چاہتا ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، ہم تیرے ساتھ ایسے آدمی بھیجتے ہیں جو تیری راہنمائی کریں گے۔ انہوں نے اپنا غلام ابورغال ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ مغمس کے مقام پر پہنچا تو ابورغال مر گیا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں۔ مغمس سے ابرہہ نے ایک حبشی کو بھیجا جسے اسود کہا جاتا کہ جاؤ حرم کے جانور ہانک لاؤ۔ وہ حضرت

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

عبدالمطلب کے دو سو اونٹ ہانک لایا پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ والوں کی طرف بھیجا اور کہا کہ ان کے سردار کے بارے میں پوچھ لے اور کہہ دے کہ میں تم سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا، میں تو اس گھر کو گرانے آیا ہوں حناطہ گیا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا اور حضرت عبدالمطلب سے ملا اور ابرہہ کا پیغام دیا۔ عبدالمطلب نے کہا ہمارے اندر اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں اور ہم جنگ سے ... ہونے سے کنارہ کشی اختیار کی اور کہا یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور خلیل اللہ کا گھر ہے، اگر وہ اسے محفوظ رکھے تو یہ اس کا گھر اور حرم ہے اور اگر وہ اسے خالی چھوڑ دے تو ہمارے اندر تو اس سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ عبدالمطلب اونٹوں کے مطالبے کے لئے لشکر میں آئے۔ ذونفر آپ کا دوست تھا، آپ ذونفر کے پاس آئے۔ ذونفر نے کہا میں تو ایک قیدی ہوں لیکن میں تمہیں انیس کے پاس بھیج دیتا ہوں کیونکہ وہ میرا دوست ہے۔ ذونفر نے انیس سے کہا یہ قریش کا سردار اور مکہ مکرمہ سے ... اونٹوں کا مالک ہے جو میدان میں لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور پہاڑوں میں وحشی جانوروں کو کھانا کھلاتا ہے۔ وہ بادشاہ سے ملاقات کی خواہش رکھتا ہے ... کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی یہ تمہاری مخالفت کرنے والے ہیں۔ انیس نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ حضرت عبدالمطلب بڑے خوبصورت اور جسیم انسان تھے۔ جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی تعظیم کی اور اسے ناپسند کیا کہ انہیں ساتھ تخت پر بٹھائے اور یہ بھی ناپسند کیا کہ انہیں نیچے بٹھائے۔ اس لئے خود نیچے قالین پر بیٹھ گیا۔ پھر آپ کو بلایا اور ساتھ بٹھایا۔ اپنے ترجمان سے کہا ان سے پوچھو انہیں بادشاہ سے کیا کام ہے؟ حضرت عبدالمطلب نے کہا میری غرض تو صرف دو سو اونٹ ہیں۔ ابرہہ نے کہا جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو تو نے مجھے بہت ہی خوش کیا تھا لیکن اب تو میری نظروں سے گر چکا ہے۔ میں اس گھر کو گرانے آیا ہوں جو تیرا اور تیرے آباء کا دین ہے۔ یہ تمہارا شرف اور تمہاری عصمت ہے۔ تم نے اس بارے میں مجھ سے کیوں بات نہ کی۔ تم نے صرف دو سو اونٹوں کے بارے میں بات کی تو حضرت عبدالمطلب نے کہا میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا مالک اور ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کہا وہ مجھ سے اس گھر کو نہیں بچا سکے گا۔ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا اور آپ واپس مکہ پہنچ گئے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کے پاس تشریف لائے، انہیں سب کچھ بتایا اور حکم دیا کہ گھاٹیوں میں چلے جاؤ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی حفاظت کرو تاکہ حبشی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ قریش نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عبدالمطلب کعبہ کے پاس آئے دروازے کے حلقے کو پکڑا اور یہ التجا کرنے لگے:

ترجمہ: اے میرے رب تیرے سوا کوئی امید نہیں	اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما
بے شک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے	انہیں اپنی بستی کو اجاڑنے سے روک دے

آپ نے یہ اشعار بھی پڑھے:

ان کی صلیب، مکر و فریب تیری تدبیر پر کبھی غالب نہ آئے	وہ اپنے لشکر اور ہاتھی لے کر
تیرے خادموں کو گرفتار کرنے آئے ہیں	انہوں نے جہالت کی وجہ سے مکر و فریب کے ساتھ تیرے ... کا قصد کیا
اور تیرے جلال سے خوفزدہ نہ ہوئے	اگر تو انہیں اور ہمارے کعبہ کو یونہی چھوڑنے والا ہے تو جو چاہے کر

پھر حضرت عبدالمطلب نے حلقہ چھوڑا اور اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ کہیں چلے گئے۔

ابرہہ نے مغمّس کے مقام پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، اپنے لشکر کو تیار کیا، ہاتھی تیار کئے۔ اس ہاتھی جیسا طاقتور اور بڑا ہاتھی پہلے نہ دیکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ بارہ اور ہاتھی بھی تھے۔ نفیل بڑے ہاتھی کی طرف گیا۔ اس کے کان کو پکڑا اور کہا اے محمود بیٹھو اور جہاں سے آیا ہے اسی کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ تو بلد حرام میں ہے۔ ہاتھی بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا مگر اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس کے سر پر کدال ماری تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ انہوں نے آنکڑے اس کی آنکھوں کے نیچے داخل کئے۔ اسے خوفزدہ کیا تاکہ وہ اٹھے تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ انہوں نے اسے یمن کی طرف موڑتے ہوئے اٹھایا تو وہ تیزی سے اٹھ گیا۔ انہوں نے شام کی طرف اس کا منہ کیا تو اس نے اسی طرح جلدی کی۔ مشرق کی طرف منہ کیا تب بھی اس نے جلدی کی۔ جب انہوں نے حرم کی طرف اسے پھیرا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ نفیل تیزی سے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں جیسے پرندے سمندر کی جانب سے بھیجے۔ ہر پرندے کے ساتھ تین سنگریزے تھے۔ دو ان کے پاؤں میں اور ایک ان کی چونچ میں تھا جو چنے یا مسور کے دانے جتنا تھا۔ جب وہ ابرہہ کے لشکر تک پہنچے تو ان پتھروں کو ان پر برسادیا وہ سنگریزہ جس آدمی کو بھی لگا تو وہ ہلاک ہو گیا۔ تمام قوم کو وہ پتھر نہ لگے تھے۔ اس لئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ نفیل کو تلاش کر رہے تھے تاکہ انہیں یمن کا راستہ بتائے۔ نفیل ایک پہاڑ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ لوگ راستوں پر گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے اور ہر گھاٹ پر مر رہے تھے۔ کوئی بھی صحیح راستہ پر نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو ایک مرض لگا دی۔ اس کے پورے گر پڑتے۔ جب بھی کوئی پورا گرتا تو ایک عرصہ تک اس سے خون اور پیپ بہتی رہتی۔ آخر کار صنعاء پہنچ گیا تو اس کی حالت پرندے کے چوزے کی طرح تھی۔ کچھ ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ اسے موت نہ آئی یہاں تک کہ سامنے سے اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمود نامی ہاتھی نجاشی کا ہاتھی تھا۔ اس نے حرم پر چڑھائی نہیں کی تھی اس لئے بچ گیا۔ دوسرے ہاتھیوں نے کیونکہ چڑھائی کی تھی اس لئے ان کو سنگریزے لگے۔

مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب فیل کے حملہ کا سبب یہ تھا کہ قریش کی ایک جماعت تجارت کی غرض سے نجاشی کے علاقہ میں گئی۔ وہ سمندر کے کنارے کے قریب پہنچے پھر ایک گرجا کے قریب گئے جسے قریش ہیکل کہتے۔ وہاں انہوں نے پڑاؤ کیا آگ جلائی اور گوشت بھونا۔ جب وہاں سے کوچ کیا تو آگ کو یونہی چھوڑ دیا جبکہ اس روز تیز ہوا چل رہی تھی۔ گرجا کو آگ لگ گئی۔ اس کی فریاد نجاشی کو پہنچی تو وہ گرجا کی وجہ سے سخت غضبناک ہوا۔ اس نے ابرہہ کو بیت اللہ گرانے کا حکم دیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ان دنوں سعید ثقفی مکہ مکرمہ میں تھا۔ اس کی بینائی نہ تھی۔ وہ موسم گرما طائف میں گزارتا اور موسم سرما مکہ مکرمہ میں گزارتا تھا وہ بڑا ہی دانا آدمی تھا۔ اس کی رائے سے معاملات درست ہو جاتے تھے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کا دوست تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سے کہا آج تیری کیا رائے ہے؟ بتا تا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ابو مسعود نے کہا مجھے حراء کی طرف لے چلو۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابو مسعود نے حضرت عبدالمطلب سے کہا سو اونٹ لو، انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کرو، ان کے گلے میں جوتے ڈالو۔ پھر انہیں حرم میں بھیج دو۔ شاید ان حبشیوں میں سے کوئی انہیں مار ڈالے تو اس گھر کا مالک ان پر غضبناک ہو اور انہیں پکڑ لے۔ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا۔ حبشی ان اونٹوں کی طرف اٹھے ان پر حملہ کیا اور بعض کو مار ڈالا۔ حضرت عبدالمطلب لگاتار دعا کر رہے تھے۔

؀ اس جملے کا عطف الم یجعل کے مضمون یعنی جعل پر ہے۔ ابابیل طیر کی صفت ہے، یعنی بہت زیادہ پرندے جن کی ایک جماعت دوسری جماعت کے پیچھے آرہی ہے۔ عرب کہتے ہیں جَاءَتِ الْخَيْلُ اَبَابِيْلَ مِنْ هٰهُنَا وَمِنْ هٰهُنَا۔ یہ ابالہ کی جمع ہے جس کا معنی بڑا گٹھا ہے۔ پرندوں کی ایک بڑی جماعت کو گٹھے کے ساتھ تشبیہ دی کیوں کہ وہ پرندے بھی لکڑیوں کی طرح جمع تھے۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا واحد نہیں۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ابول کی جمع ہے جس طرح عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ابلی کی جمع ہے۔(1)

؀ ترمیھم میں ھم ضمیر سے مراد حبشہ کا لشکر ہے۔ یہ جملہ بھی طیر کی صفت ہے۔ سجیل یہ سنگ گل سے عربی زبان میں منقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ سجل سے مشتق ہے جس کا معنی بڑا ڈول ہوتا ہے یا یہ اسجال سے مشتق ہے جس کا معنی ٹھکانہ ہے یا یہ سجل (مہر) سے مشتق ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ بھی اس عذاب میں سے تھیں جو ان کے لئے عذاب لکھا جا چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ایسے پرندے تھے جن کی چونچیں پرندوں کی تھیں اور ہاتھ کتے کے ہاتھوں جیسے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے سر درندوں کے سروں جیسے تھے۔ ربیع نے کہا ان کی داڑھیں درندوں کی داڑھوں جیسی تھیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سبز پرندے تھے جن کی زرد چونچیں تھیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سیاہ پرندے تھے جو سمندر کی جانب سے جماعت در جماعت آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا پتھر کے ساتھ ایک ورقہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اس نے زور سے پتھر پھینکا۔ وہ پتھر جس آدمی کو بھی لگتا تو اس کی دوسری جانب سے نکل جاتا۔ اگر کسی کے سر پر لگا تو اس کی دبر سے نکل گیا۔(2)

؀ اس جملے کا عطف ارسل پر ہے۔ کعصف ماکول جعل کا دوسرا مفعول ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی کھیتی اور گھاس کی طرح بنا دیا جسے جانوروں نے کھا لیا ہو اور گوبر بنا دیا ہو۔ فوجیوں کے اعضاء کو الگ الگ کر دینے کو گوبر کے اجزاء کے الگ الگ کر دینے سے تشبیہ دی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عصف گندم کے درخت کے پتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد تنکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ چھلکا ہے جو گندم کے دانے پر غلاف کی مانند ہوتا ہے(3)۔ ماکول کا معنی ہے جسے جانوروں نے کھا لیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

سورۂ قریش

آیاتہا ۴ | سورۃ قریش مکیۃ ۱۰۶ | رکوعہا ۱

سورۂ قریش مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

"اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کر دی[1] الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی کے موسم میں۔ پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (دشمن) خوف سے"

[1] ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے یاء کے بغیر لِالٰفِ پڑھا ہے۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمزہ کے بغیر لِیلافِ پڑھا ہے۔ باقی ... یاء دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس ایلاف سے پہلے جو لام ہے امام کسائی اور اخفش رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ تعجب ... محذوف فعل کے متعلق ہے یعنی اِعْجَبُوْا لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے مابعد فعل کے متعلق ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہے فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ (1)۔ فَلْيَعْبُدُوْا میں فاء جزائیہ ہے کیونکہ کلام شرط کے معنی میں ہے ... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تم ساری نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے تو صرف اس نعمت کا ہی شکر بجا لاؤ ... پیدا ہوتا ہے جو جملہ جزا میں رہا ہو وہ ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اس صورت میں یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ فاء زائدہ ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس کا تعلق ماقبل سورت کے ساتھ ہو جس طرح شعر میں ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعہ کا پہلے مصرعہ سے ... ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اس کا معنی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اسے ساتھ نہ ملایا جائے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا اور انہیں کھائے ہوئے چارہ کی مانند بنا دیا تاکہ قریش کے لئے موسم سرما اور موسم گرما کا سفر ... ان کے ذریعے اصحاب فیل کی ہلاکت کا سن کر۔ پھر اس کی وجہ سے ان کی تعظیم بجا لائیں تاکہ دونوں سفروں میں ان سے ... کوئی بھی سفر میں ان پر زیادتی نہ کرے۔ اسی تعلق کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا کہ سورۂ فیل اور سورۂ قریش ایک سورت ہیں ... سے ایک حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کے مصحف میں ان دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں۔ اس صورت میں لا ... لام جعل کے متعلق ہوگا۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ جو نضر کی اولاد میں انہیں قریش کہتے ہیں اور جو اس کی اولاد نہیں ...

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

نہیں کہتے۔ یہ لفظ قرش یا تقرش سے مشتق ہے جس کا معنی کمانا اور جمع کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ یَقْرُشُ لِعَیَالِہٖ وَیَتَقَرَّشُ لِعَیَالِہٖ یعنی وہ اپنے گھر والوں کے لئے محنت کرتا ہے یہ لوگ تاجر تھے اور مال و شرف جمع کرنے کے بڑے حریص تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا قریش نام کی وجہ کیا ہے، انہوں نے جواب دیا سمندر میں ایک بڑا جانور ہوتا ہے جسے قریش کہتے ہیں۔ وہ جس سمت سے گزرتا ہے ہر چھوٹے بڑے جانور کو کھا جاتا ہے۔ یہ دوسروں کو تو کھا جاتا ہے لیکن کوئی اسے نہیں کھاتا یہ اوروں پر تو غالب آتا ہے مگر اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ قاموس میں ہے قَرَشَہٗ اَیْ قَطَعَہٗ وَجَمَعَہٗ مِنْ ھٰھُنَا وَھٰھُنَا اسے کاٹا اور یہاں وہاں سے جمع کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیا اسی سے قریش ہے کیونکہ یہ سب حرم میں جمع تھے۔ یہ تجارتی سامان جمع کرتے اور اسے خرید کر لاتے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نضر بن کنانہ ایک روز اپنے کپڑے میں جمع کر ہو کر بیٹھا تھا تو لوگوں نے کہا تقرش۔ یا اس کی وجہ یہ ہے وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو قوم کے افراد نے کہا گویا یہ تو مضبوط اونٹ ہے۔ یا اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ حاجیوں کو جمع کرتے تھے یا یہ قرش کی تصغیر ہے۔ قریش ایک سمندری جانور ہے جس سے تمام سمندری جانور ڈرتے ہیں۔

فائدہ:۔ واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا، بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا قریش سے، بنی ہاشم کو منتخب کیا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں لوگ قریش کے پیروکار ہوں گے، مسلمان مسلمان کے اور کافر کافروں کے متفق علیہ (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے لوگ اچھائی اور برائی میں قریش کے تابع ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ میں کہتا ہوں شاید پہلی حدیث سے مراد قریش کی قوت اور استعداد مراد ہے۔ اسی وجہ سے افضل ترین صحابہ اور اکثر اولیاء انہیں میں سے ہوئے اور دوسری حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قریش میں سے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا گویا وہی ابتداء میں شرعی احکام اور ایمان لانے کے مخاطب بنے، باقی سب لوگ ان کی تبع میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ ان قریش میں سے جو ایمان لایا اس نے حضور ﷺ کی اتباع کی۔ ایک سنت قائم کی تو ان کے لئے اپنے عمل کا اجر ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے عمل کا بھی اجر ہے جو بعد میں ایمان لائے اور ان کے راستہ پر چلے۔ اسی وجہ سے انبیاء کے بعد وہ لوگوں میں سے افضل ترین ہوتے جس نے ان میں سے کفر کیا اور حضور ﷺ کی مخالفت کی اور اسی حالت پر مر گیا تو اس پر اپنے کفر کا وبال ہے اور اسی طرح ان لوگوں کے کفر کا بھی وبال ہے جو بعد میں کافر ہے جس طرح قابیل نے سب سے پہلے قتل کیا تو جہنم میں جتنے قاتل ہوں گے ان کا عذاب بھی اس کے حصہ میں آئے گا مگر ان کے عذاب میں کمی نہ ہو گی۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ سورۂ والشمس میں ایک حدیث گزر چکی ہے کہ قابیل بدبخت ترین انسان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے، جب تک قریش میں سے دو آدمی بھی باقی رہیں گے یہ معاملہ انہیں میں رہے گا، متفق علیہ۔ (3)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب تک قریش ایمان پر قائم رہیں گے یہ امر انہیں میں رہے گا، جو آدمی بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 119 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 550 (وزارت تعلیم)

نے روایت کیا(1)۔ میں کہتا ہوں یہاں امر سے مراد خلافت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قریش خلافت کے مستحق ہیں اس سے مقصود مابعد کی خبر دینا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے جو آدمی عادل قریشی خلیفہ کے خلاف بغاوت کرے اس کے لئے بددعا ہے۔ حضرت سعد حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو آدمی قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل ورسوا کرے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات ایسی چیزوں میں فضیلت عطا کی ہے جو چیزیں اور فضیلتیں کسی اور کو نہ پہلے عطا کیں اور نہ ہی بعد میں عطا کی جائیں گی۔ 1۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو یہ فضیلت عطا کی کہ میں ان میں سے ہوں، 2۔ نبوت ان میں ہے، 3۔ بیت اللہ شریف کی دربانی انہیں حاصل ہے، 4۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا شرف انہیں حاصل ہے، 5۔ دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی، 6۔ ابتدائی دس سالوں میں قریش کے علاوہ کسی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی، 7۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ایک سورت نازل فرمائی جس میں ان کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں وہ سورۂ قریش ہے(3)۔ اسے حاکم، طبرانی اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں روایت کیا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے لیکن اس میں یہ ذکر نہیں کہ میں ان میں سے ہوں بلکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ قریش میں نبوت، خلافت، دربانی، پانی پلانا اور تین یہ ہیں۔ اصحاب فیل کے خلاف فتح، قریش نے دس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور انہیں میں سورۂ قریش نازل ہوئی۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے۔(4)

یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے۔ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ سب کا اتفاق ہے کہ ہمزہ کے بعد یاء پڑھنے میں تو ہوگی لیکن لکھنے میں نہ ہوگی مگر عبدالوہاب بن فلیح نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے الاف کو لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلا ایلاف مطلق ہے بعد میں بدل کے ساتھ اسے مقید کر دیا گیا۔ مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے کیونکہ ان پر یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم پاک ایک خشک وادی ہے جہاں نہ کھیتی باڑی ہو سکتی ہے اور نہ ہی جانور پالے جا سکتے ہیں۔ اگر تجارت کے ذریعے یہ سفر نہ ہوتے تو ان کے لئے وہاں رہنا اور زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہوتا اگر اللہ تعالیٰ مکہ کو حرم نہ بناتا تو وہ ادھر ادھر سفر نہ کر سکتے کیونکہ مکہ مکرمہ کے اردگرد تو لوٹ مار ہوتی جبکہ قریش کے بارے میں لوگ یہ کہتے یہ اللہ تعالیٰ کے حرم کے مکین ہیں اور اس کے گھر کے رکھوالے ہیں۔ وہ موسم سرما میں یمن کی طرف تجارتی سفر کرتے کیونکہ یہ گرم علاقہ ہے اور موسم گرما میں شام کی طرف سفر کرتے کیونکہ وہ سرد علاقہ ہے وہ تجارت کرتے اور نفع کماتے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے قریش سخت مصیبت اور بھوک کا شکار تھے۔ حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ نے انہیں تجارتی سفروں پر آمادہ کیا۔ وہ فقیر اور غنی میں اپنا نفع تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا فقیر غنی کی طرح ہو گیا۔(5)

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سب سے پہلے جو شام سے گندم لایا وہ حضرت ہاشم تھے(6)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان لوگوں پر

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 497 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 230 (وزارت تعلیم)
3۔ مجمع الزوائد، جلد 9، صفحہ 753 (الفکر) 4۔ ایضاً، جلد 9، صفحہ 754
5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 6۔ ایضاً

شام اور یمن کا سفر مشکل پڑتا تھا۔ ملک یمن میں تبالہ اور حرش کا علاقہ بڑا سرسبز و شاداب تھا۔ ساحلی علاقہ کے لوگ سامان سمندر کے ذریعے جدہ کے ساحل پر پہنچا دیتے اور خشک علاقوں کے لوگ اونٹوں اور گدھوں پر محصب پہنچا دیتے۔ شام کا علاقہ بھی سرسبز و شاداب تھا۔ شام کے لوگ غلہ ابطح پہنچا دیتے تھے تو اس طرح قریش قریب سے غلہ لے لیتے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سفروں سے انہیں چھٹکارا دلایا اور گھر کی مالک کی عبادت کا حکم دیا۔

؎ اگر ایلاف کا لام ماقبل کے متعلق ہو یا تعجب کے لئے ہو تو فاء عاطفہ اور سببیہ ہوگی۔ اگر وہ مابعد کے متعلق ہو تو یہ زائدہ ہے یا یہ مقدر شرط کا جواب ہے۔ ھذا البیت سے مراد کعبہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر صفت ربوبیت سے کیا بیت کی طرف اس کی اضافت اس لئے کی کیونکہ ان کے امن کا باعث یہی گھر تھا۔

؎ اصحاب فیل کے خوف سے انہیں امن دیا اپنے شہروں میں ڈاکے اور سفر میں ڈاکے سے انہیں امن دیا کیونکہ قریش کو اہل حرم سے بنا دیا۔ ضحاک، ربیع اور سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا انہیں کوڑھ سے تباہ ہونے سے امن دیا(1) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس شہر کو امن عطا فرما اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اس لئے وہ ایسی آفت سے محفوظ رہے جو تمام لوگوں کو پہنچتی۔

ابوالحسن قزوینی سے ایک موقوف روایت مروی ہے اگر دشمن یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو سورۂ قریش کی قرأت اس کے لئے ہر تکلیف اور مصیبت سے امان ہوتی ہے۔ جزری نے حصن حصین میں ذکر کیا کہ یہ نسخہ مجرب ہے۔ میں کہتا ہوں میرے شیخ اور میرے امام نے ہر مصیبت اور تکلیف سے بچنے کے لئے سورۂ قریش پڑھنے کا حکم دیا اور کہا یہ ایک مجرب وظیفہ ہے۔ میں کہتا ہوں میں نے خود اس کا کئی دفعہ تجربہ کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورۃ الماعون

ایاتھا ۷ | سورۃ الماعون مکیۃ ۱۰۷ | رکوعھا ۱

سورۃ الماعون مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

"کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روز) جزاء کو۔ پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو۔ اور ترغیب نہیں دیتا (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے۔ جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں۔ وہ جو ریاء کاری کرتے ہیں۔ اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز۔"

۱۔ استفہام تعجب کے لئے ہے اور رؤیت ابصار (دیکھنا) اور معرفت (پہچاننا) کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس کا ایک مفعول ہے جو موصول اور صلہ ہے۔ صاحب البحر المواج نے کہا یہاں استفہام تقریر کے معنی میں ہے اور رؤیت علم کے معنی میں ہے اور اسم موصول مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَرَاَيْتَ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیات عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئیں۔ سدی، مقاتل اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عمرو بن عائذ مخزومی کے حق میں نازل ہوئیں ان اقوال کی روشنی میں سورت کا ابتدائی حصہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور سورت کا آخری حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ اسی طرح کا ایک قول موجود ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت ایک منافق کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ اس صورت میں اسم موصول سے مراد معین شخص ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسم موصول جنس کے معنی میں ہے۔ الدین سے مراد اسلام ہے یا جزاء ہے۔

۲۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام اسی طرح ہے فھو ذلک اور فاء سببیہ ہے اور جملہ سابقہ جملہ کے لئے تعلیل کے قائم مقام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں فاء جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی کیا آپ نے اسے پہچان لیا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے۔ اگر تم اسے نہیں پہچانتے تو وہ یہ ہے جو یتیم پر ظلم کرتا ہے اور اسے حق سے محروم کر دیتا ہے۔ دع کا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سختی کے ساتھ دور کرتا ہے۔

5 یعنی وہ اپنے آپ کو، گھر والوں کو اور دوسروں کو اس بات پر برانگیختہ نہیں کرتا کہ وہ انہیں کھانا کھلائیں کیونکہ وہ روز جزاء کو جھٹلاتا ہے۔

6 فویل میں فاء جزائیہ ہے۔ معنی یہ ہے گا جب یتیم سے لاپرواہی کرنا دین کی کمزوری اور مذمت کا باعث ہے تو نماز جو دین کا ستون ہے۔ اس سے غفلت اور ریاء جو کفر کا ایک حصہ ہے اور زکوۃ جو اسلام کا پل ہے اسے ادانہ کرنا۔ اس کی وجہ سے وہ زیادہ مذمت اور توبیخ کا مستحق ہے۔ اسی وجہ سے فاء کے بعد ویل کا ذکر کیا۔ اسم ضمیر کی جگہ مصلین کا لفظ ذکر کیا تا کہ اس امر پر دلالت ہو کہ خالق و مالک کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے۔ ساھون کا معنی ہے کہ وہ غافل ہیں اور وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ھم عن صلوتھم ساھون کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا وقت میں نماز ادا نہ کرنا۔ ابن جریر اور ابویعلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرتے ہیں (1)۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ نماز کو اپنے وقت میں ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اپنا رکوع و سجود مکمل کرتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اس چیز کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ انہوں نے نماز پڑھی یا نہ پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اگر وہ نماز پڑھیں تو انہیں ثواب کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اگر چھوڑ دیں تو انہیں سزا کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ نماز پڑھتے ہوئے بھی اس سے غافل ہوتے ہیں اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو نماز پڑھے تو ریاکاری سے کام لے اور اگر نماز فوت ہو جائے تو اس پر شرمندہ نہ ہو۔ (2)

1 یراءون یہ روئیت سے باب مفاعلہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے اعمال اس لئے دکھاتے ہیں تا کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی تو اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے روزہ رکھا تو اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری کرتے ہوئے صدقہ کیا تو اس نے شرک کیا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شداد بن اوس سے روایت کیا۔ (3)

7۔ قطرب نے کہا ماعون کا معنی تھوڑی چیز ہے۔ یہاں اس سے مراد زکوۃ ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ زکوۃ کو ماعون اس لئے کہا کیونکہ کثیر مال سے تھوڑا سا حصہ دینا ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ماعون سے مراد کلہاڑی، ڈول، ہنڈیا اور اس جیسی چیزیں ہیں۔ یہی سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ماعون سے مراد ادھار مانگی ہوئی چیز ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی بلند ترین صورت زکوۃ اور ادنیٰ صورت ادھار کی چیز ہے۔ محمد بن کعب اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ماعون سے مراد وہ چیز ہے جو لوگ ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ماعون سے مراد وہ چیز ہے جس کو روکنا حلال نہیں سمجھا جاتا جیسے پانی، نمک اور آگ (4)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پانی کی تو خیر نمک اور آگ کی کیا حیثیت ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے حمیرا جس نے آگ دی گویا اس نے وہ تمام چیزیں صدقہ کیں جو

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 126 (صادر)
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

اس آگ پر پکائی گئیں، جس نے نمک دیا اس نے وہ تمام چیزیں صدقہ کیں جن میں وہ نمک ملایا گیا، جس نے کسی کو ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی مل جاتا ہے تو گویا اس نے ایک غلام صدقہ کیا اور جس نے ایسی جگہ کسی کو پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو گویا اس نے اسے زندہ کیا۔ اسے ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی طلحہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فویل للمصلین والی آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی، جب وہ حاضر ہوتے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے اور جب غائب ہوتے تو نماز نہ پڑھتے اور کوئی چیز ادھار نہ دیتے(1)۔ مدارک میں ہے حضرت انس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے تمام تر تعریفیں ہیں اس ذات پاک کی جس نے عن صلاتھم ساھون فرمایا ہے فی صلاتھم نہیں فرمایا(2) کیونکہ عن الصلوۃ سہو کا معنی ترک کرنا، اس سے اعراض کرنا اور اس کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔ یہ منافقوں کا عمل ہے۔ فی الصلوۃ سہو کا معنی نفس اور شیطان کا وسوسہ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہے اور جتنی طاقت رکھتا ہو اس وسوسہ کو دور کرے اور جس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس پر معافی کا خواستگار ہو۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شیطان میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اسے میرے اوپر خلط ملط کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تجھے محسوس ہو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو اور اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک دو۔ میں نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مجھ سے دور کر دیا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(3)۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ مجھے نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز جاری رکھو کیونکہ یہ سلسلہ تیری نماز کے مکمل ہونے تک جاری رہے گا اور تو کہے گا میں نے اپنی نماز مکمل نہیں کی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر ابن کثیر زیر آیت ہذا 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 224 (قدیمی)

سورۃ الکوثر

اٰیاتہا ۳ | سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۰۸ | رکوعہا ۱

سورۃ الکوثر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک روز حضور ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو اونگھ آئی۔ پھر حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کس چیز نے آپ کو ہنسایا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ تو آپ نے اس سورت کو تلاوت کیا۔ حضور ﷺ نے آپ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر خیر کثیر ہے۔ یہ ایک حوض ہے، قیامت کے روز میری امت اس پر وارد ہوگی، اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ ایک بندہ کو اس حوض سے الگ کر دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا یہ میری امت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو کیا جانتا ہے کہ اس نے تیرے بعد کیا کیا(1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند سے ابو ایوب سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا وصال ہوا تو مشرک ایک دوسرے کے پاس گئے اور کہا کہ اس بے دین (نعوذ باللہ) کی آج رات نسل کا خاتمہ کر دی گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(2)۔ ابن منذر نے ابن جریج رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شمر بن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کہا کرتا تھا کہ حضور ﷺ کا بیٹا کوئی نہیں بچا۔ اس لئے اس کی نسل ختم ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے عقبہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت حدیبیہ کے روز نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل آئے اور کہا جانور ذبح کرو اور واپس پلٹ جاؤ۔ آپ اٹھے قصر (بال کٹوانا) اور نحر (قربانی ذبح کرنا) کے بارے خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر آپ نے دو رکعت ادا کیں۔ پھر آپ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے، انہیں ذبح کیا(3)۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے راویوں نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ نے کہا تو مدینہ کا سردار ہے، ہمیں قوم سے الگ تھلگ ہونے والے شخص کے بارے میں بتاؤ جو یہ گمان کرتا ہے کہ ہم مجرم ہیں جبکہ ہم بیت اللہ کا حج کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور بیت اللہ کے خادم ہیں۔ تو کعب بن اشرف نے کہا تم اس سے بہتر ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (4)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 172 (قدیمی)
2۔ معجم کبیر، جلد 4، صفحہ 179 (العلوم والحکم)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 90-689 (العلمیہ)
4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 690

علیہ نے مصنف میں اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ جب حضور ﷺ کی طرف وحی کی گئی تو قریش نے کہا محمد ﷺ ہم سے کٹ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب کسی آدمی کے بچے فوت ہو جاتے تو عرب کہتے فلاں کی نسل ختم ہوگئی۔ جب حضور ﷺ کا بچہ فوت ہوا تو عاص بن وائل نے کہا حضرت محمد ﷺ کی نسل ختم ہوگئی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں اسی کی مثل محمد بن علی بن حسین سے نقل کیا اور بچے کا نام قاسم لیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی جس نے یہ کہا تھا میں محمد ﷺ کا دشمن ہوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عاص بن وائل سہمی نے حضور ﷺ کو مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ اس میں داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات بنی سہم کے دروازے پر ہوئی۔ دونوں نے گفتگو کی جبکہ قریش کے سردار مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے۔ جب عاص ان کے پاس گیا تو سرداروں نے کہا تو کس کے ساتھ بات کر رہا تھا؟ تو اس نے جواب دیا اس کے ساتھ جس کی نسل ختم ہو چکی ہے۔ ان دنوں حضور ﷺ کا ایک بیٹا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہوا تھا، فوت ہو گیا تھا۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتا اسے چھوڑو اس کی تو کوئی نسل ہی نہیں۔ جب یہ خود فوت ہو جائے گا تو اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ (2)

میں کہتا ہوں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ان آیات کا نزول حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم کی وفات پر نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم کا وصال ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا وصال اعلان نبوت سے بھی پہلے ہوا۔ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت مروی ہے وہ جابر جعفی کی روایت ہے جو کذاب ہے جبکہ حضرت ابراہیم کا وصال سن دس ہجری کو ہوا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو یقین کے ساتھ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ منگل کا دن تھا اور ربیع الاول کی دسویں تاریخ تھی۔ سبل الرشاد میں بھی اسی طرح ہے۔ اس سورت کے نزول کے بارے میں صحیح روایت وہ ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی کہ جب کعب بن اشرف مکہ مکرمہ آیا اور اس نے وہ بات کی جو ذکر ہو چکی ہے تو یہ سورت نازل ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

"بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد وحساب عطا کیا[1]۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)[2]۔ یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام ونشان ہوگا[3]۔"

[1] اہل لغت نے کہا کوثر کثرت سے فوعل کا وزن ہے جس طرح نوفل نفل سے ہے۔ عرب ہر ایسی چیز کو کوثر کہتے ہیں جو تعداد اور قدر و شان میں کثیر ہو۔ اسی وجہ سے وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بشر اور عطاء بن سائب رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ کوثر کا معنی خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطا کیا۔ ابو بشر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کوثر سے مراد جنت کی ایک نہر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا جنت کی نہر تو ان میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خیر کثیر

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 91-690 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 635 (الفکر)

عطا کیا(1)۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الکوثر کا الف لام جنسی قرار دیا اور یہ گمان کیا کہ حوض تو اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ اسی طرح جس نے اس کی تفسیر نبوت اور قرآن سے کی زیادہ مناسب یہ ہے کہ الف لام کو عہد خارجی پر محمول کیا جائے۔ اس کی تفسیر وہی ہے جس کی وضاحت حضور ﷺ نے کی جس طرح ہم نے وہ روایت ذکر کی جو حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے جس میں پانی چل رہا تھا۔ اس میں میں نے ہاتھ ڈالا تو خالص مشک کی طرح خوشبودار تھا۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے(2)۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مرفوع روایت مروی ہے فرمایا وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جتنی لمبی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو بڑے نرم اور ملائم ہوں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر ان کا کھانا اس سے بھی نرم و ملائم ہوگا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسامہ بن زید سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت میں ایک نہر عطا کی گئی ہے جسے کوثر کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی زمین یاقوت، مرجان، زبرجد اور موتی کی ہے۔ موتی اتنا بڑا ہوگا جتنا ایلہ اور صنعاء کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اس میں ستاروں کی تعداد کے برابر لوٹے ہوں گے۔(3)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حذیفہ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ جنت میں ایک بڑی نہر ہے جس میں سونے اور چاندی کے برتن ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا(4)۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتی پر چل رہا ہے(5)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جنت میں ایک نہر ہے جو تمہارے نبی کو عطا کی گئی(6)۔ حوض کا ذکر پچاس سے اوپر صحابہ سے مروی ہے جن میں خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بن علی، حضرت حمزہ بن عبد المطلب، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے صحابہ ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدور سافرہ میں ستر کے قریب روایات نقل کی ہیں۔

2۔ اس میں فاء سببیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ عطا کیا ہے اس پر شکر بجالاتے ہوئے اخلاص کے ساتھ نماز پڑھیے، نہ کہ ان لوگوں کی طرح جو اوروں کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں کیونکہ نماز شکر کی تمام اقسام کو جامع ہے، یعنی زبان، دل اور اعضاء کے ذریعے شکر کرنے کو شامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھو اور اونٹ ذبح کیجئے کیونکہ عربوں کے نزدیک یہی سب سے بہترین مال ہے اور اسے یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کیجئے، نہ کہ ان لوگوں کی طرح معاملہ کیجئے جو یتیموں اور

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 724 (وزارت تعلیم)
2۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 152 (العلمیہ)
3۔ معجم کبیر، جلد 3، صفحہ 152 (العلوم والحکم)
4۔ معجم اوسط، جلد 2، صفحہ 580 (المعارف)
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)
6۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 742 (وزارت تعلیم)

مسکینوں کو دور بھگاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ سورت ماقبل سورت کے مقابلہ کی طرح ہے۔

عکرمہ، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی یہ ہے یوم نحر کو عید کی نماز پڑھو اور اپنی قربانیاں کرو۔ اس صورت میں نماز عید اور قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا فرض نماز پڑھو عرفات میں اور منیٰ میں جانور قربان کرو۔ ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مروی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی کہ اس کا معنی یہ ہے اپنے رب کی نماز پڑھو اور نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھو۔(1)

شانئ سے مراد دشمن اور بغض رکھنے والا ہے۔ یعنی آپ کے دشمن کا کوئی نام ونشان نہ رہے گا، یعنی اس کا حسن ذکر نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے اس پر لعنت ہوتی رہے گی۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وائل کے تو دو بیٹے تھے، ایک کا نام عمرو اور دوسرے کا ہشام تھا۔ تو اس کے لئے نسل کے ختم ہونے کی بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس لئے وائل اور ان کے بیٹوں کے درمیان تعلق ختم ہو گیا بلکہ وہ تو اس کے وارث بھی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اب حضور ﷺ کے ابناء میں شمار ہو گئے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں بن گئیں ان کی خبر کو معرف باللام ذکر کیا گیا اور درمیان میں ضمیر فصل ذکر کی گئی تا کہ حصر پر دلالت ہو۔ معنی یہ ہوا کہ آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور آپ کی اچھی شہرت اور فضیلت کے آثار ہمیشہ باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے آپ ﷺ کی ہر اگلی ساعت پہلی ساعت سے بہتر ہوگی اور آپ ﷺ کی امت کے مومنین کا ذکر فرشتوں اور مومنین کی زبانوں پر ہوگا کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۃ الکافرون

ایاتہا ۶ — سورۃ الکافرون مکیۃ ۱۰۹ — رکوعہا ۱

سورۃ الکافرون مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

طبرانی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قریش نے حضور ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ اہل مکہ میں سے سب سے مالدار بن جائیں گے، جس عورت سے چاہیں گے اس سے آپ کی شادی کر دیں گے اور ہم یہ کہیں گے اے محمد یہ سب کچھ آپ کا ہے۔ پس تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کرو، ہم ایک سال تیرے معبودوں کی عبادت کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کرتا ہوں (1)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے وہب سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کو نقل کیا ہے کہ قریش نے کہا کہ اگر تمہیں یہ خوش کرے کہ ہم ایک سال آپ کی پیروی کریں اور ایک سال کے لئے آپ ہماری طرف پلٹ آئیں (تو ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں)(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن دینار سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف حضور ﷺ سے ملے۔ انہوں نے کہا اے محمد آؤ جس کی ہم عبادت کرتے ہیں تم بھی اس کی عبادت کرو اور ہم اس کی عبادت کریں گے جس کی تم عبادت کرتے ہو، ہم سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(3)۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

"آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔"

۱۔ ۲۔ یہ اس مخصوص جماعت کو خطاب ہے۔ جنہوں نے حضور ﷺ سے صلح کی بات کی تھی ان سے کافرون کے لفظ کے ساتھ اس لئے خطاب کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ما سے مراد بت ہیں۔ اس آیت میں اس امر کی نفی ہے کہ میں زمانہ مستقبل میں تمہارے ساتھ بتوں کی عبادت میں موافقت نہیں کروں گا تا کہ یہ سوال کے مطابق ہو جائے کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ

1۔ الدرالمنثور، جلد 6، صفحہ 692 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سے یہی مطالبہ کیا تھا کہ زمانہ مستقبل میں صلح اور مصالحت ہو جائے جبکہ زمانہ حال میں تو مخالفت ظاہر اور واضح تھی اور جس طرح امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا صرف اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو مستقبل کے معنی میں ہو۔ جس طرح ما صرف اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو۔

ے تم زمانہ مستقبل میں اس ذات کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یہ معنی اس لئے کیا کیونکہ یہ لا اعبد کے مقابلہ میں ہے۔ یہاں ما کو من کی جگہ ذکر کیا تا کہ ماقبل کے کلام کے موافق ہو جائے۔ یا یہاں اس سے صفت مراد ہے۔ گویا کلام یہ فرمائی میں باطل کی پوجا نہیں کرتا اور نہ ہی تم حق کی پوجا کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ ما مصدر یہ ہے۔

ے ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہ عابدون اور عابد کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اکثر علماء معانی کا یہ قول ہے کہ قرآن حکیم عربی زبان اور ان کے اسلوب خطاب پر نازل ہوا۔ عربوں کے اسلوب میں تکرار کے یہ مقاصد ہیں کہ کلام میں تاکید لائی جائے اور مخاطب کو بات سمجھائی جائے۔ جس طرح اختصار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تخفیف اور اختصار کا ارادہ کیا جائے یہاں تکرار تاکید کے لئے ہے۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کلام میں تکرار وقت کے تکرار کی وجہ سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کو یہ بات خوش کرے کہ ہم ایک سال تک آپ کے دین میں داخل ہو جائیں تو ایک سال کے لئے آپ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں تو یہ سورت نازل ہوئی۔ گویا دونوں وقتوں میں مشارکت کی نفی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا پہلے دونوں ما کے کلمات الذی کے معنی میں ہیں اور دوسرے دونوں مصدری معنی میں ہیں۔ یہاں مقصود معبود کی حیثیت میں مشارکت کی نفی ہے، عبادت کی کیفیت میں مشارکت کی نفی نہیں۔

ے یعنی جس دین پر تم ہو اس کو تم کبھی نہیں چھوڑو گے اور جس دین پر میں ہوں میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تو یہ خبر ہے جس طرح مابعد کلام خبر ہے، یعنی جس دین پر میں ہوں میں اسے کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا ان شاء اللہ۔ اس میں نہ کفر کی اجازت کا مسئلہ ہے اور نہ ہی جہاد سے روکنے کا حکم ہے۔ بلکہ یہ کلام سابقہ کلام کی تکمیل اور تاکید ہے۔ خبر کو مقدم اس لئے ذکر کیا تا کہ حصر کا فائدہ دے۔ اس میں یہ حکم لگانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس آیت کا حکم آیت قتال سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اس کی تفسیر ایک دوسرے کو چھوڑنے اور ایک دوسرے کو اپنے دین پر قائم رکھنے کی تفسیر کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ لگاتار انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے جب تک وہ حضور ﷺ اور مومنوں کو اذیتیں دیتے رہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لکم دینکم کا معنی کیا جائے کہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی جزاء ہے اور میرے لئے میرے اعمال کی جزاء ہے۔

نافع، حفص اور ہشام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دین میں نون کو کسرہ اور باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بزی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت مشہور ہے۔ دالانی نے بھی اسے ہی اپنایا ہے اذا زلزلت کی تفسیر میں حضور ﷺ کا فرمان جو حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں مروی تھا گزر چکا ہے کہ سورۂ یا ایہا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے(1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دو سورتیں کتنی اچھی ہیں جو فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص ہے(2)۔ اسے ابن ہشام رحمۃ

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 224 (دار الکتب المصریہ)　2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 49 (العلمیہ)

اللہ علیہ نے روایت کیا۔ فروہ بن نوفل بن معاویہ سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیں جسے میں بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھا کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا سورۂ یا ایھا الکافرون پڑھا کرو کیونکہ یہ شرک سے برأت کا اظہار ہے (1)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جبیر کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ جب تو سفر پر نکلے تو لوگوں سے حیثیت میں سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ زادِ راہ والا ہو۔ تو میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں میں اسے پسند کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان پانچ سورتوں کو پڑھا کرو قل یاایھا الکافرون، اذاء جاء نصر اللّٰہ، قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ ہر سورت کے آغاز میں بسم اللّٰہ شریف پڑھا کرو اور اسی پر اسے ختم کیا کرو۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں غنی تھا اور وافر مال رکھتا تھا۔ جب سفر پر جاتا تو سب سے کمزور حیثیت اور کم زادِ راہ والا ہوتا۔ جب سے میں نے حضور ﷺ سے یہ سبق سیکھا تو میں نے اسے نہ چھوڑا۔ میں انہیں پڑھا کرتا تو میری حیثیت سب سے اعلیٰ ہو گئی اور میرے پاس زادِ راہ بھی زیادہ ہوتا یہاں تک کہ میں اپنے سفر سے واپس آجاتا (2)۔ اسے ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بچھو نے حضور ﷺ کو ڈنگ مارا۔ آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگایا اور ڈنگ والی جگہ اسے بہایا جبکہ آپ ﷺ اس جگہ اپنا ہاتھ پھیر رہے تھے اور ساتھ ساتھ سورۂ یا ایھا الکافرون، سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ رہے تھے (3)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 176 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 695 (العلمیہ) 3۔ ایضاً

سورۃ النصر

آیاتہا ۳ | سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۰ | رکوعہا ۱

سورۃ النصر مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں معمر رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب فتح مکہ کے سال حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے بھیجا۔ قریش کے لشکروں نے ان کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔ پھر حضور ﷺ نے جنگ روک دینے کا حکم دیا تو جنگ روک دی گئی تو قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔(1)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

"جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) 1 اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج 2 تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے 3"

1 اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اس سورت میں اذا اذ کے معنی میں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔

فتح سے مراد فتح مکہ ہے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز یہ ارشاد فرمایا یہ وہ فتح ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا پھر آپ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تلاوت کی(2)۔ فتح مکہ کا قصہ جو تاریخ دانوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر قریش سے اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی جس میں لوگ امن سے رہیں گے۔ جو قبیلہ حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا چاہے گا وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو جائے۔ بنو بکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بنو خزاعہ نے حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ان دونوں قبیلوں کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ پھر بنی بکر میں سے

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 5، صفحہ 378 (المکتب الاسلامی)
2۔ مجمع الزوائد، جلد 8، صفحہ 592 (الفکر)

بنی نفاثہ نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا۔ انہیں میں سے نوفل بن معاویہ دیلمی نے بنو خزاعہ پر وتیر کے مقام پر جو مکہ مکرمہ کا نشیبی علاقہ ہے، میں شب خون مارا۔ ان سے جنگ کی یہاں تک کہ بنو خزاعہ حرم میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے جنگ ختم نہ کی۔ قریش نے بنی بکر کی اسلحہ کی صورت میں مدد کی بعض قریش نے رات کی تاریکی میں چھپ کر جنگ میں بھی حصہ لیا۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، شیبہ بن عثمان، خویطب بن عبداللہ اپنے غلاموں کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر قریش وعدہ خلافی پر شرمندہ ہوئے اور ایک دوسرے کو ملامت کی جنگ کے بعد سالم خزاعی چالیس سواروں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ تمام واقعہ بتائیں اور مدد کی درخواست کریں۔ ان کی طرف سے خبر پہنچنے سے پہلے ہی بنی نفاثہ اور بنی خزاعہ کی جنگ کی خبر آپ کو پہنچ گئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اسی معاملہ کے لئے وعدہ توڑتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر رکھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی وہ معاملہ خیر کا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا معاملہ خیر کا ہے۔ محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میمونہ سے اسی جیسی روایت نقل کی ہے جب عمرو بن سالم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ اپنی چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے عمرو اگر میں تیری اس قوت کے ساتھ مدد نہ کروں جس کے ساتھ میں اپنی مدد کرتا ہوں تو میری مدد نہ کی جائے۔ یہ شعبان کا مہینہ تھا اور صلح حدیبیہ کو بائیس ماہ گزر چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ (۱) کو قریش کی طرف بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات کا انتخاب کرنا ہوگا:۔

1۔ خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کرو، وہ تیئس مقتول تھے۔

2۔ جنہوں نے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے اس سے اپنا معاہدہ توڑ دیں، یعنی بنو نفاثہ سے اپنا تعلق ختم کر دیں۔

3۔ ہمارا تمہارا معاہدہ ختم۔

پہلے قریش نے ان باتوں میں باہم اختلاف کیا۔ آخر کار صلح حدیبیہ ختم کرنے پر اتفاق کیا۔ حضرت حمزہ (۱) صلح ختم کرنے کی خبر لے کر واپس آئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صلح اور نرمی کا مشورہ دیا اور عرض کی وہ آپ کی قوم ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ خیال کر رہے تھے کہ شائد آپ ان کی رائے کو مان لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کا مشورہ دیا اور عرض کیا یہ کفر کے سرغنے ہیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ آپ جادوگر کاہن اور جھوٹے ہیں۔ جو کچھ کفار آپ کے متعلق کہتے تھے سب کا ذکر کیا۔ اور عرض کیا عرب اس وقت اطاعت نہیں کریں گے جب تک قریش اطاعت نہیں کریں گے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا۔ حضور ﷺ نے اپنے معاملہ کو مخفی رکھا اور عربوں کو اس پر برانگیختہ کیا۔ بنو اسلم، بنو غفار، بنو مزینہ، بنو جہینہ، بنو اشجع اور بنو سلیم آ گئے۔ ان میں سے کچھ تو مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور کچھ راستے میں ساتھ ملے۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ بارہ ہزار تھی۔ ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی کہ جب لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا تو اس کی تعداد دس ہزار تھی اور دو ہزار راستہ میں مل گئے تھے۔ پھر قریش صلح ختم کرنے پر شرمندہ ہوئے اور اپنے سردار ابوسفیان کو بھیجا۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے۔ جب ابوسفیان نے

---

(۱) متن میں حمزہ کا نام لکھا ہوا ہے، شائد کتابت کی غلطی ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس صحابی کا نام حضرت ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ مترجم

حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ بستر لپیٹ دیا اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا اے بیٹی میرے بعد تجھ میں بہت بڑی خرابی آ گئی ہے۔ تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، اے میرے ابا تو قریش کا سردار اور رئیس ہے، تم سے اسلام لانے کا حکم کیسے ساقط ہو سکتا ہے جبکہ تو ایسے پتھروں کی پوجا کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ ابوسفیان حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ سے گفتگو کی۔ آپ نے ابوسفیان کو کوئی جواب نہ دیا پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور آپ سے بات چیت کی اور عرض کی کہ آپ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کریں تو انہوں نے جواب دیا میں ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا آپ سے گزارش کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میرے پاس ذرا کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہوتو میں اس کے ساتھ بھی تم سے لڑوں گا۔ پھر وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا جبکہ ان کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے اور عرض کی اے علی تم رشتہ داری میں میرے سب سے قریبی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ہماری سفارش کریں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوسفیان تیرے لئے افسوس ہے حضور ﷺ نے پختہ عزم کر لیا ہے کوئی بھی آپ سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ تو ابوسفیان حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے، عرض کی کیا آپ اپنے والد ماجد سے کچھ گزارش کر سکتی ہیں جس کے نتیجہ میں حضور ﷺ لوگوں میں صلح بحال کر دیں تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ ابوسفیان نے کہا اے ابوالحسن مجھ پر معاملہ بہت سخت ہو گیا ہے مجھے کوئی نصیحت ہی کیجئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو تجھے فائدہ دے لیکن تو بنی کنانہ کا سردار ہے، اٹھو اور لوگوں کے درمیان ان کا اعلان کر دو اور واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے پوچھا تیری کیا رائے ہے؟ کیا یہ مجھے کچھ نفع دے گا؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن میرے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ ابوسفیان مسجد میں کھڑا ہوا اور کہا اے لوگو میں نے لوگوں کے درمیان امن جاری کر دیا۔ پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا اور چلا گیا۔ قریش کے پاس آیا اور تمام واقعہ بیان کر دیا تو قریش نے کہا اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف تم سے دل لگی کی۔

حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ قول صحیح ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ بدھ کے روز دس رمضان شریف سنہ 8 ہجری کو مدینہ طیبہ سے نکلے۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی اے اللہ مخبروں اور جاسوسوں کو قریش سے روک دے، یعنی قریش کو خبر نہ ہونے پائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا فرمایا جاؤ یہاں تک کہ تم روضہ خاخ (جگہ کا نام) پہنچ گئے۔ وہاں ایک عورت ہوگی جس کے پاس ایک رقعہ ہوگا، وہ اس سے لے لینا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے چل پڑے یہاں تک کہ ہم روضہ خاخ میں پہنچے تو وہاں ایک عورت کو پایا۔ ہم نے کہا خط نکال دو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس سے کہا یا تو خط نکال دو ورنہ تیرے کپڑے اتار دیئے جائیں گے۔ اس نے خط بالوں کے جوڑے سے نکال دیا۔ ہم وہ خط حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے۔ اس میں یہ تحریر تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی

جانب سے مشرکین مکہ کے نام ہے جس میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے حضور ﷺ کے ارادہ کے بارے میں بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب سے پوچھا اے حاطب یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھ پر کوئی فیصلہ جلدی میں نہ کیجئے، میں ایک ایسا آدمی ہوں جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوں (میرا نسب قریش سے نہیں)۔ آپ کے ساتھ جتنے بھی مہاجرین ہیں وہاں ان کی رشتہ داریاں ہیں جو ان کے رشتہ داروں اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب میرا ان میں نسب نہیں تو میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں ان پر ایک احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ عمل دین چھوڑنے کی وجہ سے نہیں کیا، نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر کو اپنانے کی وجہ سے کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے تم سے سچی بات کہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوا، اے عمر کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کے اعمال پر مطلع تھا جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اس نے فرمایا اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَکُمۡ جو چاہو کرتے رہو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَعَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ الخ(1)۔ رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا۔ لوگوں نے بھی ساتھ ہی روزہ رکھا۔ جب آپ کدید کے مقام پر پہنچے تو حضور ﷺ نے روزہ افطار کیا۔ ساتھ ہی صحابہ نے بھی روزہ افطار کیا۔ پھر افطار ہی کرتے رہے یہاں تک کہ پورا رمضان شریف نکل گیا۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ سے چلے اور حضور ﷺ کو جحفہ کے مقام پر ملے۔ اس سے قبل آپ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم تھے اور حضور ﷺ کی رضامندی سے حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ ابواء کے مقام پر آپ کو ابوسفیان بن حارث جو آپ کے چچازاد بھائی تھے اور ان کا بیٹا جعفر بن ابی سفیان ملے۔ یہ دونوں حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کو عبداللہ بن امیہ جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ملے۔ حضور ﷺ نے دونوں سے اعراض کیا، فرمایا مجھے ان سے کوئی غرض نہیں، انہوں نے میری عزت کو پامال کیا انہوں نے میرے بارے میں جو کچھ کہا۔ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گزارش کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی تو حضور ﷺ نے ان دونوں کو اجازت دے دی۔ جب آپ قدید کے مقام پر تھے تو آپ نے جھنڈے باندھے اور قبائل کو عطا فرمائے۔ حضور ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا پھر آپ عشاء کے وقت مرالظہران میں اترے۔ ابھی تک قریش کو کوئی خبر نہ تھی۔ اس رات ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا خبر لینے کے لئے نکلے۔ حضور ﷺ نے دس ہزار جگہ آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قریش کی صبح برباد ہو گئی، اللہ کی قسم اگر حضور ﷺ صبح زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے تو قریش ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ کوئی لکڑہارا، دودھ والا یا ضرورت مند مکہ مکرمہ جاتے ہوئے دیکھیں جو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں قریش مکہ کو بتائیں تاکہ حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ سے امان لے لیں تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوسفیان کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا میں نے اس رات جیسی آگ نہیں دیکھی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا تو ہلاک ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں وہ ایسا لشکر لائے ہیں جس کا سامنا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تو ابوسفیان نے پوچھا اب بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 612 (وزارت تعلیم)

فرمایا اے ابوسفیان اگر انہوں نے تجھے پکڑ لیا تو تیری گردن اڑا دی جائے گی اس خچر پر میرے پیچھے سوار ہو جاؤ تا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ تک لے چلوں تا کہ تو آپ سے امان طلب کر لے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما واپس پلٹے۔ جب بھی وہ کسی آگ کے پاس سے گزرتے تو لوگ آپ کو دیکھتے اور کہتے یہ حضور ﷺ کے چچا ہیں جو حضور ﷺ کے خچر پر سوار ہیں یہاں تک کہ اس آگ پر سے گزرے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روشن کر رکھا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فرمایا یہ ابوسفیان ہے جو اللہ کا دشمن ہے۔ الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے بغیر کسی وعدہ کے اسے ہمارے قابو میں دیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلدی سے حضور ﷺ کی طرف گئے اور ابوسفیان کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اے عمر تم ابوسفیان کے بارے میں اس لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو کیونکہ یہ بنی عبد مناف کا ایک فرد ہے اگر یہ بنی کعب میں سے ہوتا تو تم ایسا نہ کرتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عباس ٹھہریے، جس دن تم مسلمان ہوئے تمہارا اسلام لانا میرے لئے میرے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عباس! اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہو کیا ابھی تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ابوسفیان نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلم والے ہیں، کتنے کرم والے ہیں اور کتنے صلہ رحم ہیں، اللہ کی قسم میرا گمان ہے اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو اب کچھ فائدہ بھی دیتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوسفیان تجھ پر افسوس، کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو یہ جانتا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو ابوسفیان نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلیم، کتنے کریم اور کتنے ہی رشتہ کا خیال رکھنے والے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے اس بارے میں میرے دل میں کچھ تردد ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ویحک (تو ہلاک ہو) اسلام قبول کر لے ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی تو اس نے کلمات شہادت کو پڑھا اور اسلام لے آیا۔ حکیم اور بدیل تو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوسفیان پیلو کے درخت کے پاس ہے اسے پکڑ لو۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روایت اسی طرح ہے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو حضور ﷺ کے انصاری پہریداروں نے پکڑا تھا۔ اس رات نگہبانوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے قید کر دو۔ صحابہ نے اسے قید کر دیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے کہ ابوسفیان نے کہا میری حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں راہنمائی کرو۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر پہرہ دینے والوں میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے جو انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے، جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے۔ ابوسفیان نے مسجد حرام میں جا کر بلند آواز سے یہ اعلان کیا تھا اے قریش یہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ وہ اتنا بڑا لشکر لائے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں ہمت نہیں۔ تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور مسجد حرام میں چلے گئے۔ جب حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مسلمان ہو گئے اور بیعت کر لی تو حضور ﷺ نے دونوں کو قریش کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ حضور ﷺ نے زبیر کو بھیجا، انہیں جھنڈا عطا کیا اور انہیں مہاجرین و انصار کے شاہسواروں پر امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ بالائی مکہ

میں حجون کے مقام پر جھنڈا لگا دیں۔ فرمایا اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑنی جب تک میں تمہیں حکم نہ دوں۔ اسی سمت سے حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ وہاں حضور ﷺ کے لئے ایک خیمہ قبانما نصب کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی قضاعہ اور بنی سلیم کے لئے مسلمانوں پر امیر بنایا اور حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں جہاں بنو بکر رہتے تھے جنہیں قریش اور بنو حارث نے انہیں مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا۔ اسی طرح احابیش کو قریش نے کہا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں میں جا کر رہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حکم دیا تھا کہ دونوں صرف ان سے ہی جنگ کریں جو مسلمانوں سے جنگ کریں۔

حضور ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بعض لوگوں کے ساتھ کداء سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا کیا تھا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داخل ہوتے وقت کہا تھا آج جنگ کا دن ہے، آج اس شہر کی حرمت حلال ہو گئی۔ تو ایک مہاجر نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سنئے، انہیں قریش پر یہ شوکت کہاں سے حاصل ہو گئی؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملو اور ان سے جھنڈا لے لو جھنڈا لے کر مکہ میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر تشریف لے گئے اور اسے رکن کے پاس گاڑ دیا۔ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ حضور ﷺ دو جھنڈوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مکہ کے بالائی علاقوں سے کوئی داخل نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے تو جب آپ مکہ کے زیریں علاقوں سے داخل ہوئے تھے تو وہاں جو قریش اور دوسرے مشرک تھے۔ انہوں نے آپ کو روکا تھا۔ انہوں نے اسلحہ سونت لیا اور تیر چلائے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو للکارا اور ان سے جنگ کی جس میں قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار آدمی مارے گئے۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مشرکوں میں سے بائیس یا تئیس آدمی مارے گئے اور بری طرح شکست کھائی۔ وہ ہر طرف بھاگ رہے تھے اور سانس پھول جانے کی وجہ سے بھی وہ مارے گئے۔ ایک جماعت پہاڑوں پر چڑھ گئی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک جہینہ قبیلہ کا شخص شہید ہوا جسے سلمہ بن میلاء کہا جاتا جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھڑ سواروں میں سے تھا۔ دو اور آدمی شہید ہوئے جن کا نام کرز بن جابر فہری اور جیش بن خالد بن ربیعہ تھا یہ دونوں بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھڑ سوار دستے سے تعلق رکھتے تھے یہ دونوں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الگ ہو گئے تھے اور آپ کے راستہ سے مختلف راستہ اپنایا تھا اور دونوں قتل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان امراء سے وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے کہ ایسے شخص سے جنگ کریں گے جو ان پر حملہ کرے گا۔ ہاں چند افراد کا آپ نے خاص طور پر نام لیا جن کو حضور ﷺ نے قتل کا حکم دیا اگرچہ وہ غلاف کعبہ کے نیچے چھپے ہوں۔ ان میں عبد اللہ بن سرح تھا۔ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی سفارش کی تھی تو اس کی جان بخشی ہو گئی۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے اسلام کو قبول کیا تھا۔ ایک حریث بن نقیر تھا جو حضور ﷺ کو اذیتیں دیا کرتا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا۔ ایک مقیس بن صبابہ تھا۔ یہ

مسلمان ہو گیا تھا پھر ایک انصاری پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا تھا۔ انصاری نے اس کے بھائی ہشام کو غزوہ ذی قرد میں غلطی سے قتل کیا
تھا۔ انصاری نے اسے دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔ مقیس آیا۔ اس نے انصاری سے بھائی کی دیت وصول کر لی پھر مرتد ہو گیا۔ اسے اس کے
قوم کے ایک فرد نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔ ایک ہبار بن اسود تھا۔ یہ مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتا تھا۔ اسی نے حضور ﷺ کی لخت
جگر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا راستہ روکا تھا اور آپ کو نیزہ مارا تھا جس کی وجہ سے آپ کا حمل گر گیا تھا۔ آپ اس کی وجہ سے
بیمار رہیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اسے معاف کر دیا گیا۔ ان میں سے
ایک حارث بن طلال خزاعی تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قتل کیا تھا۔ ابو معشر نے یہ ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک
کعب بن زہیر شاعر تھا۔ یہ ہجو کیا کرتا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور بعد میں حضور ﷺ کی مدح کہی تھی۔ ایک وحشی بن حرب تھا جس
نے غزوہ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کو شہید کیا تھا۔ یہ طائف کی طرف بھاگ گیا تھا۔ پھر مسلمان ہو کر واپس آیا۔ ایک عبداللہ
بن خطل تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے
عامل زکوٰۃ بنا کر بھیجا تھا اور بنی خزاعہ کا ایک آدمی بھی اس کے ساتھ بھیجا۔ وہ عبداللہ کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا اور اس کی خدمت کرتا تھا
۔ یہ دونوں ایک جگہ اترے اور عبداللہ نے خزاعی کو کہا کہ اس کے لئے کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے لئے کھانا تیار کرے۔ وہ دوپہر کو
اٹھا خزاعی کو جگایا۔ اس نے کھانا تیار نہ کیا تھا۔ اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ اس کی دو لونڈیاں تھیں جو
گانا گاتیں اور حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے دونوں لونڈیوں کو بھی اس کے ساتھ قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان میں
ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری بھاگ گئی۔ عبداللہ کو سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی نے قتل کیا۔ یہ دونوں اس کے قتل میں شریک
ہوئے۔ جو لونڈی بھاگ گئی تھی وہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔ ایک عمر بن ہاشم کی لونڈی تھی۔ یہ گانا گاتی اور نوحہ کرتی تھی۔ یہ وہی عورت
تھی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا۔ یہ مسلمان ہو گئی تھی۔ ایک ہند بنت عتبہ تھی جو ابو سفیان کی بیوی تھی جس نے
حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ یہ مسلمان ہو گئی تو حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ ایک صفوان
بن امیہ تھا جو جدہ کی طرف بھاگ گیا تھا تاکہ کشتی میں سوار ہو کر یمن چلا جائے۔ عمیر بن وہب نے اس کے لئے امان چاہی۔ وہ رسول
اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت چاہی۔ حضور ﷺ نے اسے چار ماہ کی
مہلت دے دی۔ پھر بعد میں یہ مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر عمامہ تھا اسے امام
احمد، امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اور چار دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ کے سر مبارک پر خود تھا۔ اس میں تطبیق
یوں دی گئی کہ پہلے حضور ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا پھر آپ نے خود اتارا اور عمامہ (پگڑی) باندھا۔ آپ اس وقت سورۂ فتح کی
تلاوت کر رہے تھے۔ آپ کی قرأت کی آواز لوٹ لوٹ کر آ رہی تھی۔ صحیحین میں اسی طرح ہے۔

حضور ﷺ حجون کے مقام پر چمڑے کے ایک خیمہ میں فروکش ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہما تھیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش اور بنو کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ نہ ان کے ساتھ شادیاں
کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ آپ سے عرض
کی گئی کیا آپ شعب ابی طالب میں اپنے گھر میں قیام نہیں کریں گے تو آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے۔

عقیل نے حضور ﷺ اور اپنے بھائی بہنوں کے گھر بیچ دیئے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی آپ اپنے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں قیام فرمائیں تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں گھروں میں داخل نہیں ہوں گا۔ آپ حجون سے ہر نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ آپ اپنی رہائش گاہ پر دن کی کچھ گھڑیاں ٹھہرے۔ آپ نے غسل کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو پردہ کیا۔ آپ نے چاشت کے آٹھ نوافل ادا کئے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل کیا نماز پڑھی پھر سواری پر سوار ہوئے، کعبہ شریف میں آئے، اپنی چھڑی کے ساتھ رکن کو سلام کیا، زبان سے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے الفاظ کہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ نعرہ تکبیر سے گونجنے لگا۔ حضور ﷺ صحابہ کو پرسکون رہنے کا اشارہ کر رہے تھے جب کہ مشرک پہاڑوں پر چڑھ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے پھر آپ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور سات چکر لگائے۔ آپ اپنی چھڑی کے ساتھ رکن (حجر اسود) کو سلام کرتے۔ کعبہ شریف کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں سکے کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا۔ ہبل سب سے بڑا بت تھا۔ وہ کعبہ کے سامنے دروازے پر نصب تھا۔ اساف اور نائلہ کے بت تھے یہ وہاں نصب تھے جہاں لوگ جانور قربان کرتے۔ حضور ﷺ جب بھی کسی بت کے پاس سے گزرتے۔ آپ اس کی طرف اشارہ کرتے اور اس کی آنکھ میں کچوکہ مارتے اور فرماتے حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا بے شک باطل بھاگنے والا ہے۔ آپ جس بت کی طرف بھی اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا یا پشت کے بل گر پڑتا جبکہ آپ ﷺ کی چھڑی اسے مس بھی نہ کرتی۔ فضالہ بن عمر لیثی نے حضور ﷺ کو اس وقت شہید کرنے کا ارادہ کیا جب آپ طواف کر رہے تھے۔ جب وہ حضور ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے فضالہ۔ اس نے عرض کی جی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا سوچ رہے ہو؟ اس نے عرض کی میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا استغفر اللّٰہ۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا۔ فضالہ کہا کرتے تھے اللہ کی قسم حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے نہیں ہٹایا تھا مگر آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو آپ اپنی سواری سے لوگوں کے ہاتھوں پر نیچے اترے۔ آپ نے مسجد میں اونٹنی بٹھانے کی جگہ نہ پائی۔ آپ نے مسجد سے باہر اونٹنی کو بٹھایا پھر آپ مقام ابراہیم پر پہنچے جبکہ وہ کعبہ میں شامل تھا۔ زرہ اور خود آپ زیب تن کئے ہوئے تھے جبکہ عمامہ آپ کے کندھوں کے درمیان تھا۔ آپ نے دو رکعات نماز ادا کی پھر آپ چاہ زمزم پر تشریف لے گئے۔ آپ اس میں جھانکے اور فرمایا اگر بنو عبد المطلب کے غلبہ کا خوف نہ ہوتا تو میں خود اس میں سے ایک ڈول نکالتا۔ تو حضرت عباس یا حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان میں سے ڈول نکالا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا اور وضو کیا۔ مسلمان آپ کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے میں جلدی کرتے اور اسے اپنے منہ میں ڈالتے جبکہ مشرک یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے ہم نے تو ایسا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں سنا تو اس کے پیروکار اس سے اتنی وارفتگی رکھتے ہوں پھر حضور ﷺ نے ہبل کو توڑنے کا حکم دیا تو اسے توڑ دیا گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو میں کعبہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اے علی میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ نے مجھے اٹھایا تو مجھے یوں خیال ہوا اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق تک پہنچ جاؤں۔ میں کعبہ کے اوپر چڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا بڑے بت کو توڑ دو۔ وہ تانبے کا تھا اور لوہے کی

سلاخوں سے اسے زمین میں گاڑھا گیا تھا۔ فرمایا اسے پکڑ لو اور خود یہ تلاوت کرنے لگے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ میں نے اس بت کو گرا دیا۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عثمان بن طلحہ کی طرف بھیجا کہ وہ کعبہ کی چابی لے آئے۔ عثمان نے کہا وہ میری ماں کے پاس ہے عثمان نے چابی منگوائی تو اس کی ماں نے کہا لات وعزیٰ کی قسم میں تمہیں چابی کبھی بھی نہ دوں گی تو عثمان نے کہا نہ لات رہا اور نہ ہی عزیٰ۔ اگر تو چابی نہیں دے گی تو مجھے اور میرے بھائی کو قتل کر دیا جائے گا۔ عثمان نے دیر کی جبکہ حضور ﷺ انتظار کر رہے تھے۔ تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا۔ جب اس کی ماں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آواز سنی تو کہا اے بیٹے چابی لے لو، اگر تو لے لے تو یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میرے دشمن مجھ سے یہ لیں۔ عثمان نے وہ چابی لے لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور ﷺ نے چابی لے لی، اپنے ہاتھ سے بیت اللہ شریف کے دروازے کو کھولا عثمان اور طلحہ کہا کرتے تھے کعبہ کو وہ ہی کھول سکتے ہیں (جبکہ اب ان کا دعویٰ باطل ہو گیا)۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کے داخل ہونے سے پہلے بیت اللہ شریف کو تمام تصویروں سے پاک کر دیں۔ مسلمانوں نے تہبند کے علاوہ تمام کپڑے اتار دیئے۔ انہوں نے ڈول پکڑ لئے اور رجز پڑھتے ہوئے چاہ زمزم پر آئے اور کعبہ کو اندر باہر سے غسل دینے لگے۔ انہوں نے مشرکوں کا کوئی اثر اس میں نہ چھوڑا بلکہ اسے مٹا دیا۔ پھر حضور ﷺ، حضرت اسامہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا۔ حضور ﷺ نے ایک ستون اپنی دائیں جانب، دو ستون بائیں جانب اور تین ستون دروازے کی طرف اپنے پیچھے رکھے جبکہ آپ اور بیت اللہ شریف کی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا یا دو ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ آپ نے وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور قبلہ شریف کی طرف دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر فرمایا یہ قبلہ ہے پھر آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، خود ہی تمام قبائل کو شکست فاش دی۔ خبردار ہر استحقاق خون یا مال کا دعویٰ وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ مگر بیت اللہ شریف کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری اس سے مستثنیٰ ہیں مگر جیسے سوٹے یا چھڑی سے قتل کیا جائے یا خطاءً قتل ہو جائے یا شبہ عمد کی صورت ہو تو اس میں دیت مغلظہ ہو گی، اس میں سو اونٹنیاں ہیں، چالیس کے پیٹوں میں بچے ہونے ضروری ہیں۔ وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ بچہ اس کا ہو گا جس کے ساتھ عورت کا عقد نکاح ہے اور بدکار کے لئے پتھر ہے۔ عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر مال عطا کرے۔ غیر مسلموں کے مقابلہ میں تمام مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ذمی کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ دو دینوں پر ایمان رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والا نہ اپنے پاس مال منگوائے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر، نہ اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے گا۔ گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور قسم اس پر لازم ہو گی جو انکار کرے۔ عورت اپنے ذی رحم محرم کے ساتھ سفر کرے۔ عصر اور فجر کے فرض پڑھنے کے بعد کوئی (نفل) نماز نہیں۔ میں تمہیں عید الفطر اور عید قربان پر روزے رکھنے سے منع کرتا ہوں۔ دو قسم کے لباسوں سے بھی منع کرتا ہوں کوئی بھی ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے۔ احتباء کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سرین پر اس طرح بیٹھے کہ گھٹنے کھڑے کر کے اپنے پیٹ کے ساتھ ملا لے اور قدموں کو سرین کے ساتھ ملا لے۔ اس میں ستر کھلنے کا امکان ہوتا

ہے یا وہ اعضاء نمایاں نظر آتے ہیں۔دوسرا لباس یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے اوپر یوں چادر یا کمبل لپیٹ لے کہ اس کے ہاتھ اندر ہوں اور وہ انہیں حرکت بھی نہ دے سکے۔اے جماعت قریش اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى۔ اے اہل مکہ کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا بہتری کی امید ہے آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے، وہ ارحم الراحمین ہے، تم جاؤ، تم آزاد ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ وہ یوں حرم سے باہر نکلے گویا وہ قبروں سے اٹھائے گئے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فتح کے سال بنی خزاعہ نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے دور جاہلیت میں ان کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ حضور ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو مکہ مکرمہ سے روکا اور اپنے رسول اور مومنین کو اس پر غلبہ عطا فرمایا خبردار نہ یہ مجھ سے قبل کسی کے لئے یہ حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد یہ شہر کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے بھی دن کی چند ساعتوں میں حلال ہوا تھا۔ یہ شہر حرام ہے، اس کے کانٹے کو نہ روندا جائے، اس کے درخت کو نہ کاٹا جائے اور نہ ہی یہاں گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے۔ ہاں صرف اس صورت میں کہ اس کے اعلان کا ارادہ ہو۔ جس کا کوئی آدمی قتل کیا گیا اس کی دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا، چاہے تو دیت لے لے، چاہے قصاص لے لے۔ ایک یمنی آدمی نے آپ سے عرض کی جسے ابو شاہ کہا جاتا مجھے یہ چیزیں لکھ دو۔ حضور ﷺ نے حکم دیا اسے لکھ دو۔ قریش میں سے ایک آدمی اٹھا، اس نے عرض کی اس کی حرمت سے اذخر کو مستثنیٰ کر دیں تو حضور ﷺ نے اذخر کو مستثنیٰ کر دیا(1)۔ ایک روایت میں ہے ایک آدمی اٹھا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے دور جاہلیت میں ایک عورت داشتہ بنا کر رکھی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے دور جاہلیت میں کسی عورت سے داشتہ والے تعلقات رکھے جس کا وہ مالک نہ تھا یا وہ کسی اور کی لونڈی تھی پھر اس نے بعد میں اس کے بچے کا دعویٰ کیا۔ یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا نہ یہ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ ہی بچہ اس کا وارث ہوگا۔ میرا خیال ہے تم باتوں کو اچھی طرح سمجھ گئے ہو: اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ۔ پھر حضور ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے مکہ مکرمہ میں اعلان کیا جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے گھروں میں رکھے بتوں کو توڑ دے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان کہے جس سے مشرک غیظ و غضب میں مبتلا ہوں۔ اس وقت قریش پہاڑوں پر تھے۔ خود چھپے ہوئے تھے۔ اور چہرے سامنے تھے ابو سفیان، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خالد بن اسید نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسید کو عزت دی کہ اس نے یہ آواز نہ سنی۔ حارث نے کہا اللہ کی قسم اگر مجھے اس کے حق ہونے کا یقین ہوتا تو میں ضرور اس کی اتباع کرتا۔ سعید بن عاص کے ایک آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ نے سعید کو عزت دی کہ اس کالے حبشی کو کعبہ پر دیکھنے سے پہلے ہی موت دے دی۔ ابو سفیان نے کہا میں تو کچھ بھی نہ کہوں گا، اگر میں نے کوئی بات کی تو یہ سنگریزے بھی آپ کو اطلاع کر دیں گے۔ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے جو باتیں کی تھیں

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 22 (وزارت تعلیم)

سب کچھ بتا دیں۔ حضور ﷺ نے انہیں وہ باتیں بتائیں جو انہوں نے کی تھیں تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔ ایک مسلمان نے ابوقحافہ کو پتھر مارا اور اسے زخمی کر دیا اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار لے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حال میں پایا کہ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے چہرے سے خون صاف کیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس شیخ کو وہیں کیوں نہیں چھوڑ دیا یہاں تک کہ میں اس کے پاس آتا۔ حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوقحافہ کا سر اور داڑھی ثغامہ (پھول) کی طرح سفید تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کسی چیز سے تبدیل کر دو مگر سیاہ خضاب نہ لگانا۔ حضور ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیچے تھے جو لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پر بیعت لے رہے تھے۔ بڑے چھوٹے مرد اور عورتیں سب آئیں اور انہوں نے بیعت کی۔ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں سے بیعت لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کسی عورت نے بیعت کرتے ہوئے حضور ﷺ کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ گفتگو کے ذریعے بیعت لے رہے تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پہاڑی پر تشریف لائے آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگا۔ آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اس کا ذکر کیا اور جو پسند کرتے تھے وہ دعا کی جبکہ انصار نیچے تھے۔ بعض نے بعض سے کہا آپ کو رشتہ داروں کی رغبت اور قبیلہ کی شفقت نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ آپ پر وحی آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انصار۔ عرض کی لبیک یا رسول اللہ ﷺ فرمایا تم نے یہ یہ بات کی۔ انہوں نے عرض کی جی حضور کی ہے۔ فرمایا حاشا وکلا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔ وہ روتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور کہہ رہے تھے اللہ کی قسم ہم نے یہ بات صرف اس لئے کی تھی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بخیل ہیں، یعنی ہم نہیں چاہتے کہ آپ یہاں رہ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری سچائی کی وجہ سے تمہارا عذر قبول کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے قریش کے تین آدمیوں سے قرض لیا، صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبدالعزیٰ سے چالیس ہزار درہم اور مالی لحاظ سے کمزور صحابہ میں اسے تقسیم کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن پر فتح نصیب فرمائی تو اس قرض کو واپس کر دیا اور فرمایا قرض کا بدلہ شکریہ اور اس کی ادائیگی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب مکہ مکرمہ پر حملہ نہ کیا جائے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔ ابویعلیٰ اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو شیطان بلند آواز سے رونے لگا تو اس کی آل اولاد سب جمع ہو گئے۔ اس نے کہا اب اس چیز سے مایوس ہو جاؤ کہ حضور ﷺ کی امت شرک کی طرف لوٹے گی۔ ابن ابی شیبہ نے مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو جن آپ کو ملے جو آپ کی طرف انگارے پھینک رہے تھے۔ تو جبرئیل امین نے عرض کیا اے محمد ﷺ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیں:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا بَثَّ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ يَطْرُقُ اِلَّا طَارِقٍ يَطْرُقُ بِخَيْرٍ

یَارَحْمٰن۔

میں اللہ تعالیٰ کے مکمل تام کلمات کی پناہ چاہتا ہوں جن سے نیک اور برا تجاوز نہیں کر سکتے، ہر اس شر سے جو آسمان سے نازل ہو یا آسمان کی طرف بلند ہو، زمین میں جو کچھ پھیلا ہوا ہے اس کے شر سے اور جو اس سے نکلتا ہے اس کے شر سے اور رات اور دن کے شر سے اور ہر طارق کے شر سے مگر جو خیر لاتا ہے یارحمٰن۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بزی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ایک حبشی عورت منہ نوچتے ہوئے آئی اور ہلاکت ہلاکت پکار رہی تھی۔ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ ہم نے گھنگریالے بالوں والی ایک حبشی عورت دیکھی ہے جو منہ نوچ رہی ہے اور ہلاکت ہلاکت پکار رہی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ اب مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے شہروں میں اب بتوں کی پوجا کی جائے (1)۔ فتح مکہ کے روز ہی یہ حکم نازل ہوا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، چابی اسے دی، فرمایا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھو، ظالم کے سوا تجھ سے کوئی یہ نہ لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کی امانت سونپی ہے۔ اس گھر کی خدمت سے جو تمہیں حاصل ہو اس کو نیکی کے انداز میں کھاؤ۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی کہ جبرئیل امین آئے اور فرمایا جب تک یہ گھر قائم ہے اس کی ولایت اس کے خاندان میں رہے گی۔ چابی اور بیت اللہ کی دربانی آل عثمان میں رہی۔ چابی اس کے پاس ہوتی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو چابی اس کے بھائی شیبہ کو مل گئی۔ چابی اور بیت اللہ کی خدمت اس کے خاندان میں رہے گی حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں انیس دن رہے۔ آپ وہاں نماز میں قصر کرتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے سترہ دن تک رہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اٹھارہ دن رہے۔ ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ انیس دن اس صورت میں بنیں گے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے والے دن کو شمار کر لیا جائے۔ سترہ دن اس صورت میں بنیں گے جب ان دونوں کو شمار نہ کیا جائے اور اٹھارہ پہروں کا اعتبار کرتے ہوئے بنیں گے جو پندرہ دن کا قول کیا گیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصہ میں اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عربوں نے ایک دوسرے کو کہا جب محمد ﷺ نے اہل حرم پر غلبہ پالیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحاب فیل سے پناہ دی تھی۔ اب تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہونے لگے جبکہ اس سے پہلے وہ ایک ایک یا دو دو کر کے داخل ہوتے تھے مابعد فرمان کا یہی مفہوم ہے۔

یدخلون والا جملہ رایت کے مفعول الناس سے حال ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب رؤیت ابصار کے معنی میں ہو۔ اگر یہ علم کے معنی ہو تو یہ جملہ مفعول ثانی بنے گا۔ افواجا یدخلون کے فاعل سے حال ہوگا۔ مقاتل اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہاں الناس سے مراد یمن کے لوگ ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یمن والے رقیق القلب اور ایمان کے لئے سب سے نرم دل والے ہیں۔ حکمت یمنی ہے فخر اور تکبر اونٹ پالنے والوں میں ہے، سکون اور وقار بکریاں پالنے والوں میں ہے، متفق علیہ (4)۔ اذا کا جواب مابعد کلام ہے۔

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5، صفحہ 75 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 615 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 630 (وزارت تعلیم)

تو اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو، یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کہو۔ یہ کلمات خوش ہو کر اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کی حمد بیان کرتے ہوئے کہو کیونکہ کسی کے دل میں یہ گمان بھی نہ تھا کہ کوئی بزور بازو اس شہر میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل سے محفوظ رکھا تھا۔ حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کی بڑی عزت کی حضور ﷺ نے عاجزی کرتے ہوئے اپنا سر کجاوے کی لکڑی پر رکھ دیا۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ کا سر کجاوے کے درمیانی حصہ کو چھو رہا تھا اور اس کے قریب ہو رہا تھا۔ آپ یہ عمل تواضع کے طور پر کر رہے تھے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح اور مسلمانوں کی کثرت دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی اے اللہ زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اسے ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

تواضع کرتے ہوئے، اپنے نفس کو مطیع کرنے کے لئے، اپنے اعمال کی بخشش کے لئے اور جو آپ نے افضل عمل نہ کیا محض اسی وجہ سے کہ آپ نے امت پر شفقت کرنے کے لئے فاضل عمل کو ترجیح دی تھی اس کا ازالہ کرنے کے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کریں۔ یا اس کا معنی ہے اپنی امت کے لئے بخشش طلب کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر روز ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں(2)۔ ایک روایت میں ہے ستر سے زیادہ دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے سو دفعہ بخشش طلب کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری، امام نسائی، ابن ماجہ، طبرانی اور ابو یعلیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ، حضرت انس اور شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا پہلے تسبیح پھر حمد پھر استغفار یہ بطریق نزولی (1) ہے، یعنی خالق سے مخلوق کے ذکر کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہی دعا کا طریقہ ہے۔ نبی کے علاوہ جب کوئی دعا کرے تو اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دعا سے پہلے حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھے۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے بخشش طلب کرنے والوں کو پیدا کیا ہے وہ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس کی تلاوت کی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کی آپ نے تو اپنی وفات کی خبر دی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا بات وہی ہے جو تم نے کہی ہے(3)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت سے حضور ﷺ کے وصال کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دعوت کے مکمل ہونے اور دین کے مکمل ہونے پر دلالت موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یا استغفار کا حکم اس لئے دیا گیا کیونکہ آپ کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کا وقت قریب آ گیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بدری صحابہ میں شامل کرتے۔ بعض نے کہا آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں شامل کرتے ہیں جبکہ ہمارے بیٹے اس کی عمر کے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ ان میں سے ہے جنہیں تم خوب جانتے ہو۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے اور بدری صحابہ کو طلب فرمایا مجھے محض اس لئے بلایا کہ انہیں میری حیثیت بتائیں۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو

1۔ مستدرک حاکم، جلد 3، صفحہ 50 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 933 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 812 (دار الکتب العربیہ)
(1) پہلے اعلیٰ و برتر کا ذکر ہو پھر ادنیٰ کا ذکر ہو، مترجم۔

آپ نے کیا سمجھا؟ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس سے بخشش طلب کریں کیونکہ اس نے ہماری مدد کی اور ہمیں فتح عطا کی۔ بعض نے کہا ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے بعض نے کوئی بات نہ کی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عباس تم بھی وہی کہتے ہو جو انہوں نے کہا۔ میں نے کہا میں ایسا نہیں کہتا۔ آپ نے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا اس میں حضور ﷺ کے وصال کی خبر تھی۔ آپ کو بتا دیا گیا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہو جائے گی تو وہ آپ کے وصال کی علامت ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے میری موت کی خبر دی گئی ہے(2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نصر قرآن حکیم کا چوتھائی ہے(3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں اکثر یہ کلمات کہتے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ(4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ اکثر یہ کلمات کہتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ فرمایا۔ میرے رب نے مجھے خبر دی تھی کہ تم اپنی امت پر ایک نشانی دیکھو گے۔ جب تم اس نشانی کو دیکھو تو اس وقت کثرت سے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ کہنا تو میں نے وہ نشانی دیکھ لی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی طرف سے فتح آ گئی میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اللہ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے وہ تواب ہے(5)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے یہ بتا دیا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے تسبیح اور استغفار کا حکم دیا تا کہ زائد عمل صالح پر آپ کا خاتمہ ہو۔ قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضور ﷺ اس سورت کے نزول کے بعد دو سال تک دنیا میں رہے(6)، واللہ اعلم۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 743 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 742 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 192 (قدیمی)
6۔ تفسیر بغوی زیر سورت ہذا

سورۃ اللھب

اٰیاتھا ۵ ﴿ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ١١١ ﴾ رکوعھا ۱

سورۃ اللھب مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کیا اور انہیں ڈرایا(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین کے ہاں ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ صفا پر چڑھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ ﷺ نے پوچھا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ تو فرمایا میں تمہیں آنے والے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا تو ہلاک ہو(2)۔ کیا تو نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کے لئے ایک پتھر اٹھایا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

"ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا[1]۔ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا[2]۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں[3]۔ اور اس کی جورو بھی بدبخت ایندھن اٹھانے والی[4]۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہو گی[5]"

۱۔ تباب ایسے نقصان کو کہتے ہیں جو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ یدا ابی لھب سے مراد اس کی ذات ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہاتھوں کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس نے پتھر اٹھایا تھا تاکہ آپ کو مارے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے مراد مال اور اقتدار ہے کیونکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے فُلَانٌ قَلِيْلُ ذَاتِ يَدٍ فلاں کم مال والا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لھب کو ھاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ھاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابولہب اس کی کنیت تھی۔ اس کی وجہ اس کا حسن اور چہرے کا چمکدار ہونا ہے(3)۔ یہاں اس کی کنیت ذکر کی کیونکہ اس کا نام لینا ناپسند کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ جہنمی تھا اور اس کی کنیت اس کے حال کے موافق اور ذات لھب کے ہم وزن تھی۔ و تب کے الفاظ سے خبر

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 743 (وزارت تعلیم)   2۔ ایضاً   3۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

کے بعد خبر دی جا رہی ہے۔ مقصود تاکید بیان کرنا ہے یا پہلا کلمہ دعائیہ ہے اور دوسرا خبریہ ہے۔ ماضی کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب حضور ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو ابولہب نے کہا اگر وہ حق ہے جو میرا بھتیجا کہتا ہے تو میں اپنے بدلے میں اپنا مال اور اپنی اولاد فدیہ کے طور پر دے دوں گا اور بچ جاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

۲؎ اس میں ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے اور انکار کے لئے ہے یعنی اس نے جو مال جمع کر رکھا ہے وہ مال اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا یا وہ کونسی چیز ہے جس سے اس کا مال اسے بچائے گا یعنی کسی سے بھی نہیں بچا سکے گا۔ ابولہب بڑا مالدار تھا۔ ما کسب سے مراد مال اور اولاد ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک مرفوع روایت مروی ہے سب سے پاکیزہ چیز جسے تم کھاتے ہو وہ وہ ہے جو تمہاری کمائی ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے(2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن فرمایا ہے۔ اس کے بیٹے کو شام کے راستے میں شیر نے پھاڑ ڈالا تھا جس طرح ہم نے سورۃ النجم میں ذکر کیا ہے جبکہ ابولہب بدر کے واقعہ کے چند روز بعد مر گیا تھا۔ اسے ایک دانہ نکلا تھا۔ وہ تین دن اسی طرح پڑا رہا یہاں تک کہ اس سے بدبو آنے لگی۔ پھر گھر والوں نے حبشی غلاموں کو اجرت پر لیا تو انہوں نے اسے دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم کی دھمکی دی۔

۳؎ یہ جملہ مستانفہ ہے یا ما اغنی کی علت بیان کر رہا ہے۔ یہاں تمام قراء کا اتفاق ہے کہ لهب کے هاء پر فتحہ ہوگا کیونکہ قافیوں کی یہاں رعایت کی گئی ہے۔

۴؎ امراته کا عطف پوشیدہ ضمیر پر ہے جو سیصلی میں موجود ہے کیونکہ درمیان میں فاصلہ ہے اس لئے اسم ظاہر کا اسم ضمیر پر عطف تاکید کے بغیر بھی جائز ہے یا یہ مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا جو ابوسفیان کی بہن تھی۔

عاصم نے حمالة پر نصب پڑھی ہے۔ مقصود مذمت بیان کرنا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ ابن جریر نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے انہوں نے ہمدان کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے جسے یزید کے نام سے یاد کیا جاتا تھا کہ ابولہب کی بیوی حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے پھینکتی تھی تاکہ آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن منذر نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ قتادہ، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ چغل خور تھی اور باتیں ایک دوسرے تک پہنچاتی تھی اور دشمنی ڈال دیتی تھی۔ اس کی باتیں اسی طرح آگ بھڑکاتی تھیں جس طرح ایندھن آگ جلاتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ گناہوں کو اٹھانے والی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ۔(3)

۵؎ یہ امراته سے دوسری خبر ہے۔ جب اسے مبتدا بنایا جائے یا اس سے حال ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب امراته کو سیصلی کا حال بنایا جائے۔ حضرت ابن عباس اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا مسد اسے کہتے ہیں جسے بانٹا گیا ہو اور مضبوط کیا گیا ہو، خواہ وہ کسی چیز سے بھی ہو۔

اعمش نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مسد سے مراد لوہا ہے۔ شعبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ کھجور کے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 162 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

چھال کی بٹی ہوئی رسی تھی۔ یہ وہی رسی تھی جس میں وہ لکڑیاں لاتی تھی۔ ایک روز وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے تھی کہ وہ تھک گئی۔ اس نے آرام کرنے کے لئے ایک پتھر پر گٹھا رکھا، فرشتہ آیا اور پیچھے سے رسی کو کھینچ کر اسے ہلاک کر دیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایک ایسے درخت کی بنائی گئی رسی تھی جو یمن میں اگتا ہے جسے مسد کہتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے اس کا ہار مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ موتیوں کا ہار تھا جو اس کے گلے میں ہوتا تھا۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی گردن میں عمدہ ہار تھا۔ اس نے کہا میں اسے حضور ﷺ کی دشمنی میں خرچ کر ڈالوں گی۔ (1)

میں کہتا ہوں اگر حبل سے مراد وہ رسی ہے جو آخرت میں اس کے گلے میں ہوگی یا تو یہ امراتہ سے دوسری خبر ہوگی۔ اگر یہ مبتدا ہو یا اس سے حال ہوگا۔ اگر وہ سیصلی کا فاعل ہو اور حمالۃ الحطب بمعنی مذمت کے طور پر منصوب ہوگا۔ مقصود اس کی مذمت بیان کرنا ہوگا۔ فی جیدھا حبل من مسد کو حمالۃ الحطب کی ضمیر سے حال بنانا صحیح نہیں کیونکہ دونوں کا زمانہ ایک نہیں کیونکہ لکڑیاں اٹھانے کا عمل تو دنیا میں ہوا۔ ہاں اس صورت میں خالی ہوسکتا ہے کہ حمالۃ الحطب سے یہ مراد ہو کہ وہ جہنم میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گی۔ جس طرح زقوم اور ضریع وغیرہ یا جس کے ساتھ جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ یہ اس عمل کی جزا ہے جو وہ دنیا میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ دشمنی کی صورت میں کیا کرتی تھی۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ تاویل اسلاف سے منقول نہیں۔ اگر مراد یہ ہو کہ دنیا میں اس کی گردن میں رسی مراد ہے تو اس صورت میں یا تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی وہ ھی ہے یا امراتہ کی دوسری خبر ہوگی یا اس پوشیدہ ضمیر سے حال ہوگا جو حمالۃ الحطب میں ہے۔ اس میں پھر کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اس تاویل کی صورت میں یہ استعارہ مرشحہ ہوگا۔ یا اس لکڑیاں اٹھانے والی کی تصویر کشی ہوگی جو گٹھا اٹھاتی ہے اور رسی کو گردن میں باندھ لیتی ہے تاکہ وہ گٹھا سر سے نہ گرے۔ یہاں مقصود اس کی حقارت بیان کرنا ہے۔ پھر یہ کلام حقیقی معنی میں نہ ہوگی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ وہ اور اس کا خاوند بہت ہی مالدار اور صاحب ثروت لوگ تھے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۃ الاخلاص

آیاتہا ۴ | سورۃ الاخلاص مکیۃ ۱۱۲ | رکوعہا ۱

سورۃ الاخلاص مکی ہے اس میں ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

امام ترمذی، امام حاکم اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(1)۔ طبرانی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان میں کعب بن اشرف اور حی بن اخطب تھا۔ انہوں نے عرض کی جس رب نے تمہیں مبعوث کیا ہے اس کی ہمارے سامنے صفت بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا(2)۔ ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اور ابن منذر نے سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کیا ہے کہ یہود کے علماء حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے سامنے اپنے رب کی صفات بیان کرو شائد ہم آپ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اپنی نعت بیان کی ہے ہمیں بتائیں وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ کیا وہ کھاتا پیتا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے اور اس کا وارث کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العظمۃ میں ابان کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خیبر کے یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، انہوں نے کہا اے ابو القاسم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حجاب کے نور سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیس دار مٹی سے پیدا کیا، ابلیس کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا، آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کی جھاگ سے پیدا کیا، ہمیں اپنے رب کے بارے میں بتایئے وہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جبرئیل امین آئے اور یہ سورت پیش کی(3)۔ ان روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سورت مدنی ہے۔ ابن جریر نے ابو العالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ قبیلوں کے سرداروں نے کہا ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کریں تو جبرئیل امین یہ سورت لائے(4)۔ اس روایت کی بناء پر تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورت مدنی ہے اور ابی بن کعب کی روایت میں مشرکین سے مراد قبائل کے سردار ہیں۔ شاید یہودیوں اور غزوۂ احزاب میں

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 172 (وزارت تعلیم)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 705 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 704 (العلمیہ)
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 269 (الامیریہ)

شریک قبائل کے سرداروں نے حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا تھا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوظبیان سے اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر نے کہا اے محمد ﷺ آپ ہمیں کس کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ اس نے پوچھا ہمارے سامنے اس کے اوصاف بیان کیجئے، کیا وہ سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے؟ تو یہ سورت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اربد کو آسمانی بجلی اور عامر کو طاعون کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

"(اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے، یکتا[1] اللہ صمد ہے[2] نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا[3] اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے[4]"

[1] قل سے خطاب حضور ﷺ کی ذات کو ہے۔ ھو ضمیر یا تو ضمیر شان ہے اور مابعد جملہ اس کی خبر ہے۔ ضمیر عائد ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں کیونکہ وہ بھی ھو ہی ہوتی یا یہ ضمیر اس ذات کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا تھا لفظ اللہ اسم جلالت مبتدا کی خبر ہے۔ احد لفظ اللہ اسم جلالت سے بدل ہے یا دوسری خبر ہے۔ اصل میں یہ وحد تھا جو واحد کے معنی میں ہے۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قل ھو اللہ لو احد ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طرح قرأت کی۔ جب کلام کی تعبیر یوں کی جائے کہ ھو ضمیر شان ہے اور اللہ احد مبتدا خبر ہے تو کلام اپنے ظاہر معنی میں نہ ہوگی کیونکہ لفظ اللہ جز حقیقی کا نام ہے جو ایک ہی ہو سکتا ہے جس کا صدق کثیر افراد پر فرض کرنا ممتنع ہے۔ جس طرح زید کا صدق کثیر افراد پر ممتنع ہے تو اس صورت میں استدراک لازم آئے گا اور کلام فائدہ نہ دے گی۔ پس ضروری ہے کہ لفظ اللہ سے کلی معنی مراد لیا جائے، یعنی وہ مستحق عبادت ہے اور اس کا صدق ذات واجب الوجود کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے جبکہ عبادت کا استحقاق اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتا جب تک وہ کسی کو عدم سے وجود عطا نہ کرے اور اس کے لوازمات کا فیضان نہ کرے اور اس فیضان کا تصور ذات واجب الوجود سے ہی ممکن ہے جو صفات کمال سے متصف ہے جس کے لئے نقص کی صفات اور زوال ممتنع ہو اور وہ اپنی ذات کی حقیقت اور صفات میں ممکنات سے الگ تھلگ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی غیر کو وجود عطا کرنا اس امر کے تابع ہے کہ اس کا اپنا وجود ذاتی نفسہ ہو۔ جب اس کا وجود ذاتی نفسہ نہ ہو تو وہ غیر کے وجود کا تقاضا کیسے کر سکتا ہے، خواہ غیر جوہر ہو، عرض ہو یا بندے کا فعل ہو۔ اس معنی میں وجود (جو غیر کا مرہون منت ہے)، نقص، زوال اور ممکنات کے ساتھ مشابہت واجب الوجود اور استحقاق عبادت کے منافی ہے۔ پھر اس جملہ کا معنی یہ ہوگا وہ علی الاطلاق مستحق عبادت ہے، وہ اپنی ذات کی وجہ سے قائم ہے، وہ صفات کاملہ سے متصف ہے، اس پر نقص اور زوال ممتنع ہے، وہ واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس تعبیر میں کلام مکمل فائدہ دے گی، مگر اس تاویل کی صورت میں جواب سوال کے مطابق نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے یہ سوال نہ کیا تھا کہ وہ ایک ہے یا زیادہ ہیں کیونکہ حضور ﷺ تو علی الاعلان توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور حضور کا یہ قول تھا لا الہ الا اللہ بلکہ وہ حقیقت ذاتیہ کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ہمارے سامنے رب کی صفات بیان کرو، جس نے تمہیں مبعوث کیا ہے کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے۔ اسی طرح اگر ضمیر مسئول عنہ کی طرف لوٹے تو پھر بھی جملہ کا یہ معنی کرنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک ہے زیادہ نہیں کیونکہ وہ سوال کے مطابق نہیں۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں احد سے یہ مراد لینا

واجب ہوگا کہ وہ مرکب اور متعدد ہونے سے پاک ہے۔ اسی طرح جسم ہونے اور کسی مکان میں ہونے سے بھی پاک ہے اور حقیقت میں کسی شے کے ساتھ شریک ہونے سے بھی پاک ہے، صفات کمال میں کسی صفت میں کسی شے کے ساتھ مشابہت سے بھی پاک ہے۔ جب کوئی بھی ذات میں اور صفت میں اس کے مشابہ نہیں تو نہ اس کا کوئی ند ہے اور نہ ضد اور نہ ہی اس کی کوئی مثل ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی احدیت اور کسی کا اس کے ساتھ صفت میں شریک نہ ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وجود میں بھی اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو کیونکہ وجود تمام صفات کی اصل ہے حیات تمام صفات علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع اور تکوین کا مبدا ہے اور حیات وجود کی فرع ہے۔ وجود مصدر کے حکم میں ہے اور حیات اس سے مشتق کی طرح ہے جو اس پر مرتب ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء نے لا الہ الا اللہ کا معنی لا موجود الا اللہ کیا ہے کیونکہ حقیقت میں موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے باقی جتنی بھی ممکنات ہیں سب اس کے وجود کی وجہ سے موجود ہیں۔ ان کے وجود کی حیثیت وہی ہے جس طرح سایہ ہوتا ہے۔ پس ہر شے کا وجود وجود حقیقی کے لئے سایہ کا درجہ رکھتا ہے۔ علم، قدرت اور تمام دوسری صفات کا بھی یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں موجود ہے، باقی کوئی چیز بھی فی نفسہ متحقق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ ممکنات کی جتنی بھی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ محض نام میں مشترک ہیں۔ وہاں حقیقت میں کوئی اشتراک نہیں۔ جو آدمی صوفیاء کا کلام نہیں سمجھ سکتا اس پر لازم ہے کہ ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تا کہ ان پر حق واضح ہو جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید اور مستحق عبادت ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ خبردار یہ لوگ اس کی ملاقات سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، خبردار وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ایک جملہ میں ذات اور صفات کی تمام مباحث کی طرف اشارہ موجود ہے۔ قل کے کلمہ میں نبوت اور تبلیغ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت کا اعجاز نبوت پر شاہد ہے اسی وجہ سے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایسا کلام ہے جو بڑی بڑی ضخیم جلدوں سے غنی کر دیتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا غیر ذات اس کلام میں کوئی دلیل نہیں اور نہ اس بحث سے کوئی دینی غرض وابستہ ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فلسفہ کی یہ بحثیں انسان کو ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ جب انسان کو روح کے بارے میں معمولی علم عطا کیا گیا ہے جبکہ روح بھی مخلوق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ اس سے بحث کرنا شرک کرنا ہے جبکہ اس تک رسائی حاصل کرنے کا طریقہ صرف معیت ہے کوئی اور راستہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ آپ ﷺ سخت غصے ہو گئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، گویا آپ کے رخسار پر دو انار توڑ دیئے گئے ہیں۔ فرمایا کیا تمہیں اس چیز کا حکم دیا گیا، کیا مجھے اس لئے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلی قومیں بھی اس وقت ہلاک ہو گئیں جب انہوں نے اس معاملہ میں آپس میں جھگڑا کیا۔ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں آپس میں نہ جھگڑنا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی مثل عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔

2۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جسے کوئی خوف نہیں(2)۔ ابن

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 35 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

جریر نے بریدہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ میرا خیال ہے انہوں نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں شاید یہ مجاز ہے اس ذات سے جو عقل و وہم سے ماوراء ہے اور جہاں تک عقل نہیں پہنچ سکتی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد وہ ذات ہوتی ہے جو نہ کھائے اور نہ پیئے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی تفسیر مابعد کلام ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابووائل شقیق بن سلمہ نے کہا صمد ایسے سردار کو کہتے ہیں جس پر سرداری ختم ہو جائے۔ ابو طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یہی کی ہے، یعنی ایسی ذات جس میں تمام سرداریاں جمع ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے صمد اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ سردار ہے جس کا تمام ضروریات میں قصد کیا جاتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جو مخلوق کے فناء ہونے کے بعد بھی باقی رہے۔ ایک قول یہ ہے ایسا سردار جس کا پسندیدہ چیزوں میں قصد کیا جائے اور مصائب میں اس سے مدد لی جائے۔ کہتے ہیں صَمَدْتُهٗ اس وقت کہتے ہیں جب تو ان کا قصد کرے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جو مخلوق کے فناء ہونے کے بعد باقی رہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جس سے برتر کوئی نہ ہو۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیع نے کہا صمد اسے کہتے ہیں جسے آفات لاحق نہ ہوں۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس میں کوئی عیب نہ ہو(1)۔ میں کہتا ہوں اس کا حقیقی معنی یہ ہے جو مقصود ہو۔ قاموس میں ہے الصمد جس کا معنی قصد کرنا ہے جب میم پر زبر ہو تو اس کا معنی سردار ہے کیونکہ لوگ اس کا قصد کرتے ہیں۔ اس پر الف لام اس لئے داخل کیا کیونکہ وہ بے نیازی کے اعلیٰ اور اکمل ترین درجہ پر فائز ہے کیونکہ لوگ اپنی فاسد رائے اور مرتبہ حق الیقین پر فائز نہ ہونے کی وجہ سے کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی چھوڑ کر دنیا اور اس کی چیزوں کا بھی قصد کرتے ہیں۔

ہم نے اسلاف کے جو اقوال بھی ذکر کئے وہ صمد کے معنی کے لوازمات ہیں کیونکہ مقصود حقیقت میں وہ ہوتا ہے کہ ہر دوسری چیز اس کی محتاج ہو لیکن وہ کسی چیز میں بھی غیر کا محتاج نہ ہو تو وہ لازماً تمام کمالات، ہر قسم کی سرداری کو جامع ہو، عیوب اور لاحق ہونے والی آفات سے پاک ہو، کھانے پینے کا محتاج نہ ہو، وہ قدیم ہو، اسے کسی نے نہ جنا ہو، وہ کسی کے جنس سے تعلق نہ رکھتا ہو کہ اس سے کوئی مثل پیدا ہو، اس سے برتر کوئی نہ ہو بلکہ اس کی مثل بھی کوئی نہ ہو تو وہ لازماً ایسا ہی ہوگا کہ کسی کا فہم اور ادراک اس تک نہ پہنچے گا۔ جب سابقہ جملہ اس جملہ اور بعد والے جملوں سے غنی ہے تو یہ جملہ اور بعد والا جملہ پہلے جملہ کے لئے تاکید کی طرح ہے۔ یہ اہتمام کی زیادتی کے لئے لائے گئے ہیں جس طرح عام کے بعد خاص کو ذکر کیا جاتا ہے۔ مقصود پاکی بیان کرنے میں مبالغہ کرنا ہے اور جو مخاطب منکر و مشرک ہیں اور غیر اللہ کا قصد اور عبادت کرتے ہیں ان کا صریح رد کرنا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مشرک اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹوں اور بیٹی کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس جملہ اور بعد والے جملوں میں حرف عطف ذکر نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مکرر ذکر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف نہ ہو وہ عبادت کی مستحق نہیں ہو سکتی اور مقصود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور نہیں ہونا چاہئے۔

اسی وجہ سے صوفیاء کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللّٰہ کا معنی ہے لا مقصود الا اللّٰہ اور انہوں نے یہ کہا جو تیرا مقصد ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے حد درجہ عاجزی کرتا ہے جبکہ عبادت کا معنی بھی حد درجہ کی عاجزی ہوتی ہے۔ صوفیاء

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کرام جب نفی اور اثبات کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر کے مقصود ہونے کی نفی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور اس میں حد درجہ کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دلوں سے غیر اللہ کے کسی بھی اعتبار سے مقصود ہونے کا تصور نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

؎ مشرکوں نے جس طرح گمان کیا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہود یوں نے گمان کیا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور انہوں نے گمان کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ بات اس طرح نہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں جنا کیونکہ اس کی جنس ہونا محال ہے اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اسے کسی نائب کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے احتیاج اور فنا محال ہے۔ اسے ماضی کے لفظ سے تعبیر کیا اگر چہ اس کی اولاد کا نہ ہونا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ اصل میں ان کے قول کا رد ہے۔ نیز اس لئے بھی ماضی کا صیغہ ذکر کیا تا کہ مابعد کلام کے مطابق ہو جائے وہ کسی کی اولاد اس لئے نہیں کیونکہ حادث ہونا الوہیت کے منافی ہے۔

؎ اس کا کوئی ہم پلہ نہیں حفص رحمۃ اللہ علیہ نے کفوا کو کاف کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فاء کے سکون اور وصل میں ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب اس پر وقف ہوگا تو ہمزہ کو واؤ مفتوحہ سے بدل دیں گے تا کہ خط کا اتباع ہو جائے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی حرکت فاء کو دے دی جائے جبکہ باقی قراء نے فاء کے ضمہ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ احد یکن کا اسم ہے اور کفوا اس کی خبر ہے اور ظرف کفوا کے متعلق ہے۔ خبر کو اسم پر مقدم کیا اور ظرف کو خبر پر مقدم کیا۔ مقصود اہتمام کرنا ہے کیونکہ یہاں مقصود اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے اور مکافات (برابری) کی نفی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آیات کے حرفوں کی رعایت کی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صرف اس ضمیر سے حال ہو جو کفوا میں پوشیدہ ہے یا ظرف خبر ہو اور کفوا احد سے حال ہو۔ ان تین جملوں میں حرف عطف ذکر کیا کیونکہ یہاں مقصود اس کی مثل ہونے کی نفی اور جن چیزوں سے وہ اس کی صفت بیان کرتے تھے اس سے پاکی بیان کرنا ہے۔ اس لئے یہ تینوں جملے ایک جملہ کے حکم میں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابن آدم نے میری تکذیب کی جب کہ اسے یہ حق نہیں تھا اس نے مجھے گالیاں دی جبکہ اسے یہ حق حاصل نہیں تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوسری دفعہ پیدا کرنے سے آسان نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ میں احد اور صمد ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ ہی مجھے کسی نے جنا اور نہ ہی میرا کوئی شریک ہے۔(1)

فصل: ۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایک اس امر سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں قرآن کا تیسرا حصہ پڑھے۔ لوگوں نے عرض کی ایک آدمی قرآن کا تیسرا حصہ کیسے پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ یہ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(2)۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کی مثل حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے جسے ہم نے سورۂ زلزال میں روایت کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو ایک چھوٹے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا جو اپنے ساتھیوں کو جب نماز پڑھاتا تو سورۂ اخلاص پڑھتا۔ جب یہ صحابہ واپس آئے تو حضور ﷺ کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 744 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 271 (قدیمی)

بارگاہ اقدس میں ذکر کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس سے پوچھو کہ تو ایسا کیوں کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا، تو اس نے جواب دیا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے اور میں پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے خبر دے دو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اس سورت کو پسند کرتا ہوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرا اس صورت کو پسند کرنا تجھے جنت میں داخل کر دے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ہم معنی روایت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کی کیا واجب ہوگئی فرمایا جنت(3)۔ اسے امام مالک، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے دائیں پہلو کے بل سوئے پھر سو دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے اپنی دائیں طرف جنت میں داخل ہو جا(4)۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن غریب ہے۔ آپ (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہی ایک روایت مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے دن میں سو بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سورت پڑھی تو اس کے پچاس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں مگر قرض باقی رہتا ہے(5)۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں پچاس دفعہ کا ذکر ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ اس پر قرض ہو۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرسل روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ گیارہ دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے، جس نے بیس دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں دو محل بنائے جاتے ہیں، جس نے تیس دفعہ پڑھی اس کے لئے جنت میں تین محل بنائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ہمارے تو پھر محل بہت زیادہ ہوں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا احسان اس سے بھی بہت وسیع ہے(6)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 271 (قدیمی) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 114 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم) 6۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 190 (وزارت تعلیم)

سورۃ الفلق

آیاتها ۵ — سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۱۱۳ — رکوعها ۱

سورۃ الفلق مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ابوصالح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سخت بیمار ہو گئے، دو فرشتے آئے، ایک آپ کے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی جانب بیٹھ گیا۔ جو پاؤں کی جانب بیٹھا ہوا تھا اس نے سر کی جانب بیٹھنے والے سے کہا تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا بیمار ہیں تو پاؤں کی جانب بیٹھنے والے نے سوال کیا انہیں کیا بیماری ہے، اس نے جواب دیا انہیں جادو ہے۔ اس نے پوچھا کس نے انہیں جادو کیا؟ تو اس نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے جادو کیا ہے۔ اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو سرہانے بیٹھنے والے فرشتے نے جواب دیا جادو ایک تسمہ میں کیا گیا ہے جو فلاں کنویں میں ایک پتھر کے نیچے ہے تم ان کنویں کے پاس جاؤ، پانی نکالو، پتھر اٹھاؤ، پھر اس کھجور کے گابھے کو نکالو اور اسے جلا ڈالو۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے عمار بن یاسر کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ وہ اس کنویں کے پاس آئے تو اس کا پانی اس طرح تھا جس طرح مہندی کا پانی ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے چٹان اٹھائی، اس گابھے کو نکالا اور اسے جلا دیا۔ اس میں ایک باریک ریشہ تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی حوالے سے حضور ﷺ پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ جب آپ ﷺ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی۔ دو سورتوں سے مراد قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہے۔(1)

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ابوجعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ پر کچھ عمل کیا تھا جس وجہ سے حضور ﷺ کو سخت درد لاحق ہو گیا۔ حضور ﷺ کے صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے گمان کیا کہ آپ کو کوئی مرض لگا ہے۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور دونوں سورتیں پیش کیں۔ حضور ﷺ نے دونوں کے ساتھ دم کیا(2) تو حضور ﷺ ٹھیک ٹھاک صحابہ کے پاس تشریف لے آئے۔ صحیحین میں اس کی شاہد ہے، اس میں سورت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ ایک یہودی غلام حضور ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ یہودیوں نے خفیہ سازش کی۔ وہ اس کے پیچھے پڑے رہے یہاں تک کہ اس نے حضور ﷺ کی کنگھی کے بال اور کنگھی کے چند دندانے حاصل کر لئے اور یہودیوں کو دے دیئے جنہوں نے جادو کیا۔ اس کام کی ذمہ داری لبید بن اعصم نے اپنے ذمہ لی جو ایک یہودی تھا۔ تو یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 6، صفحہ 248 (العلمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 717 (العلمیہ)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ بیمار ہوئے یہاں تک کہ طبیعت یوں ہوگئی کہ آپ خیال کرتے تھے کہ میں نے یہ کام کرلیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے پوچھا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی وہ کیا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی، بالوں اور نر کھجور کے گابھے پر۔ پہلے نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ دوسرے نے کہا وہ بنی زریق کے ذروان کنویں میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس تشریف لائے تو فرمایا اللہ کی قسم اس کا پانی ایسا تھا جیسے اس میں مہندی ڈالی گئی ہو اور اس کی کھجوریں ایسی تھیں جیسے شیاطین کے سر ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس سے نکال کیوں نہیں لیا۔ فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ اس لئے میں نے ناپسند کیا کہ میں لوگوں کو ایک فتنہ میں ڈال دوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ وہ کنویں میں پتھر کے نیچے تھا۔ صحابہ نے اس پتھر کو اٹھایا تھا اور نیچے سے نر کھجور کا گابھا نکالا تھا تو اس میں سر کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے تھے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یزید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کیا۔ حضور ﷺ اس وجہ سے بیمار ہوگئے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے، کہا ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور آپ کے لئے گرہیں لگائی ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جنہوں نے اسے نکالا۔ جب وہ کوئی گرہ کھولتے تو حضور ﷺ کو تکلیف میں کمی آجاتی۔ حضور ﷺ یوں اٹھے گویا پھندے سے آزاد کیا ہو۔ آپ نے اس یہودی کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کے منہ پر کچھ کہا۔

ابن مردویہ اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر حضور ﷺ پر جادو کیا پھر اسے کنویں میں دبا دیا جس وجہ سے حضور ﷺ بیمار ہوگئے تو معوذتیں نازل ہوئیں۔ جبرئیل امین نے جادو کی جگہ کے بارے میں بتایا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، وہ اسے لے آئے۔ حضور ﷺ نے دونوں سورتیں اس پر پڑھیں، گویا جب بھی آپ آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور آپ کو کچھ آسودگی نصیب ہوتی۔ ایک روایت یہ بھی کی گئی کہ حضور ﷺ چھ ماہ تک اس مرض میں مبتلا رہے اور تین دن سخت تکلیف میں گزارے تو یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ جبرئیل امین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی آپ ﷺ بیمار ہیں؟ فرمایا ہاں۔ تو جبرئیل امین نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں ہر ایک چیز سے جو آپ کو اذیت دیتی ہے، یعنی ہر نفس اور حاسد کی نظر کے شر سے بچنے کے لئے اللہ آپ کو شفا دے اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔ (1)

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 219 (قدیمی)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

''آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی[1] ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا[2] اور (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے[3] اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں[4] اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے[5]''

[1] بِرَبِّ الْفَلَقِ سے مراد صبح پھوٹنے کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ یہ جابر بن حسن، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فالق الاصباح(1)۔ ایک قول یہ کیا کہ اس کا معنی ہے دانے اور گٹھلی کو کونپل سے، بادل کو بارش سے، زمین کو چشموں سے اور رحم کو بچے سے پھاڑنے والے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مخلوق ہے(2)۔ والبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے جبکہ مشہور پہلا معنی ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایک روایت ہے کہ فلق سے مراد جہنم میں ایک قید خانہ ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جہنم میں ایک وادی ہے(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک ڈھکا ہوا گڑھا ہے(4)۔ ابن جریر اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد الجبار خولانی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس دمشق میں ایک صحابی رسول تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ کس طرح دنیا میں منہمک ہیں فرمایا یہ تو انہیں کچھ نفع نہ دے گا کیا ان کے آگے فلق نہیں؟ لوگوں نے پوچھا فلق کسے کہتے ہیں تو آپ نے جواب دیا یہ جہنم میں ایک گڑھا ہے جب اسے کھولا جائے گا تو جہنمی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرو بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فلق جہنم میں ایک کنواں ہے۔ جہنم اس سے اس طرح تکلیف محسوس کرے گی جس طرح انسان جہنم سے اذیت محسوس کرتے ہیں(5)۔ اس کے اوپر ڈھکنا ہے جب ڈھکنا ہٹا دیا جاتا ہے تو اس سے آگ نکلتی ہے تو اس آگ کی وجہ سے جہنم بھی چیخ اٹھتی ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے کعب رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ فلق جہنم میں ایک گھر ہے۔ جب اسے کھولا جائے گا تو اس کی گرمی کی شدت سے جہنمی چیخ اٹھیں گے(6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن علی سے وہ اپنے معزز آباء و اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم کی گہرائی میں ایک گڑھا ہے(7)۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پناہ حاصل کرنے کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ جہنم اور فلق (جو جہنم کا سخت ترین جزء ہے) شدید ترین مصیبتیں ہیں اور بہت بڑا اثر ہیں۔ جب ان کا خالق انہیں دور کر سکتا ہے تو تمام دوسری مصیبتوں کو بھی دور کر سکتا ہے۔ اگر فلق کا معنی صبح کیا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ صبح بھی مصیبتوں کو دور کرتی ہے خصوصاً جو رات کی تاریکی کی وجہ سے متحقق ہوتی ہیں۔ جب صبح مصیبتیں اور تکالیف دور کرتی ہے تو صبح کا رب ہر قسم کی مصیبت کو ختم کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ذکر تمام مصیبتوں کو ختم کرنے کا باعث ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا
5۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　6۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا　7۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

2۔ ماخلق سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ کوئی ممکن شر سے خالی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدم ہر ممکن کی ماہیت میں داخل ہے مگر جب بھی کوئی ممکن اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی تجلیات سے جگمگا جاتا ہے تو اس کا شر زائل ہو کر خیر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے وہ مجھے خیر کا ہی مشورہ دیتا ہے (1)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت کریمہ میں صرف عالم خلق کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ عالم امر سراسر خیر ہے اور عالم خلق کا شر یا تو انسان اختیاری ہے جو اپنی ذات تک محدود رہتا ہے جیسے کفر یا ایسا اختیاری ہے جو دوسروں تک بھی پہنچتا ہے، جیسے ظلم، یا عالم خلق کا شر طبعی ہے جیسے آگ کا جلانا اور زہر کا ہلاک کرنا۔

3۔ غسق کا معنی بھر جانا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ اس وقت تک جب رات تاریکی سے بھر جائے۔ جب آنکھ آنسوؤں سے بھر جائے تو کہتے ہیں غَسَقَ الْعَیْنُ۔ جب چاند مکمل ہو جائے تو کہتے ہیں غَسَقَ الْقَمَرُ۔ قاموس میں غاسق سے مراد چاند ہے اور رات ہے جب شفق غائب ہو جائے۔ غسوق اور اغساق کا معنی تاریکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی بہنا ہے جیسے غسق اللیل، یعنی اس کی تاریکی بہہ پڑی۔ غسق العین اس کا آنسو بہہ پڑا۔ غسق القمر اس کی رفتار تیز ہوگئی۔ ایک قول یہ کیا گیا غسق کا معنی ٹھنڈک ہے۔ رات کو غاسق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ دن کے مقابلہ میں ٹھنڈا ہوتا ہے اور چاند کو غاسق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ سورج سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے چاند کو زمہریر کہتے ہیں۔ یہاں غاسق سے مراد چاند ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا تو چاند کی طرف دیکھا فرمایا اِسْتَعِیْذِیْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس تقدیر کی بناء پر وقب کا معنی ہوگا۔ جب اس کی روشنی کم ہونے لگے اور وہ غائب ہو جائے کیونکہ چاند کی روشنی اسی وقت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے جب وہ پہلے مکمل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے رات مراد ہے جب وہ آرہی ہو اور اس کی تاریکی دن کی روشنی میں داخل ہو رہی ہو (2)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ثریا ہے جب وہ گرے۔ عرب کہتے ہیں جب ثریا گر رہا ہو تو مصائب زیادہ ہوتے ہیں، جب بلند ہو رہا ہو تو مصائب اٹھ جاتے ہیں۔

4۔ نفاثات سے مراد جادوگر مرد ہیں یا جادوگر عورتیں ہیں جو دھاگے کی گرہوں میں پھونکے مارتے ہیں جب وہ حضور ﷺ پر جادو کرتے ہیں۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لبید کی بیٹیاں لبید کے کہنے پر ایسا کرتی تھیں۔ (3)

5۔ جب وہ حسد ظاہر کرے اور حسد کے مطابق تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے۔ یہ قید اس لئے ذکر کی کیونکہ سب سے پہلے حسد کا نقصان حاسد کی ذات کو ہوتا ہے کیونکہ وہ غیر کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے اور جس سے حسد کیا جا رہا ہوتا ہے اسے نقصان نہیں ہوتا۔ پہلے عام کا ذکر کیا یعنی فرمایا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ پھر ان چیزوں کو ذکر کیا تو یہ اسی طرح ہے جس طرح عام کے بعد خاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس تخصیص کی حکمت یہ ہے کیونکہ یہ تینوں چیزیں اس شر میں داخل تھیں جو حضور ﷺ کو پہنچانے کی کوشش کی گئی، یعنی حضور ﷺ پر جادو کیا گیا جنوں کے شیطان یعنی ابلیس کا وسوسہ بھی تھا اور انسانوں کے شیطان، یعنی لبید بن اعصم کا کردار بھی تھا۔ نفاثات کو جمع

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 376 (قدیمی)   2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا   3۔ ایضاً

ذکر کیا جبکہ اس پر الف لام عہدی ہے جبکہ غاسق اور حاسد کو مفرد اور نکرہ ذکر کیا کیونکہ جب پناہ طلب کی جارہی ہے تو اس وقت لبید کی بیٹیاں تو معین ہیں جبکہ غاسق اور حاسد معین نہیں کیونکہ یہاں مقصود ہر حاسد اور غاسق کے شر سے پناہ چاہنا ہے کیونکہ حضور ﷺ کے حاسد تو شمار سے بھی باہر ہیں اور وہ ہمیشہ حسد کرنے والے تھے تو ان کے شر سے اس طرح پناہ مانگی کہ مستقبل میں بھی امن حاصل ہو۔ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پڑھتا ہوں فرمایا سورۂ فلق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنے والی کوئی سورت نہیں (1)۔ اسے امام احمد، امام نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 158 (دار الحدیث)

سورۃ الناس

آیاتہا ۶ — سورۃ الناس مکیۃ ۱۱۴ — رکوعہا ۱

سورۃ الناس مکی ہے، اس میں ایک رکوع اور چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۠

"(اے حبیب) عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی [1] سب انسانوں کے بادشاہ کی [2] سب انسانوں کے معبود کی [3] بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے [4] جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں [5] خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے [6]"

[1] اے محمد ﷺ کہو میں پناہ مانگتا ہوں رب الناس کی۔ یہاں رب سے مراد خالق، تربیت کرنے والا اور امور درست کرنے والا ہے۔

[2] مَلِكِ النَّاسِ یعنی ان کا مالک اور امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔

[3] اِلٰهِ النَّاسِ یعنی لوگوں کا معبود ہے۔ مَلِكِ النَّاسِ اور اِلٰهِ النَّاسِ دونوں رب الناس کا عطف بیان ہیں کیونکہ لفظ رب کا اطلاق کبھی والد اور کبھی گھر کے مالک پر ہوتا ہے۔ نیز عام مالک پر بھی ہوتا ہے جبکہ وہ نہ ملیک ہوتا ہے اور نہ ہی معبود ہوتا ہے۔ ملک کا اطلاق کبھی بادشاہ پر ہوتا ہے جبکہ وہ معبود اور مستحق عبادت نہیں ہوتا۔ الناس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات اور آپ کے پیروکار ہیں۔ جب وہ ہر چیز کا رب، ملک اور الٰہ ہے تو ناس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی شرافت کا اظہار ہو ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کو اس لئے نازل کیا تا کہ حضور ﷺ اور آپ کے غلاموں سے جادو اور اس جیسے شر کو دور کیا جائے کیونکہ جو رب، مالک اور الٰہ ہو اس کا حق بنتا ہے کہ مربوب، مملوک اور عابد کو ہر شے سے محفوظ رکھے۔

غوث الثقلین نے فرمایا:

ترجمہ: کیا مجھے ذلت پہنچ سکتی ہے	جب تو میرا مددگار ہے
کیا دنیا میں مجھ پر ظلم کیا جا سکتا ہے	جبکہ تو میرا مددگار ہے

جب چراگاہ کی حفاظت کرنے والا قادر ہو تو اس کے لئے یہ عار کا باعث ہے کہ میدان میں اونٹ کا ڈھنگا گم ہو جائے۔

کفار بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مربوب (جن کی پرورش کی جا رہی ہو) اور مملوک ہیں لیکن جب وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتے تو وہ

حمایت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب (۱) میں فرمایا اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ یہاں الناس کے لفظ کو مکرر ذکر کیا حالانکہ ضمیر سے کام چل سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عطف بیان اصل میں وضاحت کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اسم ظاہر ذکر کرنے میں زیادہ وضاحت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں حضور ﷺ اور آپ کے متبعین کے شرف کا اظہار بھی ہے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب سابقہ سورت میں بدن کو لاحق ہونے والی مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا سوال تھا جبکہ ایسی مصیبتیں انسان اور دوسری جاندار چیزوں کو لاحق ہو سکتی ہیں جبکہ اس سورت میں ان مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کا سوال ہے جو نفوس بشریہ کو لاحق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں مضاف الیہ عام تھا جبکہ یہاں یہ خاص ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی میں انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے والوں کے شر سے ان کے اس رب کی پناہ چاہتا ہوں جو ان کے امور کا مالک ہے اور ان کی عبادت کا مستحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الناس کا تکرار اس لئے ہے کیونکہ پہلے الناس سے مراد بچے ہیں جس پر لفظ رب کا معنی دلالت کرتا ہے۔ دوسرے لفظ الناس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے جوان ہیں۔ ملک کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ملک میں سیاست کا مفہوم موجود ہے۔ تیسرے لفظ ناس کا مطلب وہ شیوخ ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لو لگا کر بیٹھے ہیں۔ لفظ الٰہ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس لفظ میں عبادت کا مفہوم موجود ہے۔ چوتھے لفظ ناس سے مراد صالح لوگ ہیں کیونکہ شیطان ان کی دشمنی کا حریص ہوتا ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد فسادی لوگ ہیں کیونکہ اس کا عطف ایسے اسم پر ہے جس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ مومنوں کے بچوں اور صالح لوگوں کے ذکر میں رحمت کی طلب اور عذاب کو دور کرنے کی تمنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوزہ پشت بوڑھے نہ ہوتے، دودھ پینے والے بچے نہ ہوتے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب بارش کی طرح برستا۔ اسے ابویعلی، بزار اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک مرسل روایت اس کی شاہد ہے۔ اسے ابونعیم نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ الخ اگر مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس نظم میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس پر قادر ہے اور یہ اس کے لئے ممنوع نہیں۔ نیز اس میں اس امر کا بھی شعور دلایا گیا ہے کہ عارف کے مراتب کیا ہیں کیونکہ جب وہ اپنے اوپر ظاہری اور باطنی نعمتیں دیکھتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے پھر غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ وہ ہر شے سے غنی ہے، ہر چیز اس کی ملک میں ہے اور تمام امور میں تصرف اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پس وہی حقیقی بادشاہ ہے پھر وہ یہ استدلال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے۔

یہ وسواس وسوسہ کے معنی میں ہے۔ یہ مخفی آواز ہوتی ہے جس کا مفہوم دل تک پہنچ جاتا ہے لیکن آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ زلزال کے وزن پر ہے۔ یہاں اس سے مراد شیطان ہے۔ مبالغہ کے طریقہ پر وسواس کا ذکر کیا۔ یا یہاں مضاف مقدر ہے جو ذو ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا خناس یہ وسواس کی صفت ہے۔ اس سے مراد شیطان ہے کیونکہ اس کی عادت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ہر آدمی کے دل میں دو گھر ہیں، ایک میں فرشتہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو

(۱) شاید کتابت کی غلطی ہے۔ یہ الفاظ حضور ﷺ نے غزوۂ احد میں ابوسفیان کے جواب میں کہے تھے۔ مترجم۔

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے تو شیطان اپنی چونچ اس کے دل میں رکھ دیتا ہے اور اس میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسے ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

ﷺ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسم موصول محل جر میں ہے کیونکہ یہ وسواس کی صفت کے بعد صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مذمت کے طور پر منصوب ہو یا وہ مرفوع ہو کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

ﷺ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے۔ وسوسہ جنوں اور انسانوں کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ الآیۃ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو حکم دیا کہ وہ تمام انسانوں اور جنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ لوگ تو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی نہیں کرتے یہ تو صرف جنوں کا فعل ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں انسان بھی وسوسہ اندازی کرتے ہیں مگر ایسے طریقہ پر جو ان کے لئے موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسی سے وسوسہ جنم لیتا ہے۔ یا جار مجرور یوسوس کے متعلق ہے یعنی وہ لوگوں کے سینوں میں جنوں اور لوگوں کے معاملات کے متعلقہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جار مجرور اس الناس کا بیان ہے جو فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ میں ہے وہاں الناس عام ہے(1) جو جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ جنوں کو ناس کا نام دیا جس طرح انہیں رجال کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک عرب سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ بات کر رہا تھا جنوں کی ایک قوم آئی، وہ رک گئے۔ ان سے پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا اناس من الجن یعنی ہم جنوں میں سے لوگ ہیں۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بھی یہی مطلب اور مفہوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مِنَ الْجِنَّةِ الْوَسْوَاسِ کا بیان ہو اور الناس کا عطف وسواس پر ہو۔ پھر معنی یہ ہوگا میں شیطان کے شر سے جو وسوسہ اندازی کرتا ہے اور جنوں میں سے ہے اور لوگوں کے شر سے لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ان آیات کی خبر نہیں جو آج رات نازل ہوئیں تم نے ان کی مثل کبھی نہ دیکھی ہوں گی۔ وہ یہ ہیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان آیات کے بارے میں نہ بتاؤں جو تورات، زبور، اور انجیل میں نازل نہ کی گئیں اور ان کی مثل قرآن میں بھی نازل نہ کی گئیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔(3)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب آپ ہر رات بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونک مارتے۔ ان ہاتھوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے۔ پھر جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتے اپنے سر اور چہرے سے ہاتھ پھیرنا شروع کرتے اور جسم کے اگلے حصے پر ایسا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی) 3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 385 (صادر)

کرتے۔ آپ ﷺ اس طرح تین دفعہ کرتے، متفق علیہ۔(1)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اسی اثناء میں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ جحفہ اور ابواء کے درمیان چل رہا تھا کہ ہمیں سخت تاریکی اور آندھی نے آلیا۔ حضور ﷺ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عقبہ تم بھی یہ پڑھ کر اللہ کی پناہ طلب کرو۔ کسی پناہ چاہنے والے نے اس جیسی چیز سے پناہ نہ چاہی ہوگی۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ہم ایک بارش اور سخت تاریک رات میں حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ہم نے آپ کو تلاش کرلیا۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کی کیا پڑھوں۔ فرمایا صبح وشام قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) تین دفعہ پڑھا کرو، یہ تیرے لئے ہر چیز کے لئے کافی ہو جائیں گی(3)۔ اسے امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذتین پڑھتے اور پھونک مارتے۔ جب آپ کو تکلیف زیادہ ہوتی تو میں آپ پر پڑھتی اور برکت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک آپ کے جسم پر پھیر دیتی۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 5، صفحہ 750 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 380 (ارشد)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 197 (وزارت تعلیم)

قرآن حکیم کے فضائل

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(1) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماء میں یہ بات زائد ذکر کی ہے کہ تمام کلاموں پر قرآن کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔(2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو آدمیوں کے علاوہ کسی پر حسد اور شک نہیں کرنا چاہئے۔ ایک ایسا آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا اور وہ صبح و شام اسی میں مصروف رہتا ہے (یاد کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے)۔ دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا ہے۔(3)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی:۔

(1) قرآن یہ بندوں کے لئے جھگڑے گا، اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔

(2) امانت۔

(3) رحم جو اعلان کر رہی ہو گی خبردار جس نے مجھے جوڑا اسے اللہ تعالیٰ نے جوڑا، جس نے مجھے قطع کیا اسے اللہ تعالیٰ نے قطع کیا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حافظ قرآن سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا، ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا، تیرا ٹھکانہ وہ جگہ ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھے گا(4)۔ اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جسے قرآن حکیم نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے غافل رکھا تو اسے ان لوگوں سے بہتر عطا کروں گا جو سائلوں کو عطا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسرے کلاموں پر اسی طرح ہے جس طرح مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت ہے(5)۔ اسے امام ترمذی، دارمی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کتاب اللہ میں سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم مکمل ایک حرف ہے بلکہ الف حرف ہے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 752 (وزارت تعلیم) 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 360 (صادر) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 272 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 317 (المحاسن)

لام حرف ہے اور میم حرف ہے(1)۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند حسن صحیح غریب ہے۔

حارث اعور سے مروی ہے کہ میں ایک مسجد کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ احادیث میں بحث و تمحیص کر رہے ہیں اور نئے نئے معانی اخذ کر رہے ہیں تو میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے سب کچھ بتایا۔ آپ نے فرمایا کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا میں نے عرض کی اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس میں پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور اس میں مابعد کی خبریں بھی ہیں۔ جو تمہارے باہم کے معاملات ہیں ان کے احکام بھی ہیں۔ یہ مکمل قول فیصل ہے، اس میں کوئی بات فضول نہیں۔ جس نے اسے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے اسے بہرہ بنا دیا، جس نے قرآن کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت طلب کی اسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ ذکر حکیم ہے، یہ صراط مستقیم ہے۔ اسی وجہ سے خواہشات میں کجی واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی زبانوں میں التباس ہوتا ہے۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ اس کا بار بار پڑھنا انسانوں کو اکتاہٹ عطا نہیں کرتا۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ یہی وہ کلام ہے جس سے جن آگاہ تھے۔ جب انہوں نے کلام کو سنا تو کہا ہم نے عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے۔ جو اس کے موافق بات کرے گا وہ سچا ہوگا، جو اس کے مطابق عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا۔ جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ عدل کرنے والا ہوگا۔ جسے اس کی طرف بلایا گیا اس کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی گئی۔ اسے امام ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن حکیم پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ قیامت کے روز اس کے والدین کو ایسے تاج پہنائے جائیں گے جن کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی جو تم اپنے گھروں میں سورج کی روشنی پاتے ہو تو جس نے عمل کیا اس کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کرلو۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(3)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اگر قرآن کو کسی چمڑے میں رکھا جائے پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(4)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا، اسے پناہ گاہ بنایا، اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام جانا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اپنے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرے گا جن کے لئے جہنم ثابت ہو چکی تھی، اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(5)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں قرآن پڑھنا نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم)
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 114
3۔ سنن ابی داؤد مع شرح، جلد 5، صفحہ 366 (الرشد)
4۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 309 (المحاسن)
5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 114 (وزارت تعلیم)

سے بہت بہتر ہے، نماز کے علاوہ قرآن پڑھنا تسبیح اور تکبیر سے افضل ہے، تسبیح (سبحان اللہ کہنا) صدقہ سے افضل ہے، صدقہ روزے سے افضل ہے اور روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔(1)

حضرت اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی جب مصحف کے بغیر قرآن پڑھے تو اس کے لئے ہزار درجے ہیں اور مصحف سے قرآن پڑھنا اس سے دگنے درجات کا باعث ہے جو دو ہزار درجات بنتے ہیں۔(2)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اسے پانی پہنچتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اس زنگ کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں احادیث شعب الایمان میں روایت کی ہیں(3)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی آواز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا وہ نبی کی آواز کو توجہ سے سنتا ہے جب وہ قرآن خوش الحانی سے پڑھ رہا ہو، متفق علیہ(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی اچھی آواز کی طرف کان نہیں لگاتا جتنا قرآن بلند آواز سے پڑھے جانے کی طرف کان لگاتا ہے، متفق علیہ۔(5)

آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(6)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ باہر تشریف لائے جبکہ ہم قرآن پڑھ رہے تھے جبکہ ہم میں عربی اور عجمی لوگ بھی تھے۔ فرمایا پڑھو سب کا پڑھنا اچھا ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو پڑھنے میں ایسی مشق کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کرنے میں کوشش کی جاتی ہے۔ وہ دنیا میں اس کے اجر کے طالب ہوں گے۔ آخرت میں اس کے اجر کو طلب نہ کریں گے۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(7)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو عربی لہجوں اور آوازوں میں پڑھو۔ اسے اہل عشق اور اہل کتاب کے لہجوں میں نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن کو یوں پھیر پھیر کر پڑھیں گے جس طرح نغمہ اور نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل آزمائش میں مبتلا ہوں گے۔ اسی طرح ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلاء ہوں گے جو انہیں اچھا جانتے ہیں۔ اسے بیہقی اور ابن رزین رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(8)

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے صحابیت کا شرف حاصل تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل قرآن قرآن کو تکیہ نہ بنالو صبح و شام اس کی تلاوت کا حق ادا کرو، اس کو عام کرو، اس کو خوش الحانی سے پڑھو، اس میں غور و فکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو، دنیا میں اس کا بدلہ طلب نہ کرو، بے شک اس کا ثواب ہے۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔(9)

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بہترین دوا قرآن ہے۔ اسے

1۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 413 (العلمیہ) 2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 407 3۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 353

4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی) 5۔ ایضاً 6۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1123 (وزارت تعلیم)

7۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 538 (العلمیہ) 8۔ ایضاً، صفحہ 540 9۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 350

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ایک میں الفاظ یہ ہیں قرآن ہی دواء ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تمہارے لئے دو چیزیں شفاء کا باعث ہیں شہد اور قرآن(2)۔ واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنے حلق میں درد کی شکایت کی فرمایا تم قرآن پڑھا کرو۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے(3)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی میرے سینے میں درد ہوتا ہے۔ فرمایا قرآن پڑھو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہے۔ حضرت طلحہ بن مطرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے جب مریض کے پاس قرآن پڑھا جائے تو اس وجہ سے اس کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے۔ اسے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا(4)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین۔

2 رشوال، 29 دسمبر 2000ء

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 130 (العلمیہ) 2۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 519 (العلمیہ)

3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، صفحہ 518 (العلمیہ)